علمی وتحقیقی مجلہ

قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۣ عَلٰي بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ

البصیرۃ

ششماہی

ایچ ای سی سے منظور شدہ

جلد ۵ شمارہ ۲ (دسمبر ۲۰۱۶ء)

شعبہ علوم اسلامیہ نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

بسم الله الرحمن الرحيم

علمی و تحقیقی مجلّہ

البصیرۃ

ششماہی

ISSN: 2222-4548

جلد: ۵ شمارہ: ۲

دسمبر ۲۰۱۶ء

سرپرست اعلیٰ:
میجر جنرل (ر) ضیاء الدین نجم
ہلال امتیاز (ملٹری) ریکٹر، نمل

سرپرست:
بریگیڈئر ریاض احمد گوندل
ڈائریکٹر جنرل، نمل

مدیر:
ڈاکٹر سید عبد الغفار بخاری

شعبہ علوم اسلامیہ، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد، پاکستان

ناشر: شعبہ علوم اسلامیہ نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، ایچ نائن، اسلام آباد

طباعت: نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، ایچ نائن، اسلام آباد

جلد: ۵ شمارہ: ۲ (دسمبر ۲۰۱۶ء)

تعداد: ۲۰۰

قیمت: اندرون ملک: =/ ۳۰۰ روپے بیرون ملک: =/ ۱۰ ڈالر

ابسٹریکٹنگ اور انڈیکسنگ ایجنسز

۱)	**الریچ**	http://ulrichsweb.serialssolutions.com Shawn.Chem@proquest.com
۲)	**اسلامکس**	http://bibliographies.brillonline.com/browse/index-islamicus ixis@soas.ac.uk
۳)	**پروکویسٹ**	www.proquest.com info@ProQuest.com
۴)	**علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی**	www.aiou.edu.pk

خط و کتابت کے لئے ...

ڈاکٹر سید عبد الغفار بخاری

مدیر، مجلہ البصیرۃ

شعبہ علوم اسلامیہ، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، ایچ نائن، اسلام آباد

Ph: 0092 051-9265100EXT (2210)

E-mail: al-basirah@numl.edu.pk

Web-site: www.numl.edu.pk

فہرست موضوعات

- ادارتی پالیسی v
- مقالہ کی اشاعت کیلئے قواعد وضوابط vi
- مجلسِ ادارت (قومی وبین الاقوامی) viii
- مجلسِ مشاورت ix
- شرکاءمقالہ نگار x
- اداریہ xii

اردو مضامین

- صوفی عبدالحمید سواتی کا "دروس الحدیث" میں اسلوب و منہج (ایک تحقیقی جائزہ) 1
  محمد اقبال / ڈاکٹر سید عبدالغفار بخاری
- سیرت نویسی کے اثرات وفوائد 27
  شاہین کوثر / ڈاکٹر محمد ریاض وردگ
- اسلامی تورات وانجیل کی بشارتیں اور رسولِ اکرم ﷺ 47
  ڈاکٹر نور حیات خان
- علومِ اسلامیہ کے تحقیقی مقالات ومجلّات میں "حرفی" کا استعمال: ایک تجزیاتی مطالعہ 69
  ڈاکٹر معراج الاسلام ضیاء / ڈاکٹر سعید الرحمان
- شیخ احمد سرہندی کے تجدیدی کارنامے 87
  ڈاکٹر طاہر خان
- مسیحیت میں امن کی مختلف جہات 111
  ڈاکٹر تنویر قاسم / ڈاکٹر زاہد لطیف

❁ اسلامی اور مغربی قانون کی تعبیر و تشریح کے اصول اور مناہج 133

میمونہ یاسمین

عربی مضامین

❁ الحكم الشرعي لإيقاف علاج المريض الميئوس من برئه 157

د. منظور أحمد الأزهري

❁ فقه الدعوة من الحوار النبوي ومدى استفادتها في المعاملات 173

د. طاهرصديق

❁ مقاومة الاستبداد بين الشعرين العربي والأردي 189

د. عبيد الرحمن السيالكوتي

❁ الفوائد والآثار الإيجابية لحادثة الإفك فى ضوء السنة النبوية 209

د. مسعود أحمد السندي

❁ دلالات الهدى وأنواعه في السياق القرآني 223

د. أبو بكر بهته / د. كفايت الله همداني

❁ الزوائد في أسماء الإشارة 241

د. خليق الرحمن

انگریزی مضامین

❁ Reason Interplay in explanation of Islamic Law (Its role & impact on Shariah) 1

Dr. Farhat Nisar/ Dr. Fayyz Ahamad Faizi

❁ Qurānic and Legislative Facade of Veil in Pakistan 15

Dr. S. Aftab Aalam

❁ Islam, Forced Marriages and Pakistani Culture: (An Analytical Overview) 29

Dr. Naseem Akhter/Dr. Arshad Munir

❁ Factors Affecting Prenatal Development: An Analysis 43

Muhammad Tahir/ Dr. M. Tahir Khalily

البصیرۃ : ادارتی پالیسی

- البصیرۃ خالصۃً اسلامی علوم وفنون سے وابستہ تحقیقی مجلہ ہے۔ جو علمی و تحقیقی دنیا کے لئے نمایاں نوعیت کا حامل ہے۔ اس میں شائع ہونے والے مقالات کے متعلق ادارتی پالیسی حسب ذیل ہے:
- البصیرۃ میں شائع ہونے والے مقالات کے موضوعات علوم القرآن، علوم الحدیث، علم فقہ واصول فقہ، تقابل ادیان، علم کلام وتصوف، فلسفہ، سائنس، ادب، معاشیات، عمرانیات، سیاسیات ، ثقافت وتمدن ،عربی زبان وادب اور اسی طرح مسلم شخصیات اور اسلامی موضوعات پر لکھی جانے والی کتب (تبصرہ وتعارف) وغیرہ سے متعلق ہونے چاہئیں۔
- البصیرۃ ایک ششماہی رسالہ ہے یعنی سال میں دو مرتبہ (جون اور دسمبر میں) شائع ہو گا۔
- البصیرۃ میں اشاعت کی غرض سے بھیجے گئے مقالات کا تجزیہ دو منظور شدہ ماہرین سے کروایا جائے گا۔ جس میں ایک تبصرہ نگار ملکی اور دو غیر ملکی ہوں گے۔
- البصیرۃ کی اشاعت کے سلسلہ میں ہائیر ایجوکیشن کمیشن (HEC) کے جملہ قوانین وضوابط لاگو ہوں گے۔
- البصیرۃ میں مقالہ کی اشاعت کے حوالے سے ادارتی بورڈ کا فیصلہ حتمی ہو گا۔
- البصیرۃ کی ادارتی مجلس کو ارسال کیے گئے مقالات میں ضروری ترامیم، تنسیخ و تلخیص کا حق حاصل ہو گا۔ مدیر مقالہ نگاروں کو تجزیہ کاروں کی رائے، نیز مقالہ میں مطلوب کسی تبدیلی سے متعلق آگاہ کرے گا۔
- البصیرۃ ادارہ کا مقالہ نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں، مقالہ میں دی گئی رائے کی ذمہ داری مجلس ادارت یا نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز اسلام آباد پر نہیں، بلکہ مقالہ نگار پر ہو گی۔
- البصیرۃ کو موصول مقالات (شائع ہونے یا نہ ہونے) کسی صورت میں واپس نہیں کئے جائیں گے۔
- البصیرۃ کی دو عدد کاپیاں شرکاء مقالہ نگاروں کو فراہم کی جائیں گی۔

البصیرۃ میں مقالہ کیلئے قواعد و ضوابط

عمومی قواعد:

۱۔ مقالہ A4 صفحے کے ایک طرف کمپوز اور طوالت ۲۵ صفحات سے زائد نہیں ہونی چاہیے۔

۲۔ کمپوزنگ کے سلسلے میں درج ذیل فانٹس کا خیال رکھا جائے:

(i) فصل یا مبحث کے لئے فانٹ سائز:۱۸

(ii) ذیلی فصول کے لئے فانٹ سائز:۱۶

(iii) مقالے کے متن کے لئے فانٹ سائز:(اُردو اور عربی:۱۴، انگلش:۱۲)

(iv) حواشی فانٹ سائز:(اُردو اور عربی:۱۲، انگلش:۱۰)

۳۔ مقالہ کسی اور جگہ شائع شدہ نہ ہو اور نہ ہی کسی اور جگہ اشاعت کے لئے دیا گیا ہو۔

۴۔ مقالہ تحقیق کے اصولوں کے عین مطابق ہونا چاہیے۔ نئی تحقیق پر مبنی اور علمی سرقہ سے خالی ہو۔ نیز مقالہ بنیادی مصادر کے حوالوں سے مزین ہونا چاہیئے۔

۵۔ املاء و انشاء کے رموز و قواعد کا التزام ضروری ہے۔

۶۔ مقالہ کی تین مطبوعہ کاپیاں (Hard copies) اور ایک سافٹ کاپی مطلوب ہو گی۔

۷۔ مقالہ نگار دو سو پچاس (۲۵۰) الفاظ پر مشتمل اپنے مقالہ کا ملخص بحث (Abstract) انگریزی زبان میں مقالہ کے ساتھ فراہم کرے گا۔

۸۔ مقالہ اردو، عربی اور انگریزی زبان میں لکھا جا سکتا ہے۔

۹۔ اغلاط سے حتیٰ الامکان اجتناب کیا جانا چاہیئے۔

ترتیب وتدوین کے قواعد:

تحقیقی مقالہ درج ذیل امور پر مشتمل ہونا چاہیے:

۱۔ **خلاصہ (Abstract)**

اس میں بالاختصار مضمون کا خلاصہ تحریر کیجیے۔ اور یہ انگریزی زبان میں لکھنا ہو گا۔

۲۔ **تعارف (Introduction)**

تحقیق کا مقصد، طریقہ کار، امتیازی خصائص اور مقالے کا تعارف مختصراً پیش کیا جانا چاہیے۔

۳۔ **کلیدی الفاظ (Keywords)**

مقالے سے متعلق موضوع کی مناسبت سے پانچ کلیدی الفاظ شامل کیجیے۔

۴۔ **نتائج (Conclusion)**

مقالہ میں نتائج بحث منطقی ترتیب و تسلسل کے ساتھ پیش کرنے چاہییں۔

۵۔ **بحث (Discussion)**

مقالہ کے اس حصے میں مقالہ نگار اپنے تحقیق سے متعلقہ مواد تفصیلاً پیش کرے گا۔

۶۔ **حوالہ جات (References)**

حوالہ جات دینے کے لئے درج ذیل ہدایات ملحوظ رکھنی چاہییں:

i) حوالہ جات بحث کے ہر صفحہ پر دیئے جائیں۔

ii) مقالہ کے حواشی اور حوالہ جات کی ترتیب میں شکاگو مینوئل سٹائل (Chicago Manual Style) کو بروئے کار لایا جائے۔

iii) کتاب کا حوالہ دیتے وقت مصنف کا معروف نام، کتاب کا مختصر نام، ناشر اور مقام اشاعت، سن اشاعت وغیرہ اور اس کے بعد / کے دائیں طرف جلد اور بائیں طرف صفحہ نمبر درج کریں۔ مثلاً

ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، دار صادر، بیروت، ۱۳۵۴ھ ، ۲/۳۱۲

iv) ایک ہی حوالہ متعدد جگہوں پر دینا مقصود ہو تو اختصار کے اسلوب تحقیق میں معروف رموزواشارات کا استعمال کیا جاسکتا ہے۔

v) مقالہ میں موجود تمام قرآنی آیات عربی رسم الخط میں تحریر ہونی چاہییں۔ آیات کا حوالہ دینے کے لئے یہ طریقہ اختیار کیا جائے۔ مثلاً **سورۃ النساء:۴/۱۸۴**

vi) تمام احادیث کی تشریح کریں اور اُس کے لئے درج ذیل مثال کو مد نظر رکھیں:

البخاری، الجامع الصحیح، کتاب العلم، باب إفشاء السلام من الإسلام ، دار السلام، ریاض، ۱۴۱۲ھ، حدیث نمبر:۲۹، ۱/ ۸

vii) مقالہ میں مذکور تمام غیر معروف شخصیات کا مختصر تعارف کروائیں اور اس ضمن میں علم الرجال اور الطبقات کی کتب سے حوالہ جات دیں۔

مجلس ادارت:

(قومی)

- پروفیسر ڈاکٹر محمد اکرم چوہدری، سابق وائس چانسلر سرگودھا یونیورسٹی، سرگودھا
- پروفیسر ڈاکٹر سہیل حسن، ڈائریکٹر دعوۃ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد
- پروفیسر ڈاکٹر علی اصغر چشتی، ڈین کلیہ عربی و علوم اسلامیہ، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد
- پروفیسر ڈاکٹر معراج الاِسلام ضیاء، ڈین کلیہ اورینٹیل اسٹڈیز، پشاور یونیورسٹی، پشاور
- پروفیسر ڈاکٹر محمد ضیاء الحق، ڈائریکٹر جنرل ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد
- پروفیسر ڈاکٹر عبدالرؤف ظفر، صدر شعبہ علوم اسلامیہ، سرگودھا یونیورسٹی، لاہور کیمپس
- پروفیسر ڈاکٹر حماد لکھوی، شعبہ علوم اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور
- پروفیسر ڈاکٹر دوست محمد، ڈائریکٹر شیخ زاید اسلامک سنٹر، پشاور یونیورسٹی، پشاور

(بین الاقوامی)

- پروفیسر ڈاکٹر احمد یوسف درویش، صدر بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد
- پروفیسر ڈاکٹر صہیب حسن، سیکرٹری شریعہ کونسل، لندن، برطانیہ
- پروفیسر ڈاکٹر محمد حفیظ ارشد، ڈائریکٹر ہائر لرننگ سنٹر، لندن، برطانیہ
- پروفیسر ڈاکٹر خادم حسین الٰہی بخش، طائف یونیورسٹی، سعودی عرب
- پروفیسر ڈاکٹر حافظ عبدالوحید، ڈائریکٹر عبدالحلیم قرآنک انسٹیوٹ، امریکہ
- پروفیسر ڈاکٹر احمد بن مشعل الغامدی، ام القری یونیورسٹی، سعودی عرب
- پروفیسر ڈاکٹر شبیر احمد، ڈائریکٹر التذکیر سوسائٹی، آسٹریلیا
- پروفیسر ڈاکٹر برکات دیب، ازہر یونیورسٹی، قاہرہ، مصر

مجلس مشاورت:

- پروفیسر ڈاکٹر فتح الرحمن القرشی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد
- پروفیسر ڈاکٹر تاج الدین ازہری، صدر شعبہ علوم اسلامیہ، ہائی ٹیک یونیورسٹی، ٹیکسلا
- پروفیسر ڈاکٹر فضل ربی، چیف ایسوسی ایٹس اکیڈیمکس، فاونڈیشن یونیورسٹی، اسلام آباد
- پروفیسر ڈاکٹر عبدالحمید عباسی، صدر شعبہ قرآن وتفسیر، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد
- پروفیسر ڈاکٹر مستفیض علوی، شعبہ علوم اسلامیہ، لاہور لیڈز یونیورسٹی، لاہور
- پروفیسر ڈاکٹر محی الدین ہاشمی، چیئرمین شعبہ فکر اسلامی وثقافت، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد
- پروفیسر ڈاکٹر محمد سجاد، صدر شعبہ اسلامی فکر وتاریخ وثقافت، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد
- پروفیسر ڈاکٹر محمد عبداللہ، شیخ زید اسلامک سنٹر، پنجاب یونیورسٹی، لاہور
- پروفیسر ڈاکٹر عبدالعلی اچکزئی، صدر شعبہ علوم اسلامیہ، بلوچستان یونیورسٹی، کوئٹہ
- پروفیسر ڈاکٹر طاہر محمود، دعوۃ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد
- پروفیسر ڈاکٹر ازکیا ہاشمی، ڈین کلیہ آرٹس وصدر علوم اسلامیہ ومطالعۂ مذاہب، ہزارہ یونیورسٹی
- ڈاکٹر محمد الیاس، شعبہ حدیث، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد
- ڈاکٹر حافظ عبدالقیوم، شیخ زید اسلامک سنٹر، پنجاب یونیورسٹی، لاہور
- ڈاکٹر مرسل فرمان، شعبہ علوم اسلامیہ ومطالعہ مذاہب، ہزارہ یونیورسٹی، مانسہرہ
- ڈاکٹر محمد ریاض وردگ، سابق صدر شعبہ علوم اسلامیہ ومطالعۂ مذاہب، ہزارہ یونیورسٹی، مانسہرہ
- ڈاکٹر خلیق الرحمان، شعبہ اسلامی فکر وتہذیب، یونیورسٹی آف مینجمنٹ اینڈ ٹیکنالوجی، لاہور
- ڈاکٹر حضرت عمر، شعبہ انگلش، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویج اسلام آباد

شرکاء مقالہ نگار

- محمد اقبال، پی ایچ ڈی سکالر، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگو ئجزیونیورسٹی، اسلام آباد
- ڈاکٹر سید عبد الغفار بخاری، صدر شعبہ اسلامیہ، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگو ئجز، اسلام آباد
- شاہین کوثر، پی ایچ ڈی سکالر، ہزارہ یونیورسٹی، مانسہرہ
- ڈاکٹر محمد ریاض وردگ، سابق صدر شعبہ علوم اسلامیہ و مطالعۂ مذاہب، ہزارہ یونیورسٹی، مانسہرہ
- ڈاکٹر نور حیات خان، اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علومِ اسلامیہ نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگو ئجز، اسلام آباد
- ڈاکٹر معراج الاسلام ضیاء، ڈین علوم اسلامیہ و دراسات علوم شرقیہ، پشاور یونیورسٹی، پشاور
- ڈاکٹر سعید الرحمان، اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، عبد الولی خان یونیورسٹی مردان
- ڈاکٹر طاہر خان، سینئر ٹیچر، ایف جی ہائی سکول، واہ کینٹ، راولپنڈی
- ڈاکٹر تنویر قاسم، اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ علوم اسلامیہ، یونیورسٹی آف انجینئرنگ اینڈ ٹیکنالوجی لاہور
- ڈاکٹر زاہد لطیف، اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ علوم اسلامیہ، یونیورسٹی آف انجینئرنگ اینڈ ٹیکنالوجی، لاہور
- میمونہ یاسمین، اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ علوم اسلامیہ، گورنمنٹ ڈگری کالج برائے خواتین، راولپنڈی
- ڈاکٹر منظور احمد الازہری، ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، ٹیکسلا یونیورسٹی
- ڈاکٹر طاہر صدیق، اسسٹنٹ پروفیسر دعوۃ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد
- ڈاکٹر عبید الرحمٰن بن محمد بشیر سیالکوٹی، شعبہ عربی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد
- ڈاکٹر مسعود احمد سندھی، اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد
- ڈاکٹر ابو بکر بھٹہ، لیکچرار شعبہ عربی، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگو ئجز اسلام آباد
- ڈاکٹر کفایت اللہ ہمدانی، صدر شعبہ عربی، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگو ئجز، اسلام آباد
- ڈاکٹر خلیق الرحمٰن، اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ مینجمنٹ اینڈ ٹیکنالوجی یونیورسٹی، لاہور

- ڈاکٹر فرحت نثار، اسسٹنٹ پروفیسر، کامسٹ یونیورسٹی، اسلام آباد
- ڈاکٹر فیض احمد فیضی، اسسٹنٹ پروفیسر، کامسٹ یونیورسٹی، اسلام آباد
- ڈاکٹر سید آفتاب عالم، اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، یونیورسٹی آف لاہور، سرگودھا کیمپس
- ڈاکٹر نسیم اختر، شعبہ علوم اسلامیہ، بے نظیر وومن یونیورسٹی، پشاور
- ڈاکٹر ارشد منیر، شعبہ علوم اسلامیہ، ڈیرہ غازی خان یونیورسٹی، ڈیرہ غازی خان
- محمد طاہر، پی ایچ ڈی، سکالر شعبہ اصول الدین، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد
- پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر خلیلی، چیرمین، شعبہ نفسیات، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اداریہ

اسلام وہ مذہب ہے جس نے جملہ شعبہ ہائے زندگی میں تاریخ ساز انقلاب بپا کیے ہیں۔ معیشت ہو یا معاشرت، سیاست ہو یا ریاست، تعلیم ہو یا تفکیر، اخلاق ہو یا تربیت، گویا کہ زندگی کا کوئی ایسا گوشہ نہیں جس میں اسلام نے حیاتِ انسانی کے ہر دریچے کو منوّر نہ کیا ہو جبکہ اس سے قبل بنی نوع انسان ایک بھیانک اور تباہ کن منزل کی جانب گامزن تھی، اور کسی ایسے مسیحا کی تلاش میں تھی، جس کے ہاتھ میں چراغِ ہدایت ہو اور جس کے ذریعہ بنی نوع انسان کو طبقاتی کشمکش، اخلاقی بے راہ روی، علمی و فکری تنزلی، اور معاشرتی لاقانونیت سے نجات مل سکے۔

خالقِ دو جہاں نے جناب محمد رسول اللہ ﷺ کو اس مسیحا کی صورت میں بھیجا، جنہوں نے صنفِ انسانی کے جملہ پہلوؤں پر بے نظیر و بے مثال محنت فرمائی، آنحضرت ﷺ نے پہلے انسان کو اپنے خالق سے متعارف کرایا، پھر دینِ اسلام کی ہمہ گیر تعلیمات کو انسانیت کا حرزِ جاں بنا ڈالا۔ ان انتھک اور جاں گسل کاوشوں کے سبب بنی نوع انسان اس نہج پر پہنچی کہ زندگی کے ہر گوشہ میں پھونک کر قدم رکھنے لگی۔ کسی بھی اقدام سے قبل یہ سوچنا کہ خالقِ انسانیت نے اس میں کیا حکم دیا ہے؟ ان کی زندگی کا وطیرہ بن گیا۔ اسی سوچ و فکر نے اس تحقیقی مزاج کو جلا بخشی جس کا حکم " أَفَلَا يَتَفَكَّرُون، أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ " کے زمزموں سے ان کے مزاج کا حصہ بن گیا۔

دینِ اسلام کی خصوصیت روزِ اول سے یہ رہی ہے کہ اس کی جملہ تعلیمات صرف نظریاتی نہیں، بلکہ عملی بنیادوں پر قائم ہیں۔ لہٰذا فکر و عمل کے اس باہمی ارتباط نے عمر و علی، ابن عباس و ابن مسعود، معاذ بن جبل و ابو موسیٰ اشعری وغیرہم رضی اللہ عنہم کو وہ تحقیقی مزاج بخشا کہ بصیرت و دانائی اِن رجال کی مثال پیش کرنے سے عاجز ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد تابعین و تبع تابعین رحمۃ اللہ علیہم نے اسلاف سے جو میراث پائی، اُسے مزید چار چاند لگا کر اپنے اخلاف میں تقسیم کیا، جنہوں نے چار وانگ عالم کو اپنے نور سے یوں منور کیا کہ پوری دنیا بقعہ نور بن گئی۔

انہی نفوس قدسیہ کی سعی مبارکہ کی بدولت میراث نبوی کی تقسیم کا عمل جاری ہے اور دنیائے جدید قرآن وسنت کے افکار واقدار سے معطّر ہو رہی ہے۔ علم وتحقیق کا یہ ایک کارواں ہے، جس کی منتہا و معراج دنیا و آخرت کی فلاح ہے۔ علمی و تحقیقی مجلہ البصیرۃ بھی اس کارواں کا ہمرکاب اِک سوار ہے، جو دامے درمے سخنے حتیٰ الوسع دینِ متین کی خدمت میں مصروفِ عمل ہے۔

البصیرۃ علوم اسلامیہ میں تحقیق کے معیار کی از حد بہتری کا خواہش مند رہا ہے، جس کا بنیادی مقصد تحقیق میں بین الاقوامی معیار کا حصول ہے۔ اسی مقصد کے پیش نظر مختلف بین الاقوامی انڈیکسنگ اور ابسٹرکٹنگ ایجنسیز (Indexing & Abstracting Agency) سے مجلہ ہذا کی انڈیکسنگ اور ابسٹرکٹنگ کی درخواست کی گئی۔ محترم قارئین! یہ امر خوش آئند ہے کہ ایچ ای سی سے منظور شدہ تین بین الاقوامی انڈیکسنگ اور ابسٹرکٹنگ ایجنسیز Proquest Ulrich's, Islamicus, اور ایک قومی ایجنسی AIOU شامل ہے، نے البصیرۃ کی انڈیکسنگ اور ابسٹرکٹنگ کر دی ہے۔

شمارہ ہذا میں منتخب کردہ سترہ تحقیقی مقالات کو شامل کیا گیا ہے جن میں سات اردو، چھ عربی اور چار انگریزی مقالات شامل کئے گئے ہیں۔

ادارہ البصیرۃ ریکٹر نمل میجر جنرل (ر) ضیاء الدین نجم ہلال امتیاز (ملٹری) اور ڈائریکٹر جنرل بریگیڈیئر ریاض احمد کا تہہِ دل سے شکریہ ادا کرتا ہے جن کی سرپرستی اور مکمل تعاون سے یہ کام باحسن پایۂ تکمیل تک پہنچ سکا ہے (جزاہ اللہ خیرا)۔ آخر میں ادارہ کی جانب سے شرکاءِ مقالہ، اساتذہ، محققین، معاونین اور ان تمام افراد کا شکر گزار ہے جنہوں نے تحقیقی میدان میں اپنا کردار ادا کیا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ تمام حضرات کی مساعی جمیلہ کو مقبول و منظور فرمائے۔ اور ہم سب کی کوششوں کو اپنی بارگاہ میں شرفِ قبولیت عطاء فرمائے، اور البصیرۃ کو مزید پذیرائی اور مقبولیت عطا فرمائے۔ آمین!

ڈاکٹر سید عبد الغفار بخاری

مدیر البصیرۃ

صوفی عبدالحمید سواتی کا " دروس الحدیث " میں اسلوب و منہج

(ایک تحقیقی جائزہ)

Sūfī Abdul Hamīd Swātī's Style & Methodolgy in "Durūs Al Hadīth"

(An analytical view)

محمد اقبال*

ڈاکٹر سید عبدالغفار بخاری**

ABSTRACT

In contemporary era, preaching of Islamic teachings to common people of society is of much importance. In addition, level of communication is also to be maintained. Abdul Hamīd Swātī was such a scholar/preacher of Pakistan, who had exegetical command over Qur'ān, Ḥadīth and other related religious fields. Abdul Hamīd Swātī during his entire lifetime tried his best to highlight the religious consciousness of the people not only by means of speeches, but also with the help of his writings.

He worked on Qur'ān by writing a tafsīr named "Ma'ālim Al 'Irfān fī Durūs Al Qur'ān". Because of his prodigious devotion towards Shāh Waliullāh, he presented translations, interpretations, preambles and notes on Waliullāh's scholarly masterpieces. Swātī also presented Maulānā 'Ubaidullāh Sindhī's studies and thoughts before public and tried to eradicate all those concerns which victimized his personality.

Abdul Hamīd Swātī also worked on Ḥadīth and its sciences. Present article is concerned with his masterwork "Durūs Al Ḥadīth" in 4-volumes. Its 7th edition was published in March-2015. In fact, these were the public lectures, which were published. Swātī selected Mashāriq Al Anwār by Hassan Saghānī, then Sahīh Bkhārī, Muslim, etc. for his lectures. However, lectures from Musnad Ahmad (more than one thousand hadiths) were only recorded and these lectures form the Book. This book also contains relevant information about Imām Ahmad bin Hambal and his Musnad.

Keywords: *Swātī, Musnad, Waliullāh, 'Ubaidullāh Sindhī, Hadīth*

---

* پی ایچ ڈی سکالر، نمل یونیورسٹی، اسلام آباد

** صدر شعبہ علوم اسلامیہ، نمل یونیورسٹی، اسلام آباد

صوفی عبدالحمید کا تعارف

آپ کا پورا نام عبدالحمید خان تھا ۔کنیت اپنے بیٹے محمد فیاض خان کے نام پر ابو الفیاض تھی، اور نسب یوں ہے: عبدالحمید خان بن نور احمد خان بن گل احمد خان بن گل داد خان مندراوی یوسف زئی سواتی۔ پٹھانوں کی یوسف زئی برادری کی گوتھ مندراوی سے تعلق کی بناء پر ان کو سواتی بھی کہا جاتا ہے۔ان کے آباءواجداد ۱۷۰۳ء میں ریاست سوات کو خیر آباد کہہ کر ضلع ہزارہ میں آباد ہوئے۔ان کے ہاں پشتو اور ہندکو دونوں زبانیں بولی جاتی تھیں۔ آپ کے والد کا نام نور احمد خان اور والدہ کا نام بختاور بیگم تھا۔ان کے بڑے بھائی محمد سرفراز خان صفدر تھے۔[۱]

آپ کی تاریخ ولادت کے بارے میں حتمی طور پر معلوم نہیں ہے۔ آپ اپنی ذاتی ڈائری میں اپنی تاریخ ولادت کے بارے میں لکھتے ہیں کہ "میری پیدائش بقول چچا زمان خان صاحب ۱۹۱۷ء کے لگ بھگ ہوئی۔"[۲] آپ کی جائے ولادت صوبہ سرحد (موجودہ خیبر پختونخواہ) کے ضلع مانسہرہ کے علاقہ کونش کے مقام "چیڑاں ڈھکی" کا مضافات کڑمنگ بالا ہے[۳]۔ ۱۴ /اپریل ۲۰۰۸ کو صوفی عبدالحمید سواتی ؒ کی وفات ہوئی۔ آپ کو گوجرانوالہ قدیمی قبرستان میں سپرد خاک کیا گیا۔عبدالحمید خان سواتی ؒ کا لقب "صوفی" اور تخلص "اختر" تھا۔لقب اتنا مشہور ہو گیا تھا کہ بہت سے حضرات خصوصاً گوجرانوالہ کے لوگ تو آپ کے اصل نام سے ہی واقف نہ تھے۔

حصول علم

آپ کا علمی سفر ۱۹۲۸ء سے ۱۹۳۸ء تک پاکستان کے مختلف علاقوں ملک پور کھکھو، گنڈہ، وڈالہ، سرگودھا، لاہور، ہری پور، مانسہرہ، سیالکوٹ، خوشاب، جہان آباد، ملتان، گوجرانوالہ وغیرہ پر محیط رہا۔۱۹۴۱ء کے اواخر میں صوفی عبدالحمید سواتی ؒ نے مشرق کی عظیم جامعہ دار العلوم دیوبند میں حدیث پڑھنے کے لیے سفر کیا۔ دار العلوم دیوبند سے فراغت کے تین سال بعد ۱۹۴۴ء میں دار المبلغین لکھنؤ شہر، ضلع اودھ گئے۔[۴]

---

[۱] سواتی، عبدالحمید، مفسر قرآن نمبر، ادارۃ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ، اگست تا اکتوبر ۲۰۰۸، ص:۵۸، ۶۲، ۶۶، ۶۹

[۲] اَیضاً، ص:۴۵

[۳] یاسر الدین، کاروان علم، مکتبہ دروس الحدیث، فاروق گنج، گوجرانوالہ، س۔ن، ص:۲۳۲؛ یہ جگہ شنکیاری سے بٹل جاتے ہوئے شاہراہ ابریشم پر تقریباً سولہ کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے اور اب آباد ہو چکی ہے۔

[۴] مفسر قرآن نمبر، ص:۷۴

علمی حیثیت

صوفی عبدالحمید سواتی ؒ اصول وجزئیات میں گہرا علم رکھتے تھے۔ ان کے تدریسی انداز سے علماء اور ان کے تلامذہ توان کے علمی مقام کو جانتے ہی ہیں؛ مگر ان کی تصانیف بالخصوص 'دروس القرآن' اور 'نماز مسنون' میں بیان کردہ علمی نکات، جمہور سے اختلاف رکھنے والے فرقوں کی مدلل انداز میں تردید سے عوام الناس پر بھی ان کا علمی مقام مخفی نہیں رہتا۔ صوفی عبدالحمید سواتی کے اساتذہ میں درج ذیل اکابرین مولانا حسین احمد مدنی[1]، علامہ محمد ابراہیم بلیلاوی[2]، مفتی ریاض الدین[3]، مولانا محمد اعزاز علی دیو بندی[4]، مفتی محمد شفیع دیو بندی[5]، مولانا محمد ادریس کاندھلوی[6]، مولانا ابوالوفا شاہجہان پوری[7]، علامہ عبدالشکور فاروقی[8]، مولانا عبداللہ درخواستی[9]، مفتی عبدالواحد

---

(۱) حضرت شیخ الہند سید حسین احمد مدنی ۱۸۷۹ء میں پیدا ہوئے۔ آپ مولانا محمود الحسن کے جانشین اور برصغیر پاک وہند کی معروف علمی، روحانی اور سیاسی شخصیت تھے۔ 'شیخ العرب والعجم' کے لقب سے موسوم تھے۔ آپ دارالعلوم دیوبند میں شیخ الحدیث رہے۔ انگریز کے دور میں 'مالٹا' میں اسیر رہے۔ جنگ عظیم ختم ہونے کے بعد رہائی ملی۔ ۱۹۵۷ء میں بھارت میں انتقال ہوا۔

(۲) ۱۳۰۴ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ کا تاریخی نام ' غلام کبریا' ہے، 'جامع المعقول والمنقول' کے القاب سے یاد کئے جاتے تھے۔ دارالعلوم دیوبند کے صدر مدرّس رہے۔ شیخ الہند مولانا محمود الحسن کے نمایاں شاگردوں میں سے تھے۔ ۱۹۶۷ء میں وفات پائی۔

(۳) مفتی ریاض ضلع بجنور کے رہنے والے تھے۔ شیخ الہند مولانا محمود حسن کے شاگرد تھے۔ بہت نیک طبع، سادہ دل اور ذی استعداد بزرگ تھے۔ عرصہ تک دارالعلوم کے مفتی اور اس کے بعد مدرس اعلیٰ رہے۔ آپ کا انتقال ۱۳۵۶ھ کے لگ بھگ ہوا۔

(۴) ۱۳۰۰ھ میں پیدا ہوئے۔ ۱۳۳۰ھ میں بطور مدرس عربی دارالعلوم دیوبند میں آپ کا تقرر ہوا۔ اور تدریس کے ساتھ دارالافتاء میں بھی کام کرتے رہے۔ کچھ عرصہ مفتی اعظم بھی رہے۔ آپ شیخ الہند کے شاگرد تھے۔

(۵) مولانا محمد شفیع ۱۳۱۴ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ مفتی اعظم پاکستان کے لقب سے یاد کئے جاتے ہیں۔ قرآن کریم کی تفسیر "معارف القرآن" کے مصنف اور دارالعلوم کراچی کے بانی تھے۔

(۶) مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۱۹۰۰ء میں پیدا ہوئے۔ آپ کا تعلق ایک مایۂ ناز علمی خاندان سے تھا۔ دارالعلوم دیوبند میں ۱۳۳۷ھ میں مولانا انور شاہ کشمیری سے دورۂ حدیث پڑھ کر سند حاصل کی۔ آپ نے ۱۹۷۴ء کو وفات پائی۔

(۷) مولانا ابوالوفا شاہجہانپوری، مولانا انور شاہ کشمیری، مولانا خلیل احمد سہارنپوری کے شاگرد تھے۔ اپنے وقت کے بے مثال خطیب اور زبردست مناظر تھے۔ قادیانیوں اور رضاخانیوں سے مناظرے کئے۔ ۱۳۰۰ھ میں وفات پائی۔

(۸) ۱۸۷۶ء میں پیدا ہوئے۔ مولانا سید، برصغیر پاک وہند کی نمایاں علمی شخصیت تھے۔ ۱۹۶۲ء میں وفات پائی۔

(۹) مولانا عبداللہ درخواستی' شیخ الاسلام اور حافظ الحدیث کے القاب سے متعارف ہیں۔ ۱۹۹۴ء میں وفات پائی۔

الواحد سیہالوی(۱)، مولانا عبد القدیر کیملپوری(۲)، مولانا عبد الشکور لکھنوی(۳) وغیرہ شامل ہیں(۴)۔ جبکہ آپ کے تلامذہ میں محمد فیاض خان سواتی(۵)، مولانا زاہد الراشدی(۶)، مولانا شمس الدین شہید(۷) اور مولانا محمد اسلم شیخوپوری (۸) نمایاں ہیں۔

عبد الحمید سواتی کی تصانیف

آپ نے اپنی حیات میں نہ صرف تقریر، بلکہ تحریر کے ذریعے بھی عوام کے اندر صحیح ایمانی شعور اجاگر کیا۔ آپ نے اپنی زندگی میں تقریباً ہر شعبہ زندگی پر قلم اٹھایا اور اسلام کے مطابق تعلیمات واضح کیں۔ ان کی تحریر کردہ کتب کی تعداد پچاس سے زائد ہے۔ جن میں قرآن کریم کا ترجمہ، تفسیر، شروحات حدیث، خطبات، مقالات سوانح، تراجم اور حواشی شامل ہیں۔ آپ کو خانوادۂ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ سے خاص عقیدت و محبت ہونے کی بنا پر آپ نے اپنی زندگی میں حکیم الامت امام ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ کی معرکۃ الآراء تصنیفات میں سے ولی اللہ صرف المعروف بہ

---

(۱) ۱۹۰۸ء میں پیدا ہوئے۔ آپ گوجرانوالہ شہر کے ایک بزرگ عالم دین، متقی، پرہیزگار، ذہین وزیرک سیاستدان ہونے کے علاوہ بے شمار خداداد صلاحیتوں اور خوبیوں سے مالامال تھے۔

(۲) مولانا عبد القدیر ضلع اٹک میں ۱۹۰۱ء میں پیدا ہوئے۔ مولانا انور شاہ کشمیری اور شبیر احمد عثمانی کے مایہ ناز شاگرد تھے۔ دسمبر ۱۹۹۰ء میں وفات پائی۔ مدتِ تدریس ۶۵ سال تھی۔

(۳) مولانا عبد الشکور لکھنوی برصغیر کی ایک نمایاں علمی شخصیت تھے۔ مولانا عین القضاۃ اور مولانا خلیل احمد سہارنپوری سے تلمذ حاصل تھا۔ امام اہل السنۃ کے لقب سے مشہور تھے۔

(۴) مشاہیر علماء، ڈاکٹر حافظ قاری فیوض الرحمن، فرنٹیئر پبلشنگ، لاہور، س۔ن، حصہ اول، ص: ۴۲۵۔۴۲۷

(۵) صوفی عبد الحمید کے فرزند اور شاگرد ہیں۔ ۱۹۹۵ء میں ماہنامہ نصرۃ العلوم میں بحیثیت مدیر اعلیٰ کام شروع کیا۔ ۲۰۰۲ء میں جامع مسجد نور کے خطیب مقرر ہوئے۔ مدرسہ نصرت العلوم میں اپنے والد کے جانشین کے طور پر اہتمام، خطابت اور تدریس کے فرائض میں دورۂ حدیث کے اسباق پڑھاتے ہیں۔ ۲۲ کتب کے مصنف ہیں۔

(۶) ۱۹۴۸ء میں گکھڑ، ضلع گوجرانوالہ میں پیدا ہوئے۔ مولانا سرفراز خان صفدر کے سب سے بڑے صاحبزادے اور صوفی عبد الحمید سواتی کے شاگرد اور بھتیجے ہیں۔

(۷) ۱۹۴۵ء میں کوئٹہ میں پیدا ہوئے۔ عبد الحمید سواتی کے نامور تلامذہ میں سے تھے۔ صوبائی اسمبلی کے ممبر اور ڈپٹی سپیکر بھی رہے۔ ۱۹۷۳ء میں مرزائیوں کے خلاف منظم تحریک چلائی۔ ۱۹۷۴ء میں کوئٹہ میں شہید ہوئے۔ مولانا زاہد الراشدی نے ان پر 'رجل رشید' نامی کتاب لکھی۔

(۸) عبد الحمید سواتی کے مایہ ناز شاگردوں میں سے ایک ہیں۔ ہفت روزہ 'ضرب مومن' کراچی کے کالم نگار، قرآن کریم کے مفسر اور کئی کتب کے مصنف ہیں۔ جامعہ بنوریہ کراچی اور جامعہ الرشید کراچی میں درس وتدریس کے فرائض دیتے رہے۔

صرف میر منظوم، الطاف القدس فی معرفۃ لطائف النفس، رسالہ دانشمندی، الفوز الکبیر اور عقیدہ پر شروحات وتراجم اور تصحیح مقدمات وحواشی مرتب کیے۔ آپ نے مولانا عبید اللہ سندھی کے علوم وافکار کو عوام کے سامنے پیش کیا، اور ان تمام وساوس کا تدارک کیا، جو ان کی شخصیت کو متاثر کر رہے تھے۔ اسی طرح آپ کو اکابرین سے ایک خاص لگاؤ رہا، جو ان کی تصنیف "الاکابر" سے واضح ہوتا ہے۔ صوفی عبدالحمید رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی زندگی کو اسلام کی اشاعت کے لیے وقف کر دیا تھا، اس کا مظاہرہ آپ کی تصنیف نماز مسنون خورد اور نماز مسنون کلاں کی ضخیم اور علمی ابحاث سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔ آپ کے خطبات جمعہ کو بھی ایک خاص ترتیب سے محفوظ کیا گیا۔ یہ خطبات "خطبات سواتی" کے نام سے منظر عام پر آچکے ہیں۔ صوفی عبدالحمید رحمۃ اللہ علیہ نہ صرف ایک مفسر، بلکہ ایک محدث بھی تھے۔ اس کا اندازہ آپ کے علم حدیث میں مختلف کتب کی شروحات لکھنے سے عیاں ہیں۔ آپ نے اپنے تصنیفی دور کا آغاز ۱۹۵۹ء میں حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب" الفقہ الاکبر" عربی کا" البیان الازھر" کے نام سے اردو ترجمہ سے کیا اور آپ کی زندگی میں آخری طبع شدہ تصنیف ۲۰۰۷ء میں "الاکابر" کے نام سے شائع ہوئی۔

دروس الحدیث کا تعارف

دروس الحدیث دراصل وہ عوامی دروس ہیں، جو مولانا عبدالحمید سواتی رحمۃ اللہ علیہ جامع مسجد نور میں نماز فجر کے بعد ہفتہ کے دو دِن یعنی بدھ اور جمعرات کو ارشاد فرمایا کرتے تھے۔ سو دروس الحدیث صوفی عبدالحمید سواتی رحمۃ اللہ علیہ کے افادات پر مشتمل ہے۔ اس کی چار جلدیں ہیں۔ تازہ ترین ساتواں ایڈیشن مارچ ۲۰۱۵ء میں طبع ہوا۔ دروس الحدیث کو صفحۂ قرطاس پر منتقل کرنے کا کام حاجی لعل دین نے انجام دیا، جبکہ ان دروس کو 'انجمن محبان اشاعتِ قرآن' کے زیر اہتمام 'مکتبہ دروس القرآن' فاروق گنج گوجرانوالہ نے شائع کیا۔ یہ کتاب گوجرانوالہ، لاہور، ملتان، کراچی، کوئٹہ، ایبٹ آباد اور راولپنڈی میں تمام اہم کتب خانوں پر دستیاب ہے۔

صوفی صاحب نے دروس الحدیث کے لیے سب سے پہلے امام حسن صاغانی کی کتاب مشارق الانوار کی کتاب کو منتخب کیا۔ پھر صحیح بخاری، اس کے بعد صحیح مسلم، پھر سنن ابن ماجہ اس کے بعد جامع ترمذی، پھر سنن نسائی اور اس کے بعد امام منذری رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب الترغیب والترہیب کا درس دیا۔ اس کے بعد مؤطا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ بروایت یحیٰی اندلسی (جس کی شرح حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی مصفی فارسی ومسویٰ عربی کی ہے)، اور پھر اس کے بعد مسند احمد بن حنبل کا درس شروع کیا۔ جب مسند احمد جلد اول کا درس اوّل تقریباً مکمل ہو گیا، تو عبدالحمید سواتی رحمۃ اللہ علیہ کے احباب نے حدیث کے دروس بھی (قرآن کریم کے درس کی طرح) ریکارڈ کرنا شروع کر دیئے۔ ان میں سے بھی بہت سی کیسٹیں ضائع ہو گئیں۔ بہر کیف دستیاب ریکارڈنگ کا فائدہ یہ ہوا کہ صوفی صاحب کے یہ دروس محفوظ ہو گئے۔ اگر اس سے

قبل کے دروس بھی ریکارڈ کر لئے جاتے، تو یقیناً اس سے بہت زیادہ فائدہ ہوتا۔ کیوں کہ مسند کے شروع کے دروس میں حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اور عشرہ مبشرہ سے مروی احادیث تھیں۔ بہر حال صوفی صاحب کے جو دروس محفوظ ہو چکے تھے، انہیں عوام الناس کے فائدہ کے لیے جماعتی احباب نے ان کی اشاعت کا پروگرام بنایا۔ اس طرح ان دروس کو مطبوع کروایا گیا۔[1]

دروس الحدیث جس میں مسند احمد کی تقریباً ایک ہزار سے زائد منتخب احادیث کے دروس چار جلدوں شائع ہوئے ہیں، جو تقریباً سولہ سو صفحات پر مشتمل ہیں۔ ان کا انداز بیان بھی مولانا سواتی کی دوسری تالیف یعنی "تفسیر معالم العرفان فی دروس القرآن" کی طرح ہے۔

عمومی اسلوب نگارش

اس کتاب میں مدرج احادیث کا بنیادی فہرست موضوعات میں ذکر کیا گیا ہے، جس سے استفادہ آسان ہو گیا ہے۔ ہر جلد کے آغاز میں فہرستِ احادیث ہے۔ اور ہر موضوع کے تحت حدیث تحریر ہے۔ اگر یوں کہا جائے کہ اس میں فقہی انداز غالب ہے، تو درست ہو گا۔ چنانچہ فہرست میں اسے مسائل کا جواب بنا کر بات کی گئی ہے، مثلاً ریشمی لباس کی ممانعت، غنودگی میں نماز پڑھنے کی ممانعت اور اسی طرح دیگر مختلف عنوانات جن سے فقہی انداز خوب جھلک رہا ہے۔ اس کتاب کے شروع میں امام احمد اور مسند احمد کے حوالے سے قیمتی معلومات بھی عبد الحمید سواتی رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند فیاض خان سواتی نے درج کی ہیں۔

اسلوب کے بارے میں آپ لکھتے ہیں:

> "صرف اس خیال سے قدرے اطمینان ہوتا ہے کہ ان دروس کے فہم میں بھی عوام گنجلک محسوس نہ کریں گے، بالکل رواں دواں آسان اور عام فہم زبان میں ہیں اور ان میں احادیث کا مفہوم و مطلب واضح کیا گیا ہے۔ زیادہ دقیق اور گہری عمیق بحثیں ان میں نہیں ہیں اور اس کے علاوہ سند پر بھی کلام نہیں کیا گیا کہ یہ صرف اہل علم اور طلباء کرام کے لیے مفید ہو سکتا ہے، عوام الناس اس سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ زیادہ اختلافی مسائل سے بھی تعرض نہیں کیا گیا۔۔ لفظی معنی کو بھی زیادہ دخیل نہیں کیا گیا بلکہ حضور علیہ السلام کے مبارک ارشادات کو سہل ترین الفاظ اور قابل فہم عبارت میں واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ بعض

---

(۱) سواتی، عبد الحمید، دروس الحدیث، مکتبہ دروس القرآن، فاروق گنج، گوجرانوالہ، ۱۹۹۰ء، ۱/۱۰

مقامات پر ضروری مسائل کی وضاحت کر دی گئی ہے تاکہ قارئین کرام اس سے فائدہ اٹھاسکیں اور اپنی پیش آمدہ مشکلات اور ان کے حل کو سمجھ سکیں"۔[۱]

دروس الحدیث کی ترتیب کے بارے میں فیاض خان سواتی لکھتے ہیں:

"اور یہ دروس مسند احمد کی احادیث کی ترتیب سے نہیں ہیں بلکہ منتخب احادیث سے ہیں، ہر حدیث کے ساتھ جلد نمبر اور صفحہ نمبر کا حوالہ بھی لگا دیا گیا ہے"۔[۲]

دروس الحدیث کا اسلوب و منہج

صوفی عبد الحمید سواتی رحمۃ اللہ علیہ کے زندگی کے اندر نہ صرف سیاسی اور مذہبی تاثر تھا، بلکہ ان کی شخصیت سے ایسے پہلو بھی منسلک رہے، جس سے ان کی خدمات کا اعتراف کیا جانے لگا۔آپ نہ صرف ایک سیاستدان اور عالم تھے،بلکہ ایک خطیب، مدرس،فقیہہ، مفسر، محدث اور صوفی اور ادیب بھی تھے ۔
آپ کی تصنیف "دروس الحدیث" کے پس منظر مقاصد خود انہی کی کتاب سے اخذ کرکے ذیل کی سطور میں پیش کئے جا رہے ہیں:

۱) ان دروس کا سب سے بڑا مقصد عوام الناس کو اللہ کی کتاب قرآن کریم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سے واقفیت بہم پہنچانا ہے۔

۲) ان دروس کی غرض و غایت اور مقصد عام مسلمانوں کی اصلاح ہے ۔

۳) دروس الحدیث کے ذریعہ لوگوں کو اعتقادات اور عبادات سے متعلقہ ضروری مسائل کا علم مہیا کرنا ہے۔

۴) دروس عوام کے لئے تربیت ،ذہنی نشوونما اور بالیدگی حاصل کرنے کا بہترین طریق ہے۔

مولانا عبدالحمید سواتی رحمۃ اللہ علیہ کے اسلوب و منہج میں درج ذیل نکات بڑے واضح نظر آتے ہیں۔

فقیہانہ اسلوب

صوفی عبدالحمید سواتی رحمۃ اللہ علیہ فقہی کتابوں میں درج جزئیات کی لفظی پابندی کے بجائے فقہی اصولوں کی رعایت کا زیادہ اہتمام کرتے تھے،مثلاًان کی رائے یہ تھی کہ روزے کی حالت میں انجکشن لگوایا جائے ،

---

[۱] دروس الحدیث، ۱/۱۰

[۲] أیضاً، ۱/۱۷

تو روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔اس پر انہوں نے مفصل مقالہ (بحالت صوم انجکشن کا حکم) بھی لکھا۔اسی طرح فقہی کتابوں میں نقد اور ادھار کی قیمت میں فرق کو اس شرط کے ساتھ جائز بتایا گیا ہے کہ اگر معاملہ طے کرتے وقت فریقین کے مابین ایک متعین قیمت طے پا جائے ، جس میں کمی بیشی کا امکان نہ رہے تو نقد کے مقابلے میں ادھار قیمت میں اضافہ کرنا درست ہے۔معاصر اسلامی بینکنگ میں اسی بنیاد پر 'مرابحہ' کے عنوان سے چیزوں کو ادھار فروخت کر کے نقد کے مقابلے میں زیادہ قیمت لینے کا طریقہ اختیار کیا گیا ہے۔صوفی صاحب ؒ کی رائے یہ تھی کہ فقہاء نے جس تناظر میں اس معاملے کو جائز قرار دیا ہے ،وہ مختلف ہے ۔جبکہ معاصر تناظر میں یہ طریقہ سودی کاروبار کو جواز فراہم کرنے کیلئے ایک حیلے کے طور پر استعمال ہورہا ہے،اس لئے محض فقہی کتابوں میں مذکورہ جواز بنانے کے بجائے موجودہ معاشی عرف کو ملحوظ خاطر رکھنا ضروری ہے [1]۔

آپ ؒ فرمایا کرتے تھے :

> "شرعی قواعد کے تحت جہاں تک وسعت ہو، مفتی کو اپنے فتویٰ میں خلق خدا کے لئے ترفق اور نرمی سے کام لینا چاہیے"۔ [2]

اصلاحی اسلوب

صوفی عبد الحمید سواتی ؒ میں مسلمانوں کی سچی ہمدردی اور خیر خواہی پائی جاتی تھی ،جس کا وہ دروس الحدیث میں جابجا اظہار کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ وہ مسلمانوں کو ہدایت کرتے نظر آتے ہیں کہ وہ اپنے سیاسی، معاشی ، معاشرتی ، تجارتی اور دیگر جملہ امور میں غیر مسلم اقوام کی بجائے قرآن ، حدیث کو اپنا رہنما بنائیں ۔ مثلاً مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کے مسئلے کے بارے میں ایک حدیث کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> مسلمانوں نے ساڑھے چھ سو سال تک اجتماعیت کی زندگی گزاری، اس میں خلافت راشدہ اور اس کے بعد امویوں اور عباسیوں کا دور آتا ہے۔اس کے بعد مسلمانوں میں اجتماعی زندگی کے اعتبار سے زوال آنا شروع ہو گیا۔ چنانچہ علماء نے یہی فیصلہ کیا کہ اگر حکومتی سطح پر مسلمانوں کا اجتماعی نظام قائم نہ ہو سکے ، تو پھر اہل ایمان انفرادی طور پر کسی کو اپنا امیر منتخب کر کے اجتماعی احکام اس کے تحت پورے کریں ۔ پھر اس کے بعد کافروں کے غلبہ کے باوجود

---

(۱) مفسر قرآن نمبر، ص:۴۳۳

(۲) ایضاً، ص:۵۹۳

مسلمان اپنا امیر منتخب کرکے اس کے تحت اپنے اجتماعی فرائض انجام دیتے رہے۔ پھر انگریزوں کا منحوس دور آیا، تو انہوں نے مسلمانوں کی اجتماعیت کو بالکل ہی ختم کر دیا۔ حتیٰ کہ بہت سے مسلمان ممالک ہی ختم کر دیئے(۱)۔

دروس الحدیث کی خصوصیات

دروس الحدیث کی درج ذیل خصوصیات قابل ذکر ہیں:

لغوی معانی کا بیان

مولانا صوفی عبد الحمید سواتی رحمہ اللہ کو جہاں دیگر عقلی و نقلی علوم میں مقام حاصل تھا، وہیں انہیں لغت کے میدان میں بھی کمال حاصل تھا۔ دروس الحدیث کا مطالعہ کرتے ہوئے اس بات کا اعتراف کئے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ سو عبد الحمید سواتی رحمہ اللہ احادیث مبارکہ کی لغوی تحقیق بڑے احسن انداز سے کرتے ہیں۔ پورے حدیث کے کام میں اس طرز کی جھلک نمایاں ہے۔

کچھ امثلہ ملاحظہ ہوں:

"خدائے رحمان 'عرش' پر مستوی ہے۔ 'عرش' کا معنی تخت ہے، مگر اللہ تعالیٰ کے عرش پر مستوی ہونے کو ہم انسان کے کرسی، صوفہ یا پلنگ پر بیٹھنے پر قیاس نہیں کر سکتے"۔ (۲)

ایک جگہ 'غلو' کے معانی بیان کرتے ہیں: "غلو کا معنی حد سے بڑھنا ہوتا ہے"۔ (۳)

عقیقہ سے متعلق ایک حدیث کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ایک اور روایت (۴) میں آتا ہے کہ حضور ﷺ نے "لفظ عقیقہ" کو پسند نہیں فرمایا کیونکہ یہ لفظ عقوق کے مادہ سے ہے جس کا معنی نافرمانی ہوتا ہے"۔(۵)

جبکہ اسی طرح قرب قیامت کی علامات کے لئے مسند احمد کی حدیث بیان کی، جس میں خود نبی کریم ﷺ کے الفاظ میں 'ہرج' کے معانی موجود ہیں:

---

(۱) دروس الحدیث، ۲/۱۳۱

(۲) أیضاً، ۱/۲۲

(۳) أیضاً، ۱/۱۹۲

(۴) ابو داوٗد، سنن ابو داوٗد، کتاب الضحایا، باب فی العقیقہ، حدیث نمبر: ۲۸۴۲

(۵) دروس الحدیث، ۱/۱۱۳

"لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہرج کیا چیز ہے۔ آپ نے فرمایا قتل عام ہوں گے۔ گویا ہرج سے مراد قتل کرنا ہے"۔[۱]

قرآنی آیات سے استدلال

مولانا صوفی عبد الحمید سواتی ؒ کی دروس الحدیث میں آیات سے استدلال کا اسلوب بھی واضح طور پر نظر آتا ہے۔ وہ ایک مسئلہ میں کئی آیات کو پیش کرتے ہیں۔ جیسے خاندان اور قبائل پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ﴾ [۲]

ترجمہ: اور تمہارے خاندان اور قبائل بنائے، تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو، مگر یاد رکھو! اللہ تعالیٰ کے ہاں برتری اسی کو حاصل ہوگی، جو تم میں سے زیادہ متقی ہوگا۔

اسی طرح ایک جگہ حدیث کی تشریح میں محبوب چیز کے صدقہ کے بارے میں قرآن کریم سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ﴿لَن تَنَالُواْ الْبِرَّ حَتَّى تُنفِقُواْ مِمَّا تُحِبُّونَ﴾ [۳] ترجمہ: یعنی تم اعلیٰ درجے کی نیکی کو ہرگز نہیں پاسکتے، جب تک تم اپنی محبوب چیز کو خرچ نہ کرو۔

اسی طرح قصر نماز کا مسئلہ حدیث پاک سے بیان کرتے ہوئے قرآن سے یوں دلیل دیتے دکھائی دیتے ہیں:

دوران سفر نماز میں یہ رعایت خود اللہ تعالیٰ نے دی ہے: ﴿ وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَن تَقْصُرُواْ مِنَ الصَّلاَةِ﴾ [۴]

ترجمہ: اور جب تم کسی سفر پر نکلو تو تم پر اس میں کوئی گناہ نہیں کہ تم اپنی نمازوں میں کمی کرلو۔[۵]

اسی طرح دیگر مواقع پر بھی عبد الحمید سواتی ؒ ہمیں احادیث کی تشریح میں قرآنی آیات پیش کرتے اور ان سے استدلال کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

---

(۱) دروس الحدیث، ۱/۱۶۷

(۲) عبد الحمید سواتی، خطبات سواتی، ادارہ نشر واشاعت مدرسہ نصرۃ العلوم، گوجرانوالہ،۱۹۹۸ء، ۳/۱۷-۱۸(سورۃ الحجرات: ۴۹/۱۳)

(۳) دروس الحدیث،۱/۱۹(سورۃ آل عمران:۳/۹۲)

(۴) سورۃ النساء:۴/۱۰۱

(۵) دروس الحدیث، ۱/۴۳

اشعار سے استدلال

صوفی عبد الحمید سواتی رحمہ اللہ کی دروس الحدیث کی ایک نمایاں خصوصیت یہ بھی ہے کہ انہوں نے اپنی شاہکار تصنیف "دروس الحدیث" میں بہت سے اشعار بھی تحریر کیے، جو کہ عربی اور فارسی زبانوں میں ہیں۔ مثلاً:

ایک جگہ لکھتے ہیں:

"جنگ کے موقع پر پڑھے جانے والے اشعار کو رجز کہتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر حضرت عامر بن اکوع رضی اللہ عنہ نے یہ اشعار پڑھے :((وَاللهِ لَوْلاَ اللهُ مَا اهْتَدَيْنَا، وَلاَ تَصَدَّقْنَا وَلاَ صَلَّيْنَا))

ترجمہ: اللہ کی قسم اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمیں ہدایت نہ ہوتی، تو نہ ہم صدقہ و خیرات کر سکتے اور نہ نماز ادا کر پاتے"۔ [۱]

ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:

شیخ سعدی شیرازی نے کہاہے: "خر اگرچہ بے تمیز است - چوں بار می برد عزیز است"

ترجمہ: گدھا بلاشبہ بد تمیز جانور ہے، مگر جب بوجھ اٹھاتا ہے تو بڑا پیارا لگتا ہے۔

بعض جانوروں کا گوشت کھانا مقصود نہیں ہوتا، بلکہ ان سے دوسری خدمت لینا مقصود ہوتا ہے۔ گدھا بھی انہی جانوروں میں سے ہے [۲]۔

امثال سے استدلال

دروس الحدیث کی ایک منفرد خوبی یہ بھی ہے کہ علمی مسائل کا حل مثالوں کے ذریعے پیش کیا گیا ہے، جس سے اس کتاب کی افادیت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ دروس الحدیث میں اس کی کئی مثالیں موجود ہیں۔

مرض شکم سے مرنے والے کے اجر کے بارے میں عبد الحمید سواتی رحمہ اللہ یوں تشریح کرتے ہیں:

" مثلاً زچگی کے دوران فوت ہوجانے والی عورت اسی مد میں آتی ہے جو کسی حادثے کا شکار ہوجائے، مکان یا درخت کے نیچے آجائے کسی اونچے مینار یا پہاڑ سے

---

(۱) دروس الحدیث، ۱/ ۲۱۳

(۲) أیضاً ،۴/ ۲۲۳

گر پڑے، کسی سڑک کے حادثہ میں جاں بحق ہوجائے، پانی میں ڈوب کر مرجائے، آگ میں جل کر فوت ہوجائے، تو ایسے لوگوں کی موت، شہادت ہوتی ہے"۔(۱)

مسند احمد میں مروی ایک حدیث، جس میں الہامی مثال هَذَا مَثَلُ أُمَّةٍ تَكُونُ مِنْ بَعْدِكُمْ يَقْهَرُ سُفَهَاؤُهَا أَحْلَامَهَا(۲) ترجمہ: یہ مثال تمہارے بعد آنے والی امت کی ہے جس کے بیوقوف لوگ عقلمندوں کو دبا کر رکھیں گے۔ کی مزید تشریح یوں کی:

"آج کے زمانہ میں مشاہدہ کر لیں کہ حضور علیہ السلام کی یہ پیشنگوئی کس طرح پوری ہورہی ہے۔ تاریخ عالم گواہ ہے کہ ہر دور میں "جس کی لاٹھی اس کی بھینس" والا معاملہ ہی رہا ہے۔ ہر بد اخلاق اور بے دین طاقتور نے صاحبِ عقل و خرد لوگوں کو دبا کر رکھا ہے بلکہ انہیں کچل ڈالنے سے بھی دریغ نہیں کیا"۔ (۳)

حرم پاک میں قتل کی سزا کی مثال یوں بیان کرتے ہیں:

"اس کی مثال ایسی ہے کہ گھر میں یا بازار میں کسی گناہ کا ارتکاب کرنے کے بجائے مسجد میں گناہ کرنا زیادہ قابل سزا ہے۔ اسی طرح باقی خطہ ارضی کے علاوہ اللہ کے حرم پاک میں کوئی غلط کام کرنا، کسی ممنوع کام کو کر گزرنا زیادہ سخت سزا کا مستحق بنتا ہے۔ اس کو یوں سمجھ لیجئے کہ اگر کوئی عام آدمی گناہ کرتا ہے تو اس کو عام سزا دی جائے گی اور اگر کوئی صاحبِ علم وہ جرم کرتا ہے تو اس کو ڈبل سزا دی جائے گی"۔(۴)

تعارف صحابہ وتابعین

صوفی عبدالحمید سواتی رحمۃ اللہ علیہ کے دروس میں ہمیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تعارف کے بارے میں معلومات ملتی ہیں۔ یعنی یہ کہا جاسکتا ہے کہ عوام الناس کے ذہنی معیار کے مطابق رجال کا علم ان کی منتقل کرنے کا فریضہ بھی عبدالحمید

---

(۱) دروس الحدیث ، ۱/۲۵۹

(۲) ابن حنبل، احمد بن محمد بن حنبل، مسند الإمام احمد، شعیب الأرنؤوط وآخرون، اشراف: د عبداللہ بن عبدالمحسن الترکی، ناشر: مؤسسة الرسالة، ط: اول، ۲۰۰۱م، حدیث نمبر: ۶۵۸۸، ۱۱/۱۵۹

(۳) دروس الحدیث، ۱/۹۹

(۴) ایضاً، ۱/۱۳۷

سواتی رحمۃ اللہ علیہ نے سر انجام دیا ہے۔ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے تعارف میں کہتے ہیں:

"حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ بڑی فضیلت والے صحابی ہیں جنہیں سب سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی میزبانی کا شرف حاصل ہوا۔ آپ کی ساری زندگی جہاد میں صرف ہوگئی آپ نے قسطنطنیہ کی جنگ کے دوران وفات پائی اور آپ کی قبر بھی وہیں قسطنطنیہ کے قلعہ کی دیوار کے ساتھ ہی ہے جو آج بھی موجود ہے اور لوگ اس کی زیارت کے لیے جاتے ہیں"۔[۱]

اسی طرح دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم مثلاً حضرت ام اسلمہ رضی اللہ عنہا [۲] مجمع ابن جاریہ رضی اللہ عنہ [۳] اور سہل بن سعد رضی اللہ عنہ [۴] وغیرہ کا بھی ذکر ہے۔

منہج محدثین کا بیان

دروس الحدیث میں صوفی عبدالحمید سواتی رحمۃ اللہ علیہ بسا اوقات منہج حدیث بھی بیان کرتے ہیں۔

ایک جگہ غنودگی میں نماز پڑھنے کی ممانعت کی حدیث کے بیان کے بعد لکھتے ہیں:

"محدثین کرام فرماتے ہیں کہ یہ حکم اس وقت لاگو ہوگا جب رات ابھی دراز ہو اور وہ دوبارہ اٹھ کر طلوع فجر سے پہلے نماز مکمل کر سکے اور اگر وقت کم ہو تو ایسے شخص کو مجلس بدل کر یا تازہ وضو کر کے نماز جاری رکھنی چاہئے، اس طرح اس کی غنودگی بھی دور ہوجائے گی اور نماز کی برکات سے بھی محروم نہیں رہے گا"۔[۵]

مسجد میں کھانے کے متعلق لکھتے ہیں:

"محدثین کرام فرماتے ہیں کہ مسجد میں کھانا کھانا درست نہیں ہے۔ اس کی اجازت اس صورت میں ہے کہ مسجد آلودہ نہ ہو۔ اس لیے اگر مسجد میں کسی وجہ

---

(۱) دروس الحدیث، ۱/۱۱۲

(۲) ایضاً، ۱/۱۸۳

(۳) ایضاً، ۴/۲۱

(۴) ایضاً، ۱/۲۲۱

(۵) ایضاً، ۱/۲۹

سے کھانا ضروری ہو، تو نیچے دستر خوان وغیرہ بچھا لیا جائے تاکہ کھانے کے ریزے مسجد میں نہ گرنے پائیں"۔[۱]

احادیث میں ظاہری تضاد کی تفہیم

عصرِ حاضر میں جہاں ایک طرف تو اللہ اور رسول ﷺ کے احکامات کو لوگوں تک پہنچانا اور ان احکامات پر عمل پیرا ہونے کی ترغیب دینا بجائے خود ایک مشکل مرحلہ بن کر رہ گیا ہے، وہیں اگر قرآن وسنت سے ماخوذ ان تعلیمات میں بظاہر کوئی تضاد نظر سے بھی گزر جائے، تو اسلام دشمن عناصر رائی کا پہاڑ بنانے سے ہر گز نہیں چُوکتے۔ صوفی عبد الحمید سواتی رحمۃ اللہ علیہ نے دروس الحدیث میں اس بات کا خاص اہتمام کیا ہے کہ ایسی احادیث کا ممکنہ حد تک حل پیش کر دیا جائے۔ مثلاً مسند احمد میں گھروں میں تصویروں کی موجودگی کی بابت ابو طلحہ انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث[۲] کی تفہیم یوں بیان کرتے ہیں:

"راوی زید بن خالد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ بیمار ہوگئے اور ہم ان کی بیمار پرسی کے لیے گئے، جب ہم آپ کے دروازے پر پہنچے تو وہاں پردہ لٹک رہا تھا۔ جس پر کچھ تصویریں نظر آئیں۔ حالانکہ یہی حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ اس حدیث کے راوی ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جس گھر میں تصویر ہو، وہاں رحمت کے فرشتے داخل نہیں ہوتے۔ پھر جب اس چیز کی وضاحت حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ سے پوچھی گئی تو انہوں نے کہا کہ حضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ اگر کوئی چھوٹی تصویر ہو جو عام نظر میں نہیں آتی، تو اس کا کوئی حرج نہیں ہے۔"[۳]

ریشمی کپڑے زیب تن کرنے کے بارے میں صوفی عبد الحمید سواتی رحمۃ اللہ علیہ مسند سے حدیث[۴] بیان کرنے کے بعد اس کی تشریح یوں بیان کرتے ہیں:

"بعض چیزوں کا استعمال مسلمانوں کے لیے تو ممنوع ہے مگر ان سے فائدہ اٹھانا جائز ہے۔ اور بعض چیزوں کا استعمال اور فائدہ اٹھانا دونوں ناجائز ہیں جیسے فوٹوگرافی،

---

(۱) ایضاً، ۲/۳۴۴-۳۴۵

(۲) مسند احمد، حدیث نمبر:۱۶۳۶۹، ۲۶/۲۹۰

(۳) دروس الحدیث، ۱/۱۸۷

(۴) مسند احمد، حدیث نمبر:۱۳۲۴۸، ۲۰/۴۵۳

مردار اور اس کی چربی اور شراب وغیرہ۔ایسی چیزوں کا نہ استعمال جائز ہے اور نہ ان کی تجارت۔سونے کی انگوٹھی مرد کے لیے پہننا جائز نہیں مگر اس کو فروخت کر کے اس سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔ریشمی کپڑے کا بھی یہی حکم ہے"۔(۱)

اسی طرح مسند احمد میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی بدشگونی اور فال والی روایت(۲) میں مذکور 'فال' کی تعبیر عبدالحمید سواتی رحمۃ اللہ علیہ یوں بتاتے ہیں:

"ہمارے ہاں فال سے وہ فال مراد لی جاتی ہے جس کے ذریعے نجومی لوگ اٹکل پچو باتیں بتاتے ہیں بعض لوگ نقش سلیمانی، دیوان حافظ یا ہیر رانجھے وغیرہ کی کتاب سے یا مثنوی سے فال نکالتے ہیں۔بعض اس کام کے لیے قرآن مجید کو استعمال کرتے ہیں۔اس قسم کا عقیدہ درست نہیں ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فال کی تعریف میں فرمایا کہ وہ اچھا کلمہ ہے جو کسی کی زبان سے سن کر آدمی کا دل خوش ہوجائے"۔(۳)

روزہ کی حالت میں بوسہ لینے کی حدیث(۴) میں اجازت اور عدم اجازت کے درمیان تطبیق آپ یوں بیان کرتے ہیں:

"بات یہ ہے کہ بوڑھے آدمی کو اس لیے اجازت دی کہ وہ اپنے جذبات پر بوجہ کبرسنی قابو رکھتا ہے۔چونکہ نوجوان آدمی اپنے جذبات پر قابو نہیں پا سکتا اس لیے میں نے اس کو بوسہ لینے سے منع کر دیا ہے"۔(۵)

مسند احمد میں کھڑے ہو کر پینے کی ممانعت میں مروی حدیث(۶) کی تشریح میں کہتے ہیں:

---

(۱) دروس الحدیث، ۱/۲۶

(۲) مسند احمد ،حدیث نمبر: ۱۳۹۱۹، ۲۱/۳۷۰

(۳) دروس الحدیث، ۱/۶۰

(۴) مسند احمد، حدیث نمبر:۶۷۳۸، ۱۱/۳۵۱

(۵) دروس الحدیث،۱/۱۱۴

(۶) مسند احمد،۱۳/۲۱۶

"گویا جب کوئی آدمی کھڑے ہو کر پیتا ہے تو شیطان اس کا ہم مشرب بن جاتا ہے"۔ پھر اس حدیث میں کھڑے ہو کر پینے کا جواز کے متعلق آپ نے یوں بتایا: "یاد رہے کہ جائز ضرورت کے تحت کھڑے ہو کر پینا بھی جائز اور حضور ﷺ سے ثابت ہے۔ اگر لٹکتے ہوئے مشکیزہ کے ساتھ منہ لگا کر پینا پڑے، تو ظاہر ہے کھڑے ہو کر پینا پڑے گا یا کسی جگہ بیٹھنے کی گنجائش ہی نہ ہو ،یا آدمی معذور ہے کہ بیٹھ کر نہیں پی سکتا ،تو ایسی صورت میں بھی کھڑے ہو کر پی سکتا ہے ۔تا ہم عام حالات میں خورد و نوش بیٹھ کر ہی کرنا چاہیے"۔ [۱]

فقہی مذاہب واختلاف کا ذکر

عبد الحمید سواتی رحمۃ اللہ علیہ نے احادیث کی تشریح کرتے ہوئے فقہی مذاہب اور ائمہ کے مابین اختلافات بھی ذکر کئے ہیں، اور بسا اوقات ترجیحی رائے بھی درج کر دی ہے۔ مثلاً مصافحہ کے احکام پر مشتمل حدیث کی تشریح کرتے ہوئے صوفی عبد الحمید سواتی رحمۃ اللہ علیہ فقہاء کی رائے بھی پیش کرتے ہیں:

"فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ ایک ہاتھ ملانے سے مصافحہ تو ادا ہو جاتا ہے،البتہ اگر دونوں ہاتھ ملالئے جائیں تو مصافحہ مکمل ہو جاتا ہے ،تا ہم ایسا کرنا ضروری نہیں ہے صرف محبت کی زیادتی کا ثبوت ہے اور زیادہ بہتر کام ہے"۔ [۲]

غیر مسلموں کو سلام کرنے کے طریقہ کے تحت وارد حدیث کے ضمن میں فقہاء کی رائے پیش کرتے ہوئے صوفی عبد الحمید سواتی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کے فرمان کے مطابق غیر مسلموں کے ساتھ سلام میں پہل نہیں کرنی چاہیئے۔ہاں اگر کہیں کفار کا غلبہ ہو اور سلام نہ کرنے سے نقصان کا خطرہ ہو تو وہاں پہل بھی کر سکتے ہیں۔ اس مقصد کے لئے سلام یا آداب عرض کے الفاظ بھی استعمال کئے جا سکتے ہیں جیسا کہ ہندوستان میں کہا جاتا ہے"۔ [۳]

---

(۱) دروس الحدیث،۳/۱۷۳

(۲) ایضاً،۱/۳۰

(۳) ایضاً،۱/۴۷

گمشدہ اونٹ کے مسئلہ میں محدثین اور فقہاء کا مسلک بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"محدثین اور فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ اس زمانے میں تواونٹ کے چوری ہوجانے کا بھی خطرہ نہیں ہوتا تھا، مگر بعد میں جب لوگ اونٹ جیسے بڑے جانور کو بھی ہضم کرنے لگے تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے حکم دیا کہ اگر کوئی بھٹکا ہوا اونٹ مل جائے تو اسے حفاظت میں لے کر ضائع ہونے سے بچالیا جائے۔حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ایسا واقعہ پیش آیا تھا تو انہوں نے گمشدہ اونٹ کو بیت المال میں محفوظ کر لینے کا حکم دیا تھا۔چنانچہ اس کو فروخت کر کے رقم بیت المال میں جمع کر لی گئی تاکہ جب کبھی اونٹ کا مالک مل جائے تو رقم اس کو ادا کر دی جائے"۔[۱]

مسند احمد میں زانی کے لئے رجم کی سزا کے سلسلہ میں وارد حدیث[۲] کی شرح میں صحیح مسلم[۳] کی روایت بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"رجم کا قانون یہ ہے کہ اگر کوئی شخص خود جرم کا اقرار کرتا ہے تو پھر رجم کرنے پر چیختا چلاتا ہے اور بھاگنے کی کوشش کرتا ہے تو اس کو چھوڑ دینا چاہیے کیونکہ اس کا مطلب یہ لیا جائے گا کہ اس نے اپنے اقرار سے رجوع کر لیا ہے۔ہاں جس شخص کو چار گواہوں کی بنا پر رجم کی سزا دی گئی ہو اس کو چھوڑنے کا حکم نہیں ہے"۔[۴]

اصلاح عوام بذریعہ عملی احکام

پہلے ذکر کیا جاچکاہے کہ دروس الحدیث سے عبدالحمید رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد عوام کی اصلاح تھی۔ لہذا اس میں ایسے مسائل کا بیان بھی ہے، جو مختلف صورتوں میں عوام کی پریشانی کا باعث ہیں، نیز اسی طرح عام فہم مسائل کا بھی ذکر ہے۔

---

(۱) دروس الحدیث،۱/۱۲۱

(۲) مسند احمد، حدیث نمبر:۱۵۶،۱/۲۹۶

(۳) صحیح مسلم، کتاب الحدود، باب حد الزنی حدیث نمبر:۱۶۹۰،۳/۱۳۱۶

(۴) دروس الحدیث، ۱/۲۱۱-۲۱۲

مثلاً صوفی عبد الحمید سواتی رحمۃ اللہ علیہ دوران نماز امام سے سبقت کرنے کی ممانعت کے حوالے سے کہتے ہیں:

''حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ لوگوں کے سامنے بیان کیا کرتے تھے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگو! إنی لکم امام، میں دوران نماز تمہارا امام ہوں تم میری اقتداء میں نماز پڑھتے ہو۔ فلا تسبقونی بالرکوع ولا بالسجود ولا بالقیام، (پس رکوع سجود اور قیام میں مجھ سے سبقت نہ کیا کرو، بلکہ امام کے پیچھے پیچھے رہو اور نماز کا ہر رکن امام کے ادا کرنے کے بعد ادا کرو)۔''[۱]

اسی طرح گمشدہ جانور کا مسئلہ ایک ایسا مسئلہ ہے، جن سے عوام کا واسطہ پڑتا رہتا ہے:

"ایسے جانور کے متعلق شرعی قانون یہ ہے کہ اس کی تشہیر کرو تاکہ مالک خود آکر لے جائے۔ اگر مال زیادہ قیمتی ہے تو سال بھر تک اس کی بازیابی کا اعلان کرتے رہنا چاہیئے اگر پھر بھی مالک نہیں آتا تو اگر وہ خود مسکین ہے تو اس مال کو استعمال کر سکتا ہے اور اگر صاحبِ نصاب ہے تو اس کا صدقہ کر دے اگر مال کا مالک بعد میں بھی آجائے تو وہ واپس کرنا پڑیگا۔ اسی لیے گری پڑی چیز کو اٹھانے کا حکم نہیں ہے اگر اٹھائے گا تو اس پر شرعی ذمہ داری عائد ہوگی"۔ [۲]

روز مرہ کے مسائل پر احادیث کی تشریح

یوں تو عبد الحمید سواتی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ''دروس الحدیث'' میں عوام کے فہم کے لئے احادیث کی شرح ہی بیان کی گئی ہیں، لیکن سواتی رحمۃ اللہ علیہ کے اختیار کردہ اسلوب کا ایک خاصہ یہ بھی ہے، کہ انہوں نے احادیث کی تشریح کرتے ہوئے انہیں عوام کے لئے ممکنہ حد تک قابل عمل بنایا۔

مثلاً عبد الحمید سواتی رحمۃ اللہ علیہ قربانی کے ضمن میں لکھتے ہیں:

"اپنے ہاتھ سے قربانی کرنا بلاشبہ افضل ہے۔ ہاں اگر کوئی عذر ہو مثلاً صاحبِ قربانی بہت کمزور ہے اور خود چھری نہیں چلاسکتا تو کسی دوسرے شخص کو اجازت دے کر

---

(۱) ایضاً، ۶۴/۱

(۲) دروس الحدیث، ۱۷۹/۱

ذبح کراسکتا ہے، ہاں اگر ممکن ہو تو ذبح کرتے وقت خود موقع پر موجود رہے،اگر نہ بھی حاضر ہو تو کچھ مضائقہ نہیں، صرف اجازت دینا ہی کافی ہے"۔(۱)

امامت کے استحقاق کے بارے میں لکھتے ہیں:

" جب کوئی مسلمان دوسرے مسلمان کے پاس جاتا ہے یا کوئی امام دوسرے امام کی عملداری میں جاتا ہے تو مہمان کو میزبان کی اجازت کے بغیر نماز پڑھانے کی اجازت نہیں ہے ۔حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جب کوئی آدمی کسی دوسرے کے گھر میں جائے تو اس کی اجازت کے بغیر اس کی نشست پر نہ بیٹھے"۔(۲)

ایک مسلمان کے مطلوبہ خصائل کے متعلق تفصیل بتاتے ہوئے کہتے ہیں۔

"مسلمان کو ہمیشہ با عزت ہونا چاہیے اور بخیل نہیں ہونا چاہیئے۔ بخل بہت بری بیماری ہے ۔بخیل آدمی اپنی ذات پر بھی خرچ نہیں کرتا، بلکہ ہمیشہ جمع ہی کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اسے موت آجاتی ہے۔ اور اس کا جمع شدہ اثاثہ اس کے وارثوں کے کام آتا ہے۔ حضور علیہ السلام کا یہ بھی فرمان ہے کہ تیرا مال تو وہ ہے جو تو نے آگے بھیج دیا ،کھا لیا یا پہن لیا اور جو بچ گیا وہ تیرا نہیں ۔بلکہ تیرے وارثوں کا ہے"۔(۳)

مسلک حنفی کی تائید وترجیح

احادیث کی شرح کرتے وقت صوفی عبدالحمید سواتی رحمۃ اللہ علیہ نے حنفی المسلک ہونے کے ناطے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی آراء وفقہ کو باقی مسالک وفقہاء پر ترجیح دی ہے، یاپھر صرف امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی رائے ہی پیش کی ہے۔

آپ قیامت کے دن مؤاخذہ پر مسند میں وارد حدیث کے سلسلہ میں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی رائے کو پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

---

(۱) ایضاً ، ۴۶/۱

(۲) ایضاً ، ۴۵/۲

(۳) دروس الحدیث، ۱۷۹/۳

"امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص پیدا ہوتے ہی کسی صحرا میں پہنچ جائے یا کسی بلند پہاڑ کی چوٹی پر پہنچ جائے جہاں کسی انسان کا گزر نہ ہو، تو ایسا شخص بھی کفر کے مؤاخذہ سے نہیں بچ سکے گا۔"(۱)

نکاح شغار کے ضمن میں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی رائے بیان کرتے ہیں:

"امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نکاح تو ہوجاتا ہے مگر عدم مہر والی شرط باطل ہوگی اور فریقین کو مہر مثل دینا پڑیگا، یعنی مہر کی اتنی مقدار جو متعلقہ خاندان کی عورتوں کے لیے عام طور پر مقرر کی جاتی ہے"۔(۲)

حالت احرام میں نکاح کے مسئلہ میں لکھتے ہیں:

"امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ احرام کی حالت میں نکاح کرنا بہتر نہیں ہے، تاہم یہ جائز ہے۔ یہ محض احتیاط کے لیے ہے کہ احرام کی حالت میں کسی غلطی کا ارتکاب نہ ہوجائے"۔(۳)

دروس الحدیث کے مطالعہ سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ تشریح کے لحاظ سے صرف دیوبندی مکتبۂ فکر سے منسوب لوگوں کے لئے ہے، کیونکہ اس میں عصر حاضر کے دیوبند علماء کے علاوہ شاید ہی کسی دوسرے مکتبہ فکر کے علماء کا نقطۂ نظر پیش کیا گیا ہو۔(۴)

تاریخی معلومات

دروس الحدیث کی ایک اہم ترین اس میں خصوصیت تاریخی مواد کا موجود ہونا ہے۔ جس کو صوفی عبد الحمید سواتی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی علمی قابلیت کی بدولت سابقہ مستند کتب احادیث اور دیگر کتب سے اخذ کر کے اس میں سمویا ہے۔ غزوات کے واقعات ہوں یا زمانۂ امن کے؛ امتوں کے حالات ہوں یا انبیاء کرام علیہم السلام کے حالات زندگی ہوں، صوفی عبد الحمید سواتی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے متعلقہ معلومات دیگر کتب سے اخذ کر کے دروس الحدیث میں نقل کیے ہیں۔ غزوات اور جنگی حالات سے متعلق بہترین معلومات بھی صوفی عبد الحمید سواتی رحمۃ اللہ علیہ نے پیش کی ہیں۔ مثلاً جلد دوم میں احادیث

---

(۱) ایضاً، ۱/۱۷۶

(۲) ایضاً، ۲/۳۷۷

(۳) ایضاً، ۲/۲۴۷

(۴) دروس الحدیث، ۲/۳۱۴،۳۲۴

کی تشریح کرتے ہوئے جنگ بدر، جنگ تبوک، جنگ احد اور فتح مکہ وغیرہ کے متعلق کافی معلومات مہیا کرنے کے ساتھ ساتھ ان کے پس منظر اور حالات وواقعات کی بہت خوبصورت منظر کشی کی ہے [1]۔واقعہ صلح حدیبیہ کے متعلق طویل ترین حدیث بیان کی اور لکھا:

"اس حدیث مبارکہ میں صلح حدیبیہ کا واقعہ بیان کیا گیاہے جس کی تفصیل دوسری حدیثوں میں بھی ہے، تاہم اس لمبی حدیث میں کچھ مزید باتیں بھی ہیں جو دوسری روایات میں مذکور نہیں ہیں"۔[2]

بدعات اور رسومات باطلہ پر تنقید

دروس الحدیث میں ایک بات جو جابجا نظر آئے گی، وہ صوفی عبد الحمید سواتی رحمۃ اللہ علیہ کا بدعات کے حوالے سے تنقید ہے۔ ایک مقام پر کہتے ہیں:

"کسی مسلمان مرد کا غیر محرم عورت کے ساتھ ہاتھ ملانا مکروہِ تحریمی ہے، البتہ (بیعت لیتے وقت) بات چیت کر سکتا ہے"۔[3]

عبدالحمید سواتی رحمۃ اللہ علیہ نے لوگوں کے اندر فال شگون میں امتیاز کے حوالے سے غلط باتوں کا تدارک بھی کیا۔ آپ لکھتے ہیں:

"حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فال لیتے تھے، مگر شگون نہیں لیتے تھے۔ اور جب آپ کوئی اچھا نام سنتے، تو اس کو پسند فرماتے، گویا فال لینے کو جائز قرار دیا گیا اور شگون کو شرک کہا گیا ہے۔ فال سے مراد ہمارے ہاں کی مروجہ فال نہیں ہے، جو قرآن پاک، دیوان حافظ، پیر وارث شاہ یا حروف ابجد سے لی جاتی ہے، یہ تو بناوٹی چیزیں ہیں اور بدعات میں داخل ہیں، بلکہ بعض فال تو مکروہ ہیں اور بعض شرکیہ ہیں، جائز فال کو امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے منسوب کیا ہے اور ان کے نام پر کتابیں بھی لکھیں ہیں"[4]۔

---

(۱) اَیضاً، ۲/ ۲۳۰

(۲) اَیضاً، ۱/ ۳۱۱

(۳) ایضاً، ۳/ ۲۲۹

(۴) دروس الحدیث، ۲/ ۱۹۷

ایک جگہ مصافحہ اور معانقہ کا مسئلہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"بعض لوگ نماز کے بعد باقاعدگی سے ایک دوسرے سے مصافحہ کرتے ہیں یا سارے کے سارے امام کے ساتھ مصافحہ کرتے ہیں۔ یہ بدعات میں داخل ہے سنت میں اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا..... یہ محض رواج ہے یا اس کو بدعات میں شمار کیا جاسکتا ہے"۔[۱]

نذر کے بارے میں کہتے ہیں:

"نذر ماننے میں خرابی یہ ہے کہ اگر کام پورا ہو گیا تو نذر ماننے والا یہ سمجھے گا کہ اس نذر کی وجہ سے کام ہوا ہے ۔حالانکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ نذر اللہ کی تقدیر میں سے کسی چیز کو ردّ نہیں کرتی اور اگر نظر مان کر کوئی عبادت کر یگا ،تو وہ عبادت اس کام کا معاوضہ بن جائے گی"۔[۲]

معاشرے میں سماجی خرابیوں کا تدارک

عبد الحمید سواتی رحمۃ اللہ علیہ نے دروس کے ذریعہ معاشرہ میں رائج برائیوں اور خرابیوں کا تدارک کرنے کی بھی کوشش کی، اور احادیث رسول ﷺ کی عصری تعبیرات کے ذریعہ مسلمانوں کی رہنمائی کی بھرپور مساعی کیں۔

حق مہر کی ادائیگی پر زور دیتے ہوئے آپ نے کہا:

"مطلب یہ ہے کہ جس طرح عورت کا نان ونفقہ مرد کے ذمہ لازم ہے، اسی طرح مہر کی ادائیگی بھی ضروری ہے۔ حضور ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ جو قرض لے کر واپس کرنے کی نیت نہیں رکھتا، وہ چور ہے۔ اس شخص نے دھوکہ دے کر عورت کو اپنے لیے حلال قرار دیا ہے، تو یہ شخص جب اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہو گا۔ توزانی شمار ہو گا"[۳]۔

عبد الحمید سواتی رحمۃ اللہ علیہ اہل سنت والجماعت کے عقائد کے داعی تھے اور مغرب کے افکار کی پر زور مذمت کرتے تھے۔ حتیٰ کہ مغرب کے فیشن کے حوالے سے آپ کہتے ہیں:

---

(۱) ایضاً، ۱/۳۱

(۲) ایضاً، ۳/۱۷۱

(۳) دروس الحدیث، ۱/۳۲۰

" بعض لوگ سر کے اگلے حصے کے بالوں کو رہنے دیتے ہیں، یہ فرانسیسی یا انگریزی فیشن کی کٹنگ کہلاتی ہے جو درست نہیں، صحیح طریقہ یہ ہے کہ یا تو سارا سر منڈوایا جائے یا سارے بال چھوڑ دیئے جائیں، جہاں تک بال رکھنے کا تعلق ہے، تو زیادہ سے زیادہ کانوں کی لو تک ہونے چاہئیں"۔[۱]

مسجد کے آداب کے بارے میں لکھتے ہیں:

"بازاری آوازیں نکالنا مسجد کے آداب کے خلاف ہے۔ کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ آج یہ ساری خرافات مساجد میں ہو رہی ہیں، بلند آواز سے باتیں کی جاتی ہیں، لوگ خیال نہیں کرتے۔اب سپیکر کا فتنہ علیحدہ کھڑا ہو چکا ہے، ہر وقت بے وقت اس کو کھول کر لوگوں کا سکون خراب کیا جاتا ہے اور عبادت و ریاضت میں خلل اندازی کی جاتی ہے، یہ سب بد نظمی کی علامات ہیں جن سے حضور علیہ السلام نے منع فرمایا ہے"۔[۲]

باطل فرق کے عقائد کا رد

عبدالحمید سواتی رحمہ اللہ کے دروس الحدیث میں باطل فرقوں کے عقائد کا رد بھی پایا جاتا ہے۔ہاں یہ فرق ضرور ہے کہ عوام الناس کی ذہنی سطح کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ مسند احمد میں حضرت مجمع بن جاریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:((يَقْتُلُ ابْنُ مَرْيَمَ الدَّجَّالَ بِبَابِ لُدٍّ أَوْ إِلَى جَانِبِ لُدٍّ))[۳] مسلمانوں کے بنیادی عقائد میں یہ بات شامل ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ آسمان پر اٹھالیا گیا،اور یہودیوں کی ناپاک سازش ناکام بنا دی ۔ قیامت کے قریب آپ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی کی حیثیت سے زمین پر واپس بھیجے جائیں گے۔ احادیث میں موجود لُد[۴] کا معانی مرزا غلام احمد قادیانی 'لدھیانہ'[۵] کرتا ہے۔

---

[۱] ایضاً، ۲/۲۸۳

[۲] ایضاً، ۲/۲۰

[۳] مسند احمد، حدیث:۱۵۴۶۹، ۲۴/۲۱۲

[۴] مقبوضہ فلسطین میں تل ابیب سے پینتیس چھتیس میل کے فاصلے پر لُد کے مقام پر اسرائیل کا ہوائی اڈہ ہے

[۵] بھارت کے شمال مغرب میں واقع ایک شہر ہے

اس کا رد کرتے ہوئے عبد الحمید سواتی ؒ لکھتے ہیں:

" اس کا یہ دعویٰ قطعی غلط ہے مسیح سے مراد مرزا قادیانی نہیں، بلکہ مسیح ابن مریم کے دروازے کے پاس قتل کریں گے"۔ (۱)

اسی طرح 'اہل قرآن' کی توصیف میں مسند احمد بن حنبل کی حدیث (۲) بیان کرنے کے بعد فرقہ اہل قرآن کے بارے میں لوگوں کی غلط فہمی دور کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"یاد رہے کہ اہل قرآن سے مراد موجودہ دور والا فرقہ اہل قرآن نہیں ہے یہ تو حقیقت میں منکرین قرآن ہیں ۔یہ پرویزی، چکڑالوی وغیرہ گمراہ فرقے ہیں جو اس حدیث کے ہر گز مصداق نہیں ہیں، اہل اللہ کہلانے کے مستحق اللہ کے وہ خاص بندے ہیں جو قرآن پر یقین رکھنے کے ساتھ ساتھ اس پر عمل پیرا بھی ہوتے ہیں"۔ (۳)

جامع علوم شریعت وعلوم طب

آپ نے جہاں ان علوم پر دسترس حاصل کی، جو روحانی امراض سے شفایاب ہونے کے لیے مؤثر ہیں۔ وہیں ان علوم کی طرف بھی التفات کیا، جو جسمانی امراض میں بھی اثر انگیز ہیں۔اس سلسلے میں انہوں نے حیدر آباد کے نظامیہ طبیہ کالج سے حکمت کی تعلیم حاصل کی۔ جس کی جھلک دروس الحدیث میں بھی نظر آتی ہے۔

ایک مقام پر عبد الحمید سواتی ؒ مسواک سے متعلقہ حدیث بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"دانتوں کے نیچے پیپ پیدا ہو کر دانتوں کی بیماری پائیوریا وغیرہ کا باعث بنتی ہے۔ یہی پیپ معدے میں جا کر نظامِ ہضم کو خراب کر دیتی ہے۔ مسواک کرنے سے دانتوں کی بیماریاں پیدا نہیں ہوتیں، گویا یہ دانتوں کی بیماریوں کا شافی علاج بھی ہے اور عبادت کی مقبولیت کا ذریعہ بھی"۔ (۴)

---

(۱) دروس الحدیث، ۴/ ۲۱

(۲) مسند احمد، ۳/ ۱۲۷

(۳) دروس الحدیث، ۳/ ۱۰۱

(۴) دروس الحدیث، ۱/ ۳۸

زیتون کے فوائد کے متعلق بتاتے ہیں:

"زیتون کے درخت کی لکڑی، پتے، چھلکا، پھل، تیل، غرضیکہ اس کی ہر چیز قابل استعمال ہے ۔یہ لمبی عمر پانے والا درخت ہےاس کا پھل خوراک کے طور پر بھی مفید ہے اور اگر اس کی مالش کی جائے تو پٹھوں کی خرابی یا بلغمی بیماریوں (فالج وغیرہ) میں نہایت سود مند ہوتا ۔"[۱]

سرمہ کے متعلق دیکھئے:

" ... آنکھوں کی میل کچیل کو صاف کرتا ہے اور آنکھوں کو راحت پہنچاتا ہے۔اثمد اصفہانی سرمی ہے جس میں سیاہی کم ہوتی ہے اور یہ سرخی مائل ہوتا ہے"۔[۲]

سنت کے مطابق مشروب پینے کے طبی فوائد بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"کوئی بھی مشروب پیتے وقت ایک ہی سانس میں غٹا غٹ نہیں پی لینا چاہیئےبلکہ دو یا تین سانس لے کر پینا چاہیئے کہ ایسا کرنا مستحب ہے ، ٹھہر ٹھہر کر پینے سے سیرابی بھی زیادہ ہوتی ہے اور انسان بیماری سے بھی بچ جاتا ہے۔ اگر پورا مشروب ایک ہی دفعہ انڈھیل دیا جائے، تو کباد کی بیماری لگ جانے کا خدشہ ہوتا ہے۔ "۔[۳]

دروس الحدیث کے مؤاخذات

یقیناً صوفی عبدالحمید سواتی رحمہ اللہ کے افادات پر مشتمل تصنیف "دروس الحدیث" عوام الناس کے ساتھ ساتھ طلباء اور علمائے کرام کے لئے بھی یکساں طور پر مفید ہے۔ تاہم تصنیف مذکورہ کا تنقیدی جائزہ یہ بتاتا ہے کہ تقاضائے بشری کے تحت کچھ خامیاں بھی رہ گئی ہیں۔ البتہ بجاطور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان خامیوں کا تعلق زیادہ تر طبع شدہ مواد سے ہے۔ بہر حال ذیل کی سطور میں ان خامیوں کا مختصراً جائزہ پیش خدمت ہے۔

---

(۱) ایضاً، ۱/۲۳۰

(۲) ایضاً، ۱/۲۴۱

(۳) ایضاً، ۳/۱۱۰

غیر واضح ترتیبِ احادیث

دروس الحدیث کو ترتیب دیتے وقت کون سی ترتیب ملحوظ خاطر رکھی گئی ہے؟ اس کا جواب ہمیں مولانا سواتی رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند فیاض خان کی زبانی یہ ملتا ہے: "اور یہ دروس مسند احمد کی احادیث کے ترتیب سے نہیں ہیں بلکہ منتخب احادیث سے ہیں، ہر حدیث کے ساتھ جلد نمبر اور صفحہ نمبر کا حوالہ بھی لگا دیا گیا ہے"۔[۱]

یہ ایک قابل ذکر خامی ہے، کیونکہ اس سے قاری کا ربط ٹوٹ جاتا ہے۔ اگر یہ دروس عبد الحمید سواتی رحمۃ اللہ علیہ کے زبانی دروس کے لحاظ سے بھی ترتیب دیئے گئے ہیں، تو بھی انہیں موضوع کے حساب سے ترتیب دیا جاسکتا ہے۔[۲]

حوالہ جات کی عدم موجودگی

کتاب دروس الحدیث میں احادیث کے ترجمہ کے بعد تشریح کرتے ہوئے احادیث و آثار و اقوال کا بیشتر اوقات حوالہ نہیں دیا گیا ہے۔ یقیناً زبانی درس دیتے وقت، جبکہ سامعین کی اکثریت عوام الناس پر مشتمل ہو تو شاید اس کی ضرورت زیادہ نہ ہوتی ہو، لیکن تحریری شکل میں مواد پیش کرتے وقت حوالہ کا اہتمام کرنا زیادہ اہم گردانا جاتا ہے۔

احادیث پر حکم کی عدم موجودگی

مسند احمد بن حنبل میں ضعیف احادیث بھی موجود ہیں۔ تاہم دروس الحدیث میں شاید ہی کسی حدیث پر حسن، ضعیف، موضوع، وغیرہ کا حکم لگایا گیا ہو۔ بسا اوقات تو مسند احمد کی حدیث کا حوالہ بھی نہیں دیا گیا، یا سہواً رہ گیا ہے۔[۳]

مبہم الفاظ کا استعمال

دروس الحدیث میں اردو زبان میں پیش کئے گئے متن میں بعض جگہوں پر کچھ مبہم الفاظ کا استعمال کیا گیا ہے، جو قاری کی روانی کو متاثر کرتے ہیں۔[۴]

---

(۱) دروس الحدیث، ۱/۱۷

(۲) مثلاً مصافحہ کے حوالہ سے ایک حدیث جلد نمبر ۱، صفحہ نمبر ۳۰ پر ملتی ہے، تو اسی موضوع پر دوسری حدیث جلد ۳، صفحہ ۲۲۹ پر ملتی ہے۔ اسی طرح دجال کے متعلق ایک حدیث ج:۲، ص:۲۳ پر ملتی ہے، تو دوسری جلد: ۲، ص:۲۳۱ پر

(۳) ایضاً، ۲/۱۱۵، ۸۱

(۴) ایضاً ، ۲/۷۷ ۳

غیر ضروری تکرار

دروس الحدیث کی بعض عبارتوں اور واقعات میں تکرار ہے۔ اصولی طور پر یہ تکرار فصاحت وبلاغت کے منافی ہے۔[1]

۞ ۞ ۞

[1] مثلاً بدبودار چیز کھا کر مسجد میں آنے کی ممانعت سے متعلق دروس الحدیث کی جلد: ۲، صفحہ: ۳۸۲ پر لکھا ہے، یہی مسئلہ جلد: ۳، صفحہ: ۱۴۹ پر لکھا ہے۔ حدّ رجم کے بارے میں جلد: ۱، صفحہ: ۲۱۱ پر لکھا ہے، یہی مسئلہ جلد: ۴، صفحہ: ۲۴۲ پر بھی موجود ہے۔ اس طرح کے دیگر واقعات اور بھی کئی مقامات پر مکرر تحریر کیے گئے ہیں۔

سیرت نویسی کے اثرات و فوائد

Impacts and Benefits of Sīrat Writing

شاہین کوثر *

ڈاکٹر محمد ریاض وردگ **

ABSTRACT

Allah Almighty has sent a chain of messengers for the betterment of humanity in different eras of history. The personality of Prophet Muhammad (S.A.W) includes all the qualities of the previous Prophets thus it is the best source of guidance for mankind. The person from to any walk of life can attain light from his sīrat.

The teachings of Prophet Muhammad (S.A.W) eliminated all evil like racism, violence, injustice, cunning, hypocrisy and discrimination in human beings. The Prophet (S.A.W) always focused on establishment and maintenance of peaceful, civilized and loving society. Thus knowledge, peace and prosperity enhanced in the Muslim society and Islam made progress day by day.

The writers and historians have compiled books on sīrat (S.A.W) with efficient labour and devotion to preserve every aspect of life of Prophet Muhammad (S.A.W). The life of our Holly Prophet (S.A.W) is noble and for all mankind. Undoubtedly sīrat writing has promoted peace, unity, brotherhood, justice, passion, tolerance among the Muslims and positive relations with other nations. The author feels that the Muslim ummah needs to follow the right, positive and constructive path of Islam by obeying the teachings of Prophet Muhammad (S.A.W).

Life of the Holy Prophet (S.A.W) has always been labelled as "the best example" so it is significant to bring his characteristics to the light. Through this paper, it has been proved that the sīrat writing has left a great impact on the religious knowledge, moral, social and philosophical aspects of Muslim ummah and human society.

Keywords: *Sīrat Writting: Impacts and Benefits: Muslim Ummah: Positive Relation with Nations: Improvement of Human Values*

---

* پی ایچ ڈی سکالر، ہزارہ یونیورسٹی، مانسہرہ

** سابق صدر شعبہ علوم اسلامیہ و مطالعۂ مذاہب، ہزارہ یونیورسٹی، مانسہرہ

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس کائنات کا نائب و خلیفہ بنا کر بھیجا ہے۔ اس کی ہدایت اور رہنمائی کا بھی بہترین بندوبست کیا۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیائے کرام اپنے اپنے ادوار اور زمانے میں اللہ کے حکم کے مطابق انسانیت کی رہبری کا فریضہ سرانجام دیتے رہے، خیر و شر، نیکی و بدی، ظلم و عدل میں فرق سکھاتے رہے۔ آپ ﷺ تمام انبیاء کے آخر میں تشریف لائے کیونکہ انسانیت کو ایسی کامل، اکمل اور بہترین ہستی کی ضرورت تھی جس کے نیک اخلاق میں انسانیت کے لیے بہترین رہنمائی موجود ہو، جو اچھی بات زبان سے کہے تو اس کا عملی نمونہ بن کر دکھائے، جس کے اقوال و افعال کی پیروی کرنا انسانیت کے لیے باعث فخر ہو۔

انسانی زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس کے متعلق آپ ﷺ کی سیرت پاک سے رہنمائی نہ ملتی ہو۔ حکمران، سیاست دان، جج، قاضی، معیشت دان، قانون دان، مقنن، مفکر، مفسر، معلم، سپہ سالار، قائد، غازی، مجاہد، طبیب، خطیب، مزدور اور فاقہ کش کے لیے آپ ﷺ کی زندگی رہنمائی کا خزینہ ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر دین مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تمام کر دی۔ آپ ﷺ کی زندگی کے حالات و واقعات، اقوال و ارشادات، حسن عمل اور حسن کردار کے ایک ایک حرف کو محفوظ کرنے کے لیے محدثین اور سیرت نگاروں نے اپنی زندگی کا طویل عرصہ صرف کر دیا۔

سیرت نویسی کے فن نے امت مسلمہ پر بہت اچھے اثرات مرتب کیے اور یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ آپ ﷺ کی سیرت قرآن کی عملی تفسیر ہے۔ جس طرح قرآن انسانیت کے لیے ہدایت اور رہنمائی کا ذریعہ ہے اسی طرح آپ ﷺ کی سیرت ہدایت و رہنمائی کا بہترین خزانہ ہے۔

آپ ﷺ کی سیرت پاک پر جتنا لکھا جاتا رہے گا اتنا ہی امت مسلمہ کی رہنمائی ہوتی رہے گی۔ آپس میں اتحاد و اتفاق، اخوت و محبت، امن و سلامتی، خیر خواہی و خیر سگالی کے جذبات کو فروغ ملے گا۔ سیرت نگاروں نے آپ ﷺ کی حیات پاک کے ہر پہلو کو سامنے لانے کی کوشش کی ہے۔ جس کے اچھے اثرات مرتب ہوئے ہیں۔ سیرت نویسی کا کام کسی دور میں رکنے والا نہیں۔

سیرت کا لغوی مفہوم

عربی لغت میں اسم "سار" لفظ سیرت سے ہی اخذ کیا گیا ہے "سار" سورہ کہف کے مطابق طریقہ، حالت اور کیفیت کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ [۱] دراصل سیرت کا لفظ عربی میں سیرۃ یعنی گول ۃ کے ساتھ، اُردو اور فارسی میں لمبی ت کے ساتھ لکھا جاتا ہے یہ لفظ عربی زبان کے مادے سیرت سے بنا ہے اس کے لفظی معنی ہیں پھرنا، راستہ اپنانا،

---

(۱) افریقی، محمد بن مکرم، ابن منظور، لسان العرب، بیروت دار الطباعت والنشر ۱۹۵۵، ص:۲۳

رویہ یاسمت اختیار کرنا [۱]

اُردو لغت کے مطابق

سیرت کے معنی طریقہ اور راستہ کے ہیں۔ بعد میں یہ لفظ عام لوگوں کے حالات کے لیے استعمال کیا جانے لگا پھر آنحضرت ﷺ کے حالات اور افکار کے مجموعے پر اس لفظ کا اطلاق ہوا۔ [۲]

سیرت، طبیعت، خصلت، آداب اور صفات کو بھی کہہ سکتے ہیں۔ [۳]

فیروز اللغات کے مطابق سیرت مونث لفظ ہے جس کے معنی عادت، گن اور صفات یا ہنر کے ہیں۔ [۴]

چال ڈھال، حالت اور کیفیت کو بھی سیرت کہتے ہیں۔ [۵]

انگریزی لغت کے مطابق

Manners کو سیرت کہتے ہیں۔ [۶] یعنی عادات، خاصیت، نیکی، اخلاق، سوانح عمری اور طرز زندگی کو سیرت کہتے ہیں۔ [۷] آکسفورڈ ڈکشنری کے مطابق:

"General characteristics and feeling of mankind, specified element of character"[8].

ترجمہ: انسانوں کے عمومی کردار، احساسات اور مخصوص مزاج کو سیرت کہتے ہیں۔

"The qualities characteristics of a person or things"[9].

ترجمہ: اشخاص اور چیزوں کی خصوصیات اور اوصاف کو سیرت کہتے ہیں۔

دائرہ معارف اسلامیہ کے مطابق لفظ سیرت "سار، یسیر" سے نکلا ہے، یعنی حالت و کردار وغیرہ۔ [۱۰]

---

(۱) الزبیدی، محمد بن عبد الرزاق الحسینی تاج العروس من جواہر القاموس، دار الھدایہ بیروت ۱۹۵۴ص: ۳۹۰

(۲) ابن سیدہ، المحکم والمحیط الاعظم، مصطفیٰ البابی الحلبی، مصر ۱۹۵۸ص: ۳۱۲

(۳) جدید اردو لغت، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۲۰۰۰، ص: ۴۴۵

(۴) فیروز الدین، الحاج، فیروز اللغات، فیروز سنز، اردو بازار، لاہور ۱۹۶۲، ص: ۷۵۳

(۵) عربی اردو لغت، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۸۳، ص: ۳۳۸

(۶) انگریزی لغت، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور ۱۹۶۸، ص: ۸۶۵

(۷) حارث سرہندی، علمی اردو لغت، ۱۹۷۹، علمی کتب خانہ لاہور، ۱۹۷۹ء، ص: ۶۶۵

(8) Cecil Wylld, Henry, The Universal English Dictionary, Karachi, 1972 P: 781

(9) English Dictionary Oriental Book Society, Lahore 1979 P: 713

(۱۰) اردو دائرہ معارف الاسلامیہ، انسائیکلوپیڈیا، لاہور ۱۹۶۹، ۱۱/ ۵۰۵

عربی لغت کے مطابق

"اَلسِّیْرَۃُ" عربی میں اس حالت کو بھی کہتے ہیں جس پر انسان زندگی بسر کرتا ہے۔ مثلاً "فُلَانٌ حَسَنُ السِّیْرَۃِ" فلاں کی سیرت اچھی ہے "فُلَان قَبِیْحُ السِّیْرَۃِ" اس کی سیرت بری ہے۔(۱) عرف عام میں سیرت کا لفظ تفسیر، سیرت سازی، پختگی سیرت، حسن سیرت اور بد سیرت وغیرہ کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ قرآن مجید میں لفظ سیرۃ صرف ایک جگہ آیا ہے یعنی: ﴿سَنُعِیْدُھَا سِیْرَتَھَا الْاُوْلٰی﴾ (۲) ترجمہ: ہم اسے پہلی حالت پر لوٹا دیں گے۔ اس آیت میں موسیٰ علیہ السلام کے عصا (لاٹھی) کا سانپ بن جانے کے بعد دوبارہ اصلی حالت میں آجانے کی طرف اشارہ ہے۔

امام راغب اصفہانی مفردات القرآن میں لکھتے ہیں: (

"اَلسَّیْرُ "کے معنی زمین پر چلنے کے ہیں، چلنے والے آدمی کو سَیَّارٌ کہا جاتا ہے ایک ساتھ چلنے والوں کی جماعت کو سَیَّارَۃٌ کہتے ہیں۔(۳) قرآن پاک میں ارشاد ہے:

﴿اَفَلَمْ یَسِیْرُوْافِی الْاَرْضِ﴾ (۴) ترجمہ: کیا ان لوگوں نے ملک میں سیر و سیات نہیں کی۔

دوسری جگہ ارشاد ہے: ﴿وَھُوَالَّذِیْ یُسَیِّرُکُمْ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ﴾ (۵)

ترجمہ: وہی تو ہے جو تم کو جنگل اور دریا میں چلنے پھرنے اور سیر کرانے کی توفیق دیتا ہے۔

لفظ سیرت واحد اور جمع کے طور پر بھی استعمال ہوتا ہے اور۔ مثلاً سیر الصحابیات، سیرت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، سیرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ۔ کتب فقہ میں السیر جنگ و قتال سے متعلق احکام کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔(۶)

حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی (۷) لکھتے ہیں:

"آنچہ متعلق بوجوہ پیغمبری و حی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آل عظام است و از ابتدائے تولد آنجناب

---

(۱) فیروزآبادی، مجد الدین، محمد بن یعقوب، القاموس المحیط، دار الفکر بیروت، ۱۳۹۸ھ ۱۹۷۸، ص: ۳۹۰

(۲) سورۃ طٰہٰ: ۲۰/ ۲۱

(۳) اصفہانی، حسین بن محمد، مفردات القرآن، مطبع اسلامی اکادمی، لاہور ۱۹۸۷، ۱/ ۳۰

(۴) سورۃ یوسف: ۱۲/ ۱۰۹

(۵) سورۃ یونس: ۱۰/ ۲۲

(۶) ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، المعرفت بیروت لبنان، س، ن، ص: ۱۴

(۷) شاہ عبد العزیز، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی متوفی ۱۲۳۹ھ کے بیٹے اور مدرسہ رحیمیہ سے منسلک تھے۔ ہندوستان میں علم حدیث کی ترقی واشاعت میں بہت خدمات انجام دی اور ہندوستان کے مختلف مقامات میں احادیث کی تعلیم کے لیے مراکز قائم کیے۔

ووفات سیرت گویند"۔ (۱)

ترجمہ: جو کچھ ہمارے پیغمبر ﷺ، حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، آل عظام مبارک وجود کے ساتھ متعلق ہو اور حضور ﷺ کی پیدائش سے وفات تک کے واقعات پر مشتمل ہو، اسے سیرت کہتے ہیں۔

سیرت کا اصطلاحی مفہوم

باطنی خوبیاں جب انسان کے ظاہری چال ڈھال سے احسن انداز سے ظاہر ہوں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ فلاں شخص نیک سیرت کا مالک ہے۔ شریعت کی اصطلاح میں یہ لفظ عام شخصیات کے ساتھ استعمال نہیں ہوتا۔ جب لفظ سیرت بولا جائے تو ذہن صرف ایک شخصیت کی طرف رخ اختیار کر لیتا ہے وہ شخصیت سید المرسلین، خاتم النبیین ﷺ کی ہے۔ اب اگر کتب سیرت وغیرہ کا ذکر کیا جائے اور نبی اکرم ﷺ، پیغمبر اور مصطفی کے الفاظ استعمال ہوں تب بھی اس سے مراد حضور ﷺ کی ذات مبارکہ ہی لی جاتی ہے۔

سیرت نبی ﷺ کے لیے ابتداء میں مغازی، یعنی غزوات کا لفظ استعمال ہوتا تھا۔ فن سیرت کا آغاز اسلام میں مغازی سے ہوا۔ ابتدا میں مغازی سے مراد غزوات و سرایا سے متعلق تفصیلات ہوتی تھیں۔

علامہ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: غزوہ کے اصل معنی قصد وارادہ کے ہیں۔ (۲)

محدثین و مورخین عام طور پر اپنی کتاب کا نام "کتاب المغازی" یا "مغازی رسول ﷺ "مغزی کی جمع کے ساتھ رکھتے ہیں۔ (۳) سیرت طیبہ پر لکھنے کا آغاز مغازی سے ہوا۔ سیرت پر سب سے پہلی کتاب جو سامنے آئی ہے وہ ابن

ہشام کی سیرت النبویۃ ہے۔ (۴)

نبی اکرم ﷺ کی زندگی اخلاق وعادات، رہن سہن، گفتگو، چال ڈھال، نشست وبرخاست کا انداز سب سیرت کے زمرے میں شمار ہوتا ہے۔

قرآن پاک میں ارشاد ہے: ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (۱)

---

(۱) دہلوی، شاہ عبد العزیز، محدث، حجۃ البالغہ، اسلامی اکیڈمی لاہور، س، ن، ص: ۱۴

(۲) ابن حجر، عسقلانی، فتح القدیر، ۷ / ۲۷۹

(۳) اظہر مبارک پوری، مولانا، تدوین سیرت مغازی، دار الندوہ، اردو بازار، لاہور ۲۰۰۵ء، ۳ / ۱۵

(۴) عزیز الرحمٰن، ششماہی سیرت عالمی مطالعہ سیرت کی وسعت بر صغیر پاک وہند میں، شمارہ ۱۸ ستمبر ۲۰۰۰، ناشر اکیڈمی پبلی کیشنز ڈان پرنٹنگ پریس کراچی، ص: ۴۳

ترجمہ: اور تمہارے لیے رسول ﷺ کی ہستی میں بہترین نمونہ ہے۔

کتب سیرت کے مطابق آپ ﷺ کی مغازی کا مخصوص معنی طریقہ اور روش کے ہوگئے۔(۲) مغازی کو سیر اسی لیے کہتے ہیں اور السیر سے مراد غازیوں، مددگاروں اور کافروں سے مسلمان حاکم وقت کا سلوک، معاملات اور تعلقات وغیرہ ہیں۔ عام طور پر سیرت کا اطلاق غزوات اوران سے متعلق امور پر بھی ہوتا ہے۔(۳) آپ ﷺ کے شمائل واخلاق، اور عادات سے متعلق امور کو بھی سیرت کہتے ہیں۔(۴)

اولین سیرت نگاروں نے سیرت پر جو کتابیں لکھیں، ان میں غزوات زیادہ ذکر کیے گئے۔ بعد ازاں یہ فن غزوات کے ساتھ نہیں رہا، بلکہ آنحضرت ﷺ کی زندگی کے دوسرے پہلوؤں میں بھی تفصیل سے لکھا جانے لگا۔ مثال کے طور پر "ابن سعد" کی "الطبقات الکبری" میں آنحضرت ﷺ کے دوسرے احوال بھی لکھے گئے ہیں۔(۵) خلاصہ کلام یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی حیات پاک کے جس جس پہلو اور جس جس گوشے کا ذکر کیا جائے، آپ ﷺ کے بچپن کا تذکرہ ہو یا جوانی کا، گھر کے حالات ہوں یا خاندان کے، غزوات و مغازی کا ذکر ہو یا آپ ﷺ کی مشکلات کا، اخلاق وعادات کا ذکر ہو یا معمولات کا یہ سب سیرت کے ہی احوال ہیں۔

سیرت نویسی کے اثرات

نبی اکرم ﷺ کی سیرت پوری انسانیت کے لیے خصوصا امت مسلمہ کے لیے مشعل راہ ہے۔ آپ ﷺ نے دنیا کو ایسا بہترین ضابطہ اور روشن لائحہ عمل دیا جس پر عمل کرکے یہ جہاں بھی مثل جنت اور اخروی جہاں بھی کامیاب۔ آپ ﷺ نے ایسا دستور عمل دیا جس کا اصل اصول یہ ہے کہ ہر شخص دوسرے کے لیے محترم ہو، دوسرے کا نگہبان اور محافظ ہو، کوئی برتر نہ ہو، کوئی کمتر نہ ہو، کوئی ادنیٰ نہ ہو، کوئی اعلیٰ نہ ہو، جہاں ہر انسان دوسرے انسان کے لیے بے غرض ہو، دوسروں کے ساتھ مل کر بنی نوع انسان کی فلاح کا کام کرسکے جہاں انسانی شرف فضیلت کا معیار حسن عمل ہو۔ آپ ﷺ کی سیرت نے انسانیت کو امن کا، صلح جوئی کا، خیر خواہی اور خیر سگالی کا اور مصالحت کا پیغام دیا ہے۔ انسانوں کو آپس میں پیار و محبت سے رہنے کے لیے اخوت، محبت، انسانی مروت، عدل گستری،

---

(۱) سورۃ الاحزاب:۳۳/ ۲۰

(۲) اردو دائرہ معارف الاسلامیہ، انسائیکلوپیڈیا،۱۱/ ۲۵۱

(۳) الطبری، ابو محمد بن جعفر جریر، علامہ تاریخ طبری، دارالاشاعت اردو بازار، لاہور ۱۹۰۳ء، ص:۲۱۳

(۴) اردو دائرہ معارف الاسلامیہ، انسائیکلوپیڈیا، ۱۱/ ۲۵۱

(۵) ندیم الواجدی، از نقوش رسول نمبر، ادارہ فروغ اردو، لاہور ۱۹۷۸ء، ۱/ ۵

درگذر، صلح جوئی اور تحمل اور برداشت کا درس دیا۔ انسانوں کو آپس میں جوڑنے کے لیے اور خدائے واحد سے متعارف کروانے کے لیے آپ ﷺ نے جاں گزار مصائب اور تکالیف برداشت کیں اور انسانیت کو خدائے پاک کے آستانہ واحد پر لانے کے لیے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿لَقَدْجَآءَ كُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَاعَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾ (۱)

ترجمہ: بے شک تمہارے پاس ایک ایسے رسول تشریف لائے ہیں جو تم میں سے ہیں، جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا سخت گراں گزرتا ہے، جو ایمانداروں کے ساتھ بڑے ہی شفیق اور انتہائی مہربان ہیں۔

انسانیت کا عروج وشان، وقار وبلندی اور اخروی نجات آپ ﷺ ہی کی سیرت پاک پر چلنے سے ملے گی۔ معرفت نفس اور معرفت رب کا راستہ آپ ﷺ کی سیرت کے بدولت ہوگا۔ آپ ﷺ نے انسانیت کو نجاسات مادیہ سے پاک کرکے انسانیت کے اعلیٰ وارفع مقاصد سے آشنا کیا۔ نفرتوں اور کدورتوں کی آگ کو بھسم کرکے عناد اور دشمنی رکھنے والوں کو شیر وشکر کردیا۔ آپ ﷺ کی سیرت ایسا بحر بیکراں ہے جس کی کوئی حد نہیں۔ چودہ سو سال سے ہر دور میں ہر زمانے میں سیرت نویسی کا کام ہوتا رہا ہے۔ علماء سکالر، محققین، مصنفین اپنی اپنی بساط کے مطابق سیرت کے مختلف پہلوؤں پر تحقیق کرتے رہے، ہنوز یہ سلسلہ جاری ہے اور قیامت تک جاری رہے گا۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ وَالَّذِيْنَ مَعَه اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ﴾ (۲)

ترجمہ: محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کافروں کے مقابلے میں سخت اور آپس میں نرم دل ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ سیرت نویسی بے شمار فیوض وبرکات کی حامل ہے۔ نبی اکرم ﷺ کی سیرت کے مختلف پہلوؤں اور گوشوں کو عیاں کرکے انسانیت کو ایک مثبت راہ پر ڈالا جاسکتا ہے۔ اگر ہم تاریخی تسلسل کو دیکھیں تو سارے نشیب وفراز، عروج وزوال، سیاسی، معاشرتی اور تہذیبی محکومی کے باوجود جس چیز نے دنیا کو باقی رکھا، اس کی اصل کو محفوظ رکھا، اسے بار بار تجدید واحیاء کی نعمتوں سے مالامال کیا وہ نبی اکرم ﷺ کی ذات ہے۔ موجودہ دور میں انسانیت بھیانک مسائل کا شکار ہے۔ دہشتگردی، انتہاپسندی نے انسانیت خصوصاً مسلمانوں کا جینا حرام کردیا ہے، ایسی صورت میں سیرت نویسی کا کام جاری رکھ کر ہتھیاروں اور دہشت گردی کا خاتمہ کیا جاسکتا ہے۔ لہٰذا سیرت نویسی بے

---

(۱) سورۃ التوبہ: ۱۲۹/۹

(۲) سورۃ الفتح: ۴۸/۴۸

شمار فیوض وبرکات کی حامل ہے۔ سسکتی، کراہتی اور دکھی انسانیت کے زخموں کا مرہم ہے۔ صبر و استقامت، تحمل وبرداشت عفو درگزر کا درس کامل ہے۔ آپ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی سیرت کے مندرجہ ذیل اثرات ہیں۔

علمی اثرات

اللہ تعالیٰ نے علم وتعلیم کے پھیلانے کے لیے آپ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی ذات کا انتخاب کیا آپ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ پر جو پہلی وحی بھیجی گئی اس کے آغاز سے ہی پڑھنے کا حکم دیا گیا ارشاد ربانی ہے:

﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ اِقْرَاْوَرَبُّکَ الْاَکْرَمُ اَلَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ﴾ [۱]

ترجمہ: اپنے پروردگار کے نام سے پڑھ جس نے پیدا کیا جس نے انسان کو لوتھڑے سے پیدا کیا پڑھ اور تیرا پروردگار بڑا اکریم ہے جس نے قلم کے ذریعے علم سکھایا۔ انسان کو وہ علم سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا۔

یعنی اللہ کی طرف سے آپ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کو جو پیغام بھیجا گیا وہ یہ تھا کہ پڑھو اور پھر ذمہ داری لگائی کہ دوسروں کو بھی پڑھاؤ۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿هُوَالَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَه بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَه عَلَی الدِّیْنِ کُلِه وَکَفٰی بِاللّٰهِ شَهِیْدًا﴾ [۲]

ترجمہ: اللہ وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا تاکہ اسے سب ادیان پر غالب کر دے اور اس بات کا اللہ بطور گواہ کافی ہے۔

آپ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے علمی دنیا میں انقلاب برپا کیا جس کی وجہ سے تعلیم ہر فرد کے لیے لازمی مفت اور عام ہو گئی اس کا دروازہ ہر خاص اور عام کے لیے کھل گیا۔ آپ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی تعلیمات نے کائنات پر غور وفکر، تدبر وتعقل کی دعوت دی اور انسانی عقل وفکر کو کائنات کے سربستہ رازوں سے پردہ اٹھانے کا ذریعہ قرار دیا۔ آپ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مبعوث ہوئے تو مکہ میں صرف سترہ آدمی لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ تئیس سال بعد جب آپ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اس دنیا سے تشریف لے گے تو کوئی گھر ایسا نہیں تھا جہاں علم کے چراغ روشن نہ ہوئے ہوں۔ آپ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی ساری حیات پاک علم کی شمع روشن کرنے میں گزر

---

(۱) سورۃ العلق: ۹۶/۱-۴

(۲) سورۃ الفتح: ۴۸/۲۹

گئی جب حج کے موقع پر سارے مسلمان اکھٹے ہوئے تو آپ ﷺ نے سوال کیا۔ کیا میں نے اللہ کا پیغام پہنچا دیا ہے ؟تو سب نے کہاہاں اس پر آپ ﷺ نے آسمان کی طرف انگلی اٹھائی اور عرض کیا اے اللہ گواہ رہنا۔ (۱)

آپ ﷺ کی علمی جدوجہد اور تحریک کا یہ نتیجہ نکلا کے تمام دنیا میں درسگائیں قائم ہوئیں اور ان درسگاہوں کے ذریعے علم کے ہر شعبے میں تحقیق ہوئی اور طالبان علم کی تعداد میں اضافہ ہوا۔ آپ ﷺ کی قائم کردہ صفہ کی درسگاہ نے دنیا کو نئے علوم دیئے، ان میں تفسیر، حدیث، علم رجال، علمِ فقہ، فلسفہ اور تاریخ وغیرہ شامل ہیں۔

آپ ﷺ نے غیر ملکی زبانیں سیکھنے کا بھی حکم فرمایا۔ زید بن انصاری دربار رسالت کے میر منشی تھے۔ انہوں نے آپ ﷺ کے حکم سے عبرانی، رومی اور دیگر زبانیں سیکھیں تاکہ دوسرے ملکوں کے بادشاہوں کی جانب سے جو خطوط موصول ہوں ان کے جواب دیئے جاسکیں۔ (۲)

حضور ﷺ نے مختلف فنون کے سیکھنے کا بھی حکم دیا۔ آپ ﷺ کے دور میں قرآن وحدیث ،فقہ، ریاضی، طب، غیر ملکی زبانوں کے ساتھ ساتھ تیراکی، گھڑسواری، شتر دوڑ، نشانہ بازی وغیرہ جیسے فنون سیکھنے پر زور دیا گیا۔

علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

"اللہ تعالٰی نے انسان سے بڑھ کر کوئی چیز خوبصورت پیدا نہیں کی اللہ تعالٰی نے انسان کو پیدا کر کے ان عظیم صفات سے متصف فرمایا اسے عالم قادر، صاحب ارادہ، معلم اور صاحب بصیرت بنایا"۔ (۳)

علم کے دیگر شعبوں پر سیرت نویسی کے اثرات

آنحضور ﷺ کی سیرت نویسی کی بدولت صرف تعلیم ہی عام نہ ہوئی، بلکہ صفہ کی درس گاہ سے جو علم کا چشمہ نکلا، وہ پوری دنیا میں پھیل گیا۔ غیر مسلم بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہے۔ دسویں صدی عیسوی میں اندلس میں عربوں کے قیام کی بدولت کم سے کم یورپ کے ایک گوشہ میں علم وادب کا چرچہ باقی رہا۔ اس زمانہ میں اسلامی مشرق اور اندلس کے سوا کوئی مقام ایسا نہ تھا، جہاں علم حاصل نہ کیا جاسکتا ہو۔ حتی کہ تقریباً چھ صدیوں تک یورپ کی تعلیم کا دارومدار عربوں کی ترجمہ شدہ کتابوں پر رہا۔ یورپ کی درس گاہوں پر عربی علوم کا اس قدر تسلط تھا کہ

---

(۱) ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، شیخ بشیر اینڈ سنز اردو بازار، لاہور ۱۹۹۰ء، ۲/ ۲۷۰

(۲) خالد رشید، نبی اکرم ﷺ کا طریق تربیت، فہد پبلشرز اردو بازار، لاہور، ۱۹۹۷ء، ص:۲۱۷

(۳) القرطبی، محمد بن احمد، جامع احکام القرآن، مطبع مصر، ۱۳۴۷ھ، ۲/ ۲۹۰

فلسفہ میں بھی جس پر عربوں نے زیادہ توجہ نہیں دی تھی، انہی کی تصانیف پر دارومدار تھا۔ اس امر کا اعتراف یورپی مصنفین نے کیا ہے۔ ایک یورپی مصنف لکھتا ہے۔ اس امر کا اعتراف کرنا چاہیے کہ طبعیات ہو یا علم نجوم، ریاضی ہو یا علم کیمیا، غرض تمام علوم جو دسویں عیسویں صدی تک یورپ میں پھیلے عرب علماء نے حاصل کیے۔ مسلمانوں کے تہذیبی کارنامے اسی طرح جدید مغربی تہذیب کے تمام علمی کارنامے اور سائنسی کمالات نبی اکرم ﷺ کی دی ہوئی تعلیمات کا اثر ہیں۔ بلکہ یورپ کے علمی کارنامے آپ ﷺ کی رحمت کا کرشمہ ہیں۔[۱]

سیرت نویسی کے سماجی اثرات

آپ ﷺ کی سیرت کے سماجی اثرات بھی بے شمار ہیں۔ آپ ﷺ کے اقوال و ارشادات اور عملی سیرت کی وجہ سے انسانیت کو غلامی سے نجات ملی۔ نسلی، لسانی اور طبقاتی امتیازات کا خاتمہ ہوا۔ آپ ﷺ نے تمام انسانیت کو انسان ہونے کے اعتبار سے برابر حقوق دیے اور تمام بنی آدم کو ایک ہی اصل کی شاخیں قرار دیا۔

آپ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا:

((اَيُّهَاالنَّاسُ اِنَّ رَبَّكُمْ وَاحِدٌ وَّاِنَّ اَبَاكُمْ وَاحِدٌ كُلُّكُمْ لِاٰدَمَ وَاٰدَمُ مِنْ تُرَابٍ وَاِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَاللهِ اَتْقٰكُمْ لَيْسَ لِعَرَبِيِّهٖ فَضْلٌ عَلٰى عَجَمِيِّهٖ وَلَا لِاَحْمَرَ عَلٰى اَسْوَدَ وَلَا لِاَسْوَدَ عَلٰى اَحْمَرَ اِلَّا بِالتَّقْوٰى))[۲]

ترجمہ: اے لوگو بے شک تمہارا رب ایک ہے اور تمہارا باپ ایک ہے تم سب آدم علیہ السلام کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے پیدا ہوئے۔ تم میں سے اللہ کے ہاں زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں زیادہ پرہیز گار ہے کسی عربی کو عجمی پر کسی گورے کو کالے پر اور کسی کالے کو گورے پر سوائے تقویٰ کے کوئی فضیلت حاصل نہیں۔

انسانی مساوات پر اس سے زیادہ واضح بیان انسانیت کی پوری تاریخ میں نہیں ملتا۔ ہم نسل انسانی کی مساوات پر صرف آپ ﷺ کے ارشادات ہی نہیں پاتے، بلکہ آپ ﷺ کی عملی زندگی میں اس کی ہزاروں مثالیں دیکھتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فتح مکہ کے موقع پر جو خطبہ دیا، اس میں فرمایا: اللہ نے تمہارے جاہلیت کے غرور اور خاندانی افتخار کو ختم کر دیا ہے تم سب آدم کی اولاد ہو آدم مٹی سے پیدا ہوئے۔[۳] اسی تعلیم کا نتیجہ تھا کہ بلال حبشی رضی اللہ عنہ، صہیب رومی رضی اللہ عنہ اور سلیمان فارسی رضی اللہ عنہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں ممتاز مقام رکھتے تھے۔ کسی شخص کو اس لیے افضل نہیں سمجھا جاتا تھا

---

(۱) موریشین، مسلمانوں کے تہذیبی کارنامے مترجم، غلام رسول، لاہور ۱۹۷۹ء، ص: ۱۹۰

(۲) البخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری، علم و عرفان پبلشر لاہور، ۱۹۸۰ء، ۲ / ۴۱۷

(۳) صحیح بخاری، ص: ۴۱۸

کہ فلاں خاندان یا قبیلے یا علاقے کا ہے۔ آپ ﷺ کی سیرت نویسی کے اثرات کی بدولت دنیا حقوق سے آشنا ہوئی اور اس بات کا احساس پختہ ہوا کہ تمام انسان "عالمگیر برادری" کے افراد ہیں اور بحیثیت انسان بھائی بھائی ہیں۔ لہٰذا نسل انسانی کی وحدت، مساوات اور برابری کا یہ سنہری اصول اسوہ رسول ﷺ سے ہی ملا ہے اور اس سنہری اصول نے تمام انسانی معاشروں پر گہرے اثرات مرتب کیے ہیں۔

فکری اثرات

نبی اکرم ﷺ کی سیرت فرد واحد کی سیرت نہیں بلکہ تاریخ عالم کی مثالی شخصیت کی سیرت ہے۔ آدم علیہ السلام سے خاتم النبیین تک ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کرام کی سیرتوں کا نچوڑ ہے۔ دوجہانوں کے سردار اور رحمت اللعالمین کی سیرت ہے۔ایک انسان کی نہیں بلکہ عالم انسانیت کے محسن کی سیرت ہے۔ آپ ﷺ کی سیرت کا ہی اثر ہے کہ مشرق و مغرب میں آپ ﷺ کے ماننے والے موجود ہیں۔ امت مسلمہ کو آپ ﷺ ہی کی وجہ سے وسط امت اور خیر امت کہا گیا ہے۔ امت مسلمہ کے علمائے کرام آپ ﷺ کا پیغام جگہ جگہ پہنچاتے ہیں۔ توحید کا درس دیتے ہیں اور شرک کی نفی کرتے ہیں۔ آپ ﷺ کے اسوہ حسنہ اور سنت کی پیروی کی تلقین کرتے ہیں۔ آپ ﷺ کے پیروکار اور فرمانبردار مکروہات، منکرات اور فواحش سے منع کرتے رہے ہیں اور کرتے رہیں گے۔ بلاشبہ اسی وجہ سے آپ ﷺ کی سیرت پر چلنے والوں نے دنیا کی تاریخ بدل ڈالی۔ جاہل تو تھے، لیکن آپ ﷺ کی شخصیت کے انوار سے اکتساب کرتے ہوئے ظلمت کدہ کائنات میں ہدایت کے چراغ روشن کر گئے۔ اجڈ اور بے بہرہ تھے پاکیزہ، تہذیب و تمدن کے بانی بن گئے۔ جہانگیری اور جہاں بانی کا اچھوتا تصور دنیا کے سامنے رکھ دیا۔ آپ ﷺ کی پاکیزہ سیرت کی اشاعت کا اثر یہ ہوا کہ دنیا کے دیگر مذاہب کے لوگوں نے اسلام کے دیرپا اثرات قبول کیے۔ یہ آپ ﷺ ہی کی ذات کا احسان ہے کہ ہندوستان میں تعلیم توحید کے اثر سے "برہمو سماج" کی تحریک چلی جس میں توحید کا پرچار کیا گیا۔[۱] تفکر فی الخلق کے سبب انسان میں تسخیر کائنات کا جذبہ پیدا ہوا۔ جدید علوم وفنون بھی اسلامی تعلیمات کی بازگشت ہے۔ شرف انسانیت، مساوات حریت فکر کی اسلامی تعلیمات نے عیسائی رہنما مارٹن لوتھر [۲] کو متاثر کیا۔ اس نے اصلاح کلیسا کی تحریک چلائی اور پوپ کی پیشوائی بلکہ خدائی کو چیلنج کیا۔[۳] مختصر یہ کہ سیرت نویسی کے عالمی دنیا پر

---

(۱) حشمت علی، مولانا، تقابل ادیان، العلم پبلی کیشنز پشاور ۱۹۸۲ء، ص: ۱۱۵

(۲) مشہور برطانوی ڈاکٹر مارٹن لوتھر لنگز یونیورسٹی میں انگریزی کے پروفیسر تھے

(۳) تقابل ادیان، ص: ۱۵۵

بے شمار مثبت اثرات مرتب ہوئے اور دنیا اس حقیقت سے آشنا ہوئی کہ عافیت، سکون، خوشحالی اور امن و آمان رحمت للعالمین صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی رحمت کے سائے تلے ہے۔

سیرت نویسی کے فوائد

نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے تئیس سال کے عرصے میں جو فکرانگیز اور پر تاثیر انقلاب برپا کیا، اس کا ایک حیرت انگیز کارنامہ انسان کو اس حقیقت کا احساس دلانا تھا کہ وہ اس زمین پر اللہ کا نائب اور خلیفہ ہے۔ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے انسانیت کو باہمی احترام، بھائی چارے، اخوت اور مساوات کا درس دیا۔ رنگوں کا اختلاف ختم کر دیا، زبانوں کا فرق مٹادیا، نسلی تفاخر کا خاتمہ کر دیا۔ سیرتوں کو صورتوں پر ترجیح دی۔ انسانیت کو دنگا اور فساد، کشت و خون، بے چینی اور افرا تفری سے نکال کر امن و سلامتی، باہم عزت و احترام، خیر خواہی اور خیر سگالی کی راہ پر ڈال دیا۔ جہاں سیرت نویسی کے بے شمار اثرات ہیں، وہاں فوائد بھی ہیں۔ سیرت نویسی کے فوائد درج ذیل ہیں۔

امن کا پیغام

امن ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ دور جدید میں اس کی اہمیت اور بھی زیادہ ہے کیونکہ دنیا کا ہر انسان امن چاہتا ہے اس کے لیے جس طرح روٹی، کپڑا اور مکان ضروری ہے اسی طرح امن و سلامتی بھی ضروری ہے۔ امن و سکون کے بغیر زندگی بد مزہ اور بے کار ہے۔ امن افراد و اقوام کو ذہنی سکون اور خوشحالی سے مالامال کرتا ہے۔ ہمارا دین اسلام امن و سلامتی کا پیغام ہے۔ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا اسوہ حسنہ انسانیت کو امن و سلامتی کا درس دیتا ہے۔ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے جنگ وجدل، قتل و خون، انتہا پسندی اور عدم برداشت کو امن میں بدل دیا۔ "ایام العرب" کا ایک سلسلہ تھا جو خون کی طرح سارے عرب میں پھیلا ہوا تھا۔[۱] عربوں کے دور جاہلیت میں جذبہ انتقام کی حد یہ تھی کہ وہ عرب جو شراب پر جان دیتے تھے، انتقام سے قبل شراب پینا حرام جانتے تھے۔[۲] آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے انسانیت کو دوسروں کی زندگی، جان ومال اور عزت و ناموس کی حفاظت کرنے کی تلقین کی۔ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اس شخص کو بہترین شخص قرار دیا جو دوسروں کو فائدہ اور نفع پہنچانے والا ہو۔ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم رنگ و نسل، ذات و برادری اور قوم قبیلہ کی تخصیص کیے بغیر پوری انسانیت کے لیے رحمت و بھلائی کا درس دیتے رہے۔ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ظلم و ستم کے عادی ان وحشی لوگوں کو انسان بنا کر ان کے اندر رحم و کرم اور حلم و تواضع کی روح پیدا کر دی۔ ان میں محبت کے جذبات پیدا کیے، یہ لوگ جاہل اور وحشی تھے، مگر تھوڑے ہی عرصے میں ان کو حکمرانوں کے اعلیٰ مراتب تک پہنچا دیا۔ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے صرف غور و فکر کرنے کا فرمان

---

(۱) زین العابدین میرا ٹھی، پیغمبر اسلام کا پیغام امن اور سلامتی، نقوش رسول نمبر ۱۹۹۸ء، ۳ / ۴۶۰

(۲) محمود شکری، آلوسی، بلوغ الارب فی احوال العرب، ترجمہ ڈاکٹر احسن مرکزی اردو بازار، لاہور ۱۹۴۷ء، ۳ / ۱۵۲

ہی نہیں دیا بلکہ یہ کہا کہ اس دنیا میں رہو، اسے برتو اور یہ بھی بتایا کہ دنیا میں رہنے کے زریں اصول کیا ہیں، اور یہاں رہ کر ہمیں عزت اور امن کس طرح مل سکتا ہے؟[۱] آپ ﷺ کی سیرت پاک کا ایک پہلو داعی امن ہے۔ سیرت نویسی نویسی کے ذریعے آپ ﷺ کی شخصیت کا یہ پہلو دنیا پر عیاں ہوا۔ آپ ﷺ نے اخلاق کریمانہ سے تائید غیبی کے ساتھ لوگوں کو اخوت و محبت کی لڑی میں پرو دیا۔ جو معاشرہ انتشار وافتراق کا شکار تھا اس میں توحید الٰہی کے رشتہ سے لوگوں کو ایک دوسرے کے ساتھ منسلک کر دیا۔ مدینہ پہنچنے پر آپ ﷺ نے بہترین حکمت عملی سے بہترین سیاسی رہنمائی سرانجام دی۔ ریاست مدینہ کے استحکام کی بہترین مثال یہ ہے کہ ان تمام رسموں کو ختم کرنے کا اعلان کیا جو امن واخوت کو درہم برہم کرنے اور معاشرے میں تباہی پھیلانے کا سبب تھیں۔[۲]

اتحاد واتفاق کی روح

نبی اکرم ﷺ کی تعلیمات اور آپ ﷺ کی سیرت نویسی کا اہم فائدہ یہ ہوا کہ مسلمان روئے زمین پر پھیل گئے۔ اسلام دنیا کا دوسرا بڑا مذہب بن گیا۔ مسلمان رنگ ونسل زبان، خاندان اور علاقے کے اختلاف کے باوجود متحد امت بن گئے۔ آپ ﷺ کے زمانے میں امت مسلمہ کا اتحاد ایک عظیم نعمت ثابت ہوا اور مسلمان دنیا پر چھا گئے۔ اس میں شک نہیں کہ چودھویں صدی میں زوال کے سائے گہرے ہوئے مگر پندرہویں صدی جملہ قرائن سے امید افزا صدی ہے۔ اس امر کی اشد ضرورت ہے کہ مسلمان اپنے روحانی رشتوں کو اتحاد کی اساس قرار دیں اور اس رشتہ کے تابع رہ کر سیرت مصطفی کی پیروی میں لگ جائیں اور ایک دوسرے کے لیے ہدایت کا چراغ بن کر گردو پیش کے ماحول کو روشن کر دیں۔[۳] امت مسلمہ کو اس وقت جس باہمی قوت کی ضرورت ہے وہ آپس کا اتحاد واتفاق ہے یہ درس سیرت طیبہ ﷺ سے ہی مل سکتا ہے۔ آپ ﷺ نے جب مدینہ کی اسلامی ریاست کو تشکیل دیا تو ”ان اباکم واحد“ کے اصول پر ترتیب دیا۔ امت مسلمہ آپ ﷺ کی سیرت سے وابستہ رہے گی تو اپنا مقام اور وقار حاصل کر سکے گی۔ سیرت سے وابستہ رہ کر امت مسلمہ کا کوئی فرد اکیلا اور اجنبی نہیں رہ سکتا بلکہ عالمگیر برادری کا حصہ بن جائے گا۔

بقول اقبال:

فرد قائم ربط ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں ۔۔۔ موج ہے دریا میں اور بیرون دریا کچھ نہیں۔[۴]

---

(۱) پنڈت گوپال کرشن، اڈیٹر مہابھارت سماچار بمبئی مقالہ مہابرش محمد ۱۹۶۶ء، ص: ۱۶۵

(۲) حافظ ثانی، ڈاکٹر، نبی اکرم ﷺ کی رواداری، فضلی سنز کراچی، ۱۹۸۱ء، ص: ۷۰

(۳) محمد عبداللہ، عصر حاضر کے نام سیرت نبی ﷺ کا پیغام، ماہنامہ فکر و نظر لاہور اگست ۱۹۸۱ء، ص:۷

(۴) علامہ اقبال، کلیات اقبال، شیخ بشیر اینڈ سنز اردو بازار لاہور ۱۹۷۶ء، ص: ۵۷۰

اسلام کی اشاعت

سیرت نویسی کی وجہ سے اسلام نہ صرف امریکہ میں بلکہ پورے عالم میں تیز رفتاری سے بڑھنے والا دین بنتا جارہاہے۔ امریکہ کے ایک ادارے "مڈل ایسٹ میڈیا اینڈ ریسرچ انسٹی ٹیوٹ" کی رپورٹ کے مطابق اا ستمبر ۲۰۰۱ء کے بعد صرف تین مہینوں میں تینتالیس ہزار امریکی شہریوں نے اسلام قبول کرلیا۔ [۱]

کونسل فار امریکن اسلامک ریلیشنز (CAIR) کے عرب افیئرز کے ڈائریکٹر البیومی نے لندن کے ایک روزنامہ "الحیاۃ"۔ کو دیئے اپنے ایک انٹرویو میں بتایا کہ "غیر مسلم امریکن اب اسلام کے بارے میں جاننے کے لیے بے چین ہیں"۔ [۲] دنیا کا کوئی کونہ ایسا نہیں ہے کہ جہاں اس کا پیغام سرایت نہ کررہاہو۔ اسلام پر فاشزم کا لیبل لگانے کی کوشش بھی باطل کی تمام تر کوششوں کی طرح سعی نامشکور ثابت ہوگی۔ جیسے ابو جہل کے منفی پروپیگنڈے کا الٹا اثر ہوا کہ لوگ بڑے شوق سے پیغمبر اسلام ﷺ، ان کی تعلیمات، قرآن مجید کو جاننے کی کوشش کرتے تو متاثر ہوکر بہ رضاورغبت اسلام قبول کرلیتے۔ [۳]

اسلام آج بھی نہ صرف امریکہ میں بلکہ پورے عالم میں تیز رفتاری کے ساتھ بڑھنے والا دین بنتا جارہاہے۔

> The second largest religion in the world after Christianity, Islam is also the fastest growing religion. In the United States, for example more than 1,200 mosques have been built in the past 12 years.[4]

ترجمہ: اسلام دنیا میں عیسائیت کے بعد دوسرا بڑا مذہب ہے۔ یہ امریکہ میں بھی سب سے تیزی سے پھیلنے والا مذہب ہے۔ مثال کے طور پر پچھلے بارہ سال میں بارہ سوسے زیادہ مساجد تعمیر کی گئیں۔

مشہور ومعروف امریکی میگزین میں ہیلری کلنٹن اسلام کے حوالے اس طرح رقم طراز ہے کہ:

> “Islam is the fastest growing religion in America, a guide and pillar of stability for many of our people”[5]

ترجمہ: اسلام امریکہ میں تیزی سے پھیلنے والا مذہب ہے۔ یہ ہمارے بہت سے لوگوں کے لیے استحکام اور رہنمائی کا ستون ہے۔

---

(1) American Middle East Media and Research Institute Report 2001. P 318

(۲) شکیل رشید، یورپ اور امریکہ میں اسلام تیزی سے پھیلنے والا مذہب بن گیا، حیدرآباد دکن، روزنامہ مصنف، ۲۹ ستمبر ۲۰۰۶ء

(۳) یورپ اور امریکہ میں اسلام تیزی سے پھیلنے والا مذہب، ص: ۳۲۰

(4) Encyclopedia of Religion and Ethics New York 1988 p: 16

(5) Hillary Roadman Clinton/Los Angeles Press 1994, P: 6.

نبی اکرم ﷺ کی سیرت نویسی کا فائدہ یہ ہوا کہ آپ ﷺ کے تئیس سالہ حیرت انگیز انقلاب اور اس کے ہمہ گیر اثرات نے ان لوگوں کو بھی انگشت بدنداں کر دیا۔ جو آنحضرت ﷺ کی ذات اور آپ ﷺ کے مشن کے سخت مخالف رہے۔ یہ آپ ﷺ کی تعلیم و تربیت کا حیرت انگیز کرشمہ تھا کہ تئیس سال کی مختصر مدت میں صحرائے عرب کے جو وحشی علم و معرفت اور تہذیب و تمدن سے بالکل کورے تھے وہ پوری دنیا میں علم و حکمت اور تہذیب و شائستگی کے چراغ روشن کرتے ہیں جو لوگ کل تک ایک دوسرے کے خون سے اپنی پیاس بجھا رہے تھے وہ آپس میں بھائی بھائی بن جاتے ہیں۔[1]

رواداری کا فروغ

سید المرسلین، رحمت اللعالمین، خاتم النبیین ﷺ کی پوری حیات مقدسہ اور سیرت طیبہ عفوو درگزر، رحمت و رافت اور مثالی مذہبی رواداری سے عبارت ہے۔ آپ ﷺ انسانیت کے محسن اعظم، رحمت مجسم ہیں، آپ ﷺ نے غیر مسلم اقوام اور اقلیتوں کے لیے مراعات اور آزادی پر مبنی ہدایات دیں اور عملی اقدامات تاریخ انسانی کے اس تاریک دور میں ادا فرمائے کہ جب لوگ مذہبی رواداری سے ناآشنا تھے۔[2] آپ ﷺ کی سیرت کا اثر یہ ہوا کہ جزیرہ عرب میں علم کے پیاسوں اور عمل کے شیدائیوں کی ایک ایسی جماعت تیار ہوئی جس نے دیکھتے ہی دیکھتے سارے عالم میں ایک انقلاب بپا کر دیا۔[3] مخالفین اسلام دین اسلام کے خلاف یہ پراپیگنڈہ کرتے رہے کہ یہ دین تلوار کے زور سے پھیلا لیکن حقیقت میں دین اسلام نبی اکرم ﷺ کی اس خوبصورت حکمت عملی کی وجہ سے پھیلا جو رواداری، عدل وانصاف اور غیر مسلموں کے ساتھ اچھے روابط پر مبنی تھی۔

انگریز مورخ A.S. Tritton اپنی کتاب میں لکھتا ہے:

"The picture of the Muslim soldier advancing with a sword in one hand and the Quran in the other is quite false."[4]

ترجمہ: مسلمان سپاہی کی یہ تصویر کہ ایک ہاتھ میں قرآن اور دوسرے میں تلوار لیے بڑھ رہا ہے بالکل غلط ہے۔

مسلمان کی تلوار اور کافر کی شمشیر میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ کافر کی جنگ کا مقصد فرد، گروہ یا قوم کی ہوس ملک گیری، جذبہ برتری یا معاشی غلبے کے جذبے کی تسکین ہوتا ہے، اس مقصد کے حصول کے لیے وہ ہر ممکن

---

(۱) عثمانی، تقی، حضور ﷺ کا انداز تعلیمات وتربیت اور اس کے انقلابی اثرات، کراچی ماہنامہ البلاغ، مئی ۲۰۰۳ء، ص: ۱۵

(۲) نبی اکرم ﷺ کی رواداری، فضلی سنز، کراچی ۱۹۹۱ء، ص: ۷۱

(۳) محمد اسماعیل، سید، رسول عربی ﷺ اور عصر جدید لاہور احمد پبلی کیشنز، ۲۰۰۳ء، ص: ۱۷۳

(4) A.S. Triiton/Islam, London 1951 p.21.

ظلم، دہشت گردی اور سفاکی سے کام لیتا ہے اور کامیاب ہو جانے کی صورت میں مفتوحین کی جان و مال اور عزت و آبرو، ہر چیز کو غارت کر دیتا ہے۔[۱]

اس میں شک نہیں کہ نبی اکرم ﷺ کی سیرت کا یہ اثر ہوا کہ مسلمانوں نے اسپین پر تقریباً آٹھ سو سال حکومت کی لیکن مذہب کے معاملے میں کسی کے ساتھ سختی اور جبر سے کام نہیں لیا لیکن جب عیسایوں نے اسپین پر قبضہ کیا تو مسلمانوں کو باہر نکال دیا گیا اور مسلمانوں کو اسپین میں اذان تک دینے کی اجازت نہ تھی۔ یہ حقیقت اپنی جگہ ہے کہ مسلمان پورے عرب پر چودہ سو سال سے حکمران ہیں اور نبی اکرم ﷺ کی سیرت کے اثر سے کسی مسلمان نے تلوار نہیں اٹھائی۔

ڈاکٹر ذاکر نائیک کے مطابق ہندوستان پر بھی مسلمانوں نے ایک ہزار سال تک حکومت کی۔ آج ہندوستان کی آبادی کا ۸۰ فیصد سے زائد حصہ غیر مسلموں پر مشتمل ہے۔ ہندوستان میں غیر مسلموں کی اتنی بڑی اکثریت خود اپنی زبان سے گواہی دے رہی ہے کہ برصغیر میں اسلام طاقت کے زور سے ہرگز نہیں پھیلا۔[۲] نامور مورخ و محقق پروفیسر ٹی ڈبلیو آرنلڈ اپنی تصنیف "دعوت اسلام" میں تحریر کرتے ہیں کہ پہلی صدی ہجری کے مسلمان فاتحین نے عیسائیوں سے جس رواداری کا مظاہرہ کیا اور جس کا سلسلہ ان کے بعد آنے والی نسلوں نے بھی جاری رکھا ان کو دیکھتے ہوئے ہم وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ جن عیسائی قبائل نے اسلام قبول کیا، انہوں نے برضا و رغبت ایسا کیا۔[۳]

عدل و مساوات

دین اسلام عدل و مساوات کا علمبردار ہے۔ کیونکہ عدل ایمان کی جان اور عمل کی روح ہے۔

قوموں کے استحکام کا دارومدار عدل پر ہے۔ جو معاشرہ عدل و انصاف کی روح سے محروم ہو جائے وہ زیادہ دیر قائم نہیں رہ سکتا۔ اسی لیے قرآن پاک نے عدل و انصاف کا حکم دیا ہے۔

﴿وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ﴾[۴]

ترجمہ: اور لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف سے فیصلہ کرو۔

---

(۱) ہاشمی، حسن دین، اسلامیات، کراچی رشید اینڈ سنز ۱۹۹۶ء، ص: ۶۳

(۲) نائیک، ذاکر، مترجم سید امتیاز، مذاہب عالم میں تصور خدا لاہور، دارالندوہ، ۲۰۰۵ء، ص:۷۷

(3) T.W. Arnold, Preaching of Islam, London 1913 p: 51

(۴) سورۃ النساء، ۴/ ۵۸

اسلام رنگ و نسل، ذات و برادری اور خاندان و قبیلہ کی وجہ سے کسی کو برتر اور کسی کو کمتر نہیں سمجھتا، بلکہ بنی آدم ہونے کے ناطے سب کے ساتھ یکساں سلوک کا خواہاں ہے۔ کسی امیر کو اجازت نہیں دیتا کہ وہ غریب کے ساتھ ظلم کرے اور نہ کسی کو یہ اجازت دیتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو بڑا خیال کرے اور دوسروں پر ترجیح دے۔ آپ ﷺ نے ایسا معاشرہ قائم کیا جہاں مظلوم کی دادرسی ہوتی تھی۔ جہاں حق دار کو حق دیا جاتا تھا۔ جہاں ظالم کے خلاف آواز بلند کرنا افضل جہاد کہلاتا تھا۔ جہاں باتیں ہوتیں تو انصاف کی ہوتی تھیں اور جہاں فیصلے ہوتے تو عدل کے ہوتے تھے۔ آپ ﷺ نے عدل کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرمایا

((سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمْ اللَّهُ فِي ظِلِّهِ يَوْمَ لا ظِلَّ إِلا ظِلُّهُ : الإِمَامُ الْعَادِلُ)) (۱)

ترجمہ: قیامت کے دن جب خدا کے علاوہ کوئی سایہ نہیں ہوگا۔ اللہ سات اشخاص کو اپنے سایہ رحمت میں رکھے گا۔ ان میں ایک امام عادل ہوگا۔

آپ ﷺ کی سیرت کو سامنے رکھتے ہوئے خلفائے راشدین نے بھی اپنے اپنے دور میں عدل وانصاف کے اعلیٰ معیار کو مدِ نظر رکھا، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اپنی حکومت کا بنیادی مقصد بیان کرتے ہوئے فرمایا:

" والضعيف فيكم قوي عندي حتى أريح عليه حقه إن شاء الله، والقوى فيكم ضعيف حتى آخذ الحق منه إن شاء الله" (۲)

ترجمہ: تمہارے کمزور میرے نزدیک اُس وقت تک طاقت ور ہیں، جب تک میں ان کا غصب شدہ حق واپس نہ دلادوں اور تمہارے زبردست لوگ میرے نزدیک اُس وقت تک کمزور ہیں جب تک میں ان سے ان پر واجب شدہ حق نہ لے لوں

سیرت نویسی کے فیض کا اثر یہ ہوا کہ بعد کے معاشروں میں عدل وانصاف کی روح قائم ہوئی، آج بھی جہاں جہاں عدل وانصاف ہے وہ آپ ﷺ کی سیرت اور آپ ﷺ کی تعلیمات کی وجہ سے ہے۔

خلاصہ بحث

بحیثیت مسلمان ہمیں نبی اکرم ﷺ کی تعلیمات اور سیرت اور کارناموں کو سامنے رکھنا چاہیے، اس لئے کہ ہماری کامیابی کا راز آپ ﷺ کی تعلیمات اور سیرت پر عمل کرنے ہی میں ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے اپنی حیات پاک کے ذریعے زندگی بسر کرنے کا جو طریقہ انسانیت کو بتایا ہے، وہ قابل عمل، قابل مثال اور تابندہ ہے آپ ﷺ

(۱) صحیح بخاری، کتاب العدل، حدیث: ۲۳۰۰

(۲) ابن سعد، طبقات ابن سعد، ترجمہ مولانا راغب اصفہانی، نفیس اکیڈمی کراچی س،ن، ص:۳۸٦

نے ہر شعبہ حیات کے لیے جامع، مکمل اور روشن ہدایات چھوڑی ہیں۔ آپ ﷺ کی سیرت پڑھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کی سیرت ہر مزاج، ہر طبیعت، ہر گروہ اور ہر طبقے کے لیے نمونہ عمل ہے۔ عبادت ہو یا معاشرت، معیشت ہو یا ثقافت، سیاست ہو یا تمدن آپ ﷺ کی سیرت پاک سے واضح رہنمائی مل سکتی ہے۔ آپ ﷺ کی سیرت ساوات، عدل، درگزر، رواداری، برداشت، تحمل، صبر اور خدمت خلق کا درس دیتی ہے۔

اگر ہم اسلام کی نشت ثانیہ اور امت مسلمہ کی بقاء کے لیے نبی اکرم ﷺ کی سیرت سے وابستہ ہو جائیں، تو ہم دنیا کی طاقت ور مضبوط اور باصلاحیت قوم بن سکتے ہیں۔ سیرت طیبہ میں ہمارے تمام مسائل کا حل اور تمام معاملات کو حل کرنے کا ایک بہترین نمونہ موجود ہے۔ نبی اکرم ﷺ کی سیرت، آپ ﷺ کے پیغام کو فراموش کرکے امت مسلمہ نے بڑے نقصان اٹھائے ہیں۔ آج دنیا میں پچاس سے زیادہ اسلامی ریاستیں موجود ہیں لیکن قرآن وسنت کی تعلیمات اور آپ ﷺ کی سیرت پر عمل پیرانہ ہونے کی وجہ سے شیطانی تثلیث کے سامنے بے بس ہیں۔

آج ضرورت اس امر کی ہے کہ ہر مسلمان حقیقی معنوں میں سیرت مصطفی ﷺ کی پیروی میں لگ جائے اور آپ ﷺ کے پیش کردہ نظام کو عملی زندگی میں نافذ کرے۔ آپ ﷺ کے پاکیزہ اخلاق کو اپنائے اور رہنمائی کا ایسا نمونہ بننے کی کوشش کرے کہ وہ جہاں بھی جائے اس کے اعلیٰ اخلاق اور پاکیزہ عمل سے اس کے گرد وپیش کا ماحول روشن ہو جائے۔ اس کے لباس، اس کی خوراک، اس کی رہن سہن، بودوباش، چال ڈھال اور معاملات میں سیرت رسول ﷺ کی پیروی نظر آئے۔

تورات وانجیل کی بشارتیں اوررسولِ اکرم ﷺ

Predictions of Torah & Gospel about Prophet Muhammad (S.A.W)

ڈاکٹرنورحیات خان*

ABSTRACT

People, who believed on Torah & Gospel, believed that a prophet of mercy will descend with clear signs of prophet-hood. He will lead the world and guide them to the righteous path and will disclose the changes in Gospel. They also believed that the Prophet Muhammad (S.A.W) will reveal the prophet-hood of Jesus and confirm that Jesus is a man of Allah with bestowed miracles.

According to this prediction, who can be the last prophet of Allah other than Muhammad (S.A.W)? Even the world knows that the complete code of life after Moses was given only to the last Prophet Muhammad (S.A.W). There is no doubt that the Christians have made changes in this forecast and tried to mix up the correct information with false one, but still the Good news are not fixing to anyone other than Muhammad (S.A.W). The Gospel of Barnabas clarifies that the last prophet will be from Ismā'IL's tribe not in Izhaq's tribe, but the change in this prediction is a clear interruption of Priests in the Bible. The Gospel of Murqus also emphasizes that Jesus was a prophet of Allah and came to prepare the ground for the last Prophet Muhammad (S.A.W).

Prophet-Hood is one of the critical issues which Islam has particularly emphasized and given high prestige and status to such a degree that a person cannot enter in Islam or remain a Muslim without it.

This article provides information regarding good news about the last Prophet of Allah, through Old & New Testaments, justified by Holy Qur'ān. It also explains the status of Jesus Christ among the human beings as a prophet.

Keywords: *Old & New Testaments, interruption, Priests, forecasts, realized, believers.*

---

* اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علومِ اسلامیہ نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگو یجز اسلام آباد

حضرت موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کے دور سے لے کر حضرت محمد ﷺ کے مبعوث کیے جانے تک لوگ نبی آخر الزمان کے آنے کے منتظر تھے، اور تورات وانجیل کو الہامی کتابیں ماننے والے ان کی پیشن گوئیوں اور بشارتوں کو سچ مانتے ہی تھے، لیکن نہ ماننے والوں پر بھی ان کے بشارتوں کے اثرات تھے اور ایک آنے والے نبی کے وہ بھی منتظر تھے، جو یحییٰ تھے اور نہ عیسیٰ علیہ السلام ،البتہ ان میں وہ تمام علامات تھیں جن کے بارے میں بتایا جاچکا تھا۔

ان پیشن گوئیوں کی رُو سے ان آنے والے نبی کے خدو خال، مقام و مرتبہ، اخلاق و کردار، اعلیٰ و ارفع خصائل، عزم و ہمت، تعلیم و تربیت، منصبِ نبوت ورسالت کی تکمیل میں اپنے پیش رووں کے ساتھ کمال درجہ توافق اور ان کے ساتھیوں کی کمال درجہ پر خلوص مصاحبت نے ان کو تمام انبیاء سے ممتاز بنادیا تھا۔ اس مختصر مقالے میں ان تمام پیش گوئیوں کا احاطہ ممکن نہیں، تاہم موضوع کے مختلف پہلوؤں کو واضح کرنے کے لیے چند اہم بشارتیں درج کرنے کی ممکن حد تک کوشش کی گئی ہے۔

حضرت محمد ﷺ کے بارے میں تورات کی بشارتیں

بائبل عہد نامہ قدیم میں تحریف کے باوجود نبی آخر الزمان حضرت محمد ﷺ کی آمد کی بشارتیں موجود ہیں۔ ان میں یہ بتایا گیا ہے کہ جب آپ ﷺ تشریف لائیں گے تو تم اس کی سمع وطاعت اختیار کرنا۔ مثلاً: کتاب استثناء میں مذکور ہے:

" خداوند تیرا خدا تیرے ہی درمیان سے یعنی تیرے ہی بھائیوں سے میری مانند ایک نبی برپا کرے گا، تم اس کی سننا" (۱)

پھر موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالی سے آخری نبی کے مبعوث کیے جانے کی استدعا کی، تو اللہ تعالی نے فرمایا:

" اور خداوند نے مجھے کہا کہ وہ جو کچھ کہتے ہیں سو ٹھیک کہتے ہیں، میں ان کے لئے ان ہی کے بھائیوں میں تیری مانند ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اسے حکم دوں گا وہی وہ ان سے کہے گا اور جو کوئی میری ان باتوں کو جن کو وہ میرا نام لے کر کہے گا نہ سنے تو میں ان کا حساب اس سے لوں گا" (۲)

---

(۱) بائبل، (پاکستان بائبل سوسائٹی، انار کلی لاہور، ۲۰۰۷ء) استثناء:۱۸:۱۵

(۲) ایضاً:۱۸:۱۸تا۱۹، قرآن مجید میں وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَى إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَى، سورۃ النجم:۳-۴ سے اس کی طرف اشارہ ہے۔

یہ پیشگوئی حضرت محمد ﷺ کے علاوہ کسی اور نبی پر صادق نہیں آتی، یہی وجہ ہے کہ اس کی تطبیق کے بارے میں ایک عرب سکالر (بسّام داود عجک) لکھتاہے:

" اذا كانت هذه الكلمات لا تنطبق على النبى محمدﷺ فانها تبقى غير متحققة ولا فائدة ، فالمسيح نفسه لم يدع ابداً أنه النبى المشار إليه وحتىٰ حواريه كانوا على نفس الرأى"(۱)

ترجمہ: "اگر بشارت کے یہ کلمات نبی حضرت محمد ﷺ پر منطبق نہ ہوں تو یہ غیر محقق اور بے فائدہ رہ جاتے ہیں اور مسیح نے بھی کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا تھا کہ جس کی طرف اشارہ کیا گیاہے وہ میں ہوں اور اسی طرح یہی رائے آپ ﷺ کے حواری بھی رکھتے تھے"۔

جبکہ امام ابن قیم اور سید مودودی وغیرہ نے سابقہ بشارت کے جملے "تیرے بھائیوں میں سے" یہ نکتہ نکالا ہے کہ ان سے مراد بنی اسرائیل کے بھائی بنی اسماعیل میں سے اس نبی کو برپا کرنے اور موسیٰ علیہ السلام کی مانند شریعت کا حامل ہونے کی استدعاہے کیونکہ بنی اسرائیل میں جتنے بھی نبی آئے تھے، وہ شریعت موسوی کے پیرو تھے۔ کوئی مستقل شریعت لے کر نہیں آیا تھا۔ جبکہ موسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالی نے یہ وعدہ کیا تھا:

" میں اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اسے حکم دوں گا وہ ان سے وہی کہے گا۔"

وہ ایک مستقل شریعت کے حامل ہوں گے جن کے منہ پر اللہ تعالی اپنا کلام جاری فرمائے گا، جو اسے خلق خدا کو سنائے گا۔ اس تصریح کے بعد کیا اس امر میں شک کی کوئی گنجائش رہ جاتی ہے کہ حضرت محمد ﷺ کے سوا اس پیشگوئی کا مصداق کوئی اور ہو سکتا ہو دوسرا یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد مستقل شریعت صرف آپ ﷺ ہی کو دی گئی ہے(۲) جو ایک مکمل ضابطہ حیات، نہایت روشن اور چمکتے ہوئے سورج کی مانند ہے جس کی تائید تورات کی دوسری پشینگوئی سے یوں ہوتی ہے:

"جاء الرب من سيناء ، وأشرق لهم من سعير، وتلألأ من جبل فاران ، و أتىٰ من ربوات القدس وعن يمينه نار شريعة لهم"(۳)

---

(۱) عجک، بسّام داود، دکتور، الحوار الاسلامی المسیحی، دار قتیبۃ، ۱۹۹۸ء۔ ص: ۳۵۰

(۲) ابن قیم الجوزیہ، شمس الدین أبو عبداللہ محمد بن أبی بکر، ھدیۃ الحیاری فی أجوبۃ الیھود والنصاریٰ، دار العلم الشامیۃ، جدہ السعودیۃ، ط:۱۹۹۶ء ص: ۱۲۰

(۲) مودودی، ابوالاعلیٰ، (سید)، سیرت سرور عالم، ادارہ ترجمان القرآن: لاہور، ۱۹۹۹ء، ۱/۶۷۹

(۳) بائبل دار الکتاب المقدس، الشرق الاوسط، سفر التثنیۃ: ۳۳: ۱ تا ۲

ترجمہ: "وہ قدوس سوئے سینا سے آیا اور طرف ساعیر سے اس کے لئے روشنی لے آیا اور کوہ فاران کی طرف آچمکا اور قدس کی چوٹیوں کی طرف سے آیا اور آپ ﷺ کے دائیں ہاتھ میں ان کے لئے شریعت بیضاء تھا"۔

چونکہ یہ پیشن گوئی نہ صرف شریعت محمدی کی مکمل تائید کرتی ہے، بلکہ فتح مکہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعداد کو بھی بیان کرتی ہے۔ لہٰذا اس میں بعض الفاظ داخل کر کے جبکہ بعض کو نکال کر مدعا کو مخاطب کرنے کی پوری کوشش کی گئی ہے، جیسا کہ دارالکتاب المقدس شرق اوسط کی مذکورہ عربی عبارت میں قدوسیوں (صحابہ کرام) رضی اللہ عنہم اوران کی تعداد کا ذکر نہیں جبکہ انٹرنیشنل بائبل سوسائٹی اردو ورژن کی عبارت میں لفظ "لاتعداد" کا ذکر آیا ہے، ملاحظ ہو:

"خداوند سینا سے آیا، اور سعیر سے ان پر ظاہر ہوا اور کوہ فاران سے جلوہ گر ہوا، وہ جنوب سے اپنی پہاڑی ڈھلانوں میں سے لاتعداد قدسوں کے ساتھ آیا"۔[۱]

اور پاکستان بائبل سوسائٹی لاہور کی اشاعت میں یہ تعداد لاکھوں میں بتائی گئی ہے۔ عبارت ملاحظ ہو:

" خداوند سینا سے آیا اور شعیر سے ان پر آشکارا ہوا اور لاکھوں قدسیوں میں سے آیا"[۲]

تاہم اس تعداد کو ایک پادری[۳] نے اپنی کتاب میں انجیل کے ایک پرانے نسخہ سے یوں نقل کیا ہے:

"وجاء الرب من سيناء، وأشرق لهم من ساعير، و تلألأ قدماً من جبل فاران، وجاء معه عشرة آلاف قديس، ومن يده اليمنىٰ برزت نار شريعة لهم " [۴]

ترجمہ: "خداوند سینا سے آیا اور سعیر سے ان پر آشکارا ہوا، اور جبل فاران کی طرف سے آچمکا اور "دس ہزار" قدوسیوں کے ساتھ آیا اور آپ (ﷺ) کے دائیں ہاتھ میں ان کے لئے شریعت بیضاء تھی"۔

یہ پشینگوئی فتح مکہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعداد کو بیان کرنے کے ساتھ ساتھ سیرت نگارانِ رسول ﷺ کے بیان کردہ تاریخ کے بھی موافقت کرتی ہے۔

مفسر قرآن اور سیرت و تاریخ نگار امام محمد بن جریر طبری لکھتے ہیں:

---

(۱) استثناء:۳۳: ۱تا۲

(۲) استثناء:۳۳: ۱تا۲ (International Bible Society 1820 Jet Stream Drive, USA-2005)

(۳) جس کا نام دافید بنجامین کلدانی ہے اور ویٹکن سے اس نے فلسفہ اور لاہوت میں تخصص کیا اور رومی کیتھولک کلدانی فرقے کا پادری بنا اور ۱۸۹۵ء میں ویٹیکن کی طرف بلاد فارس کے لئے پادری مقرر ہوا، ۱۹۰۰ء میں مزید سٹڈی کے لئے اپنے منصب سے استعفاد دے کر، "محمد کتاب مقدس میں" لکھ کر اپنے اسلام کا اعلان کیا اور عبد الاحد داوٗد نام رکھا۔ (الحوار الاسلامی المسیحی، ص:۳۴۹)

(۴) عبد الاحد داود (سابق قسیس)، محمد فی الکتاب القدس: فھمی سما، دار الضیاء للنشر والتوزیع، قطر، ط:۲، ۱۹۸۵ء، ص:۳۲۔ ان منقولات کو "ھدایۃ الحیاری" میں بھی ملاحظہ کیا جاسکتا ہے، حاشیہ: ۴

"جب فتح مکہ کے لئے حضور ﷺ روانہ ہوئے، تو دس ہزار کا لشکر جرار ہمراہ تھا"[1]

اسی طرح ابن ہشام لکھتے ہیں:

"رسول اللہ ﷺ ۱۰ رمضان المبارک ۸ھ میں دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ مکہ روانہ ہوئے"[2]

ان تصریحات سے اندازہ ہوتا ہے کہ بائبل کی مذکورہ بشارتوں میں واضح تحریف ہوچکی ہے کیونکہ غزل الغزلات جو سلیمان علیہ السلام کی طرف منسوب ہے، میں بھی قدوسیوں (صحابہ کرام) رضی اللہ عنہم کی دس ہزار کی تعداد کا ذکر ہے، جو سیرتِ نبوی تاریخ کے عین مطابق ہے۔ عبارت ملاحظہ ہو:

"میرا محبوب سرخ وسفید ہے وہ دس ہزار میں ممتاز ہے"[3]

تورات کے اس بیان میں نہ صرف یہ کہ فتح مکہ کے وقت دس ہزار لشکر کی تعداد کا تعین ہے، بلکہ آپ ﷺ کے شمائل کا بھی واضح بیان ہے، کہ سردارِ دوجہاں ﷺ سرخ وسفید یعنی گندمی رنگ لیے ہوئے تھے، جس کا واضح تذکرہ کتبِ احادیث اور سیرت وشمائلِ نبوی میں موجود ہے جو محتاجِ بیان نہیں ہے۔

بشارتوں کا نتیجہ

تورات کی ان پیشن گوئیوں سے درج ذیل باتیں سامنے آتی ہیں:

۱. ایک بات یہ معلوم ہوئی کہ بائبل میں جو پیشن گوئیاں کی گئیں ہیں، یہ اگر کسی نبی پر صادق آتی ہی،ں تو وہ نبی آخر الزمان حضرت محمد ﷺ ہی کی ذاتِ بابرکات ہے۔

۲. دوسرا یہ معلوم ہوا کہ انبیاء بنی اسرائیل کا جبل فاران سے کوئی تعلق نہیں رہاہے اور نہ ان میں سے کوئی اس علاقے میں رہ چکاہے، سوائے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ ہاجرہ کے جو عرب کی تاریخ میں مذکور ہے ،اور بائبل (سفر التکوین) اس کی تصدیق بھی کرتی ہے۔ عبارت ملاحظہ ہو:

"فمضت (هاجرة) وتاهت فی برية بئر السبع ونادىٰ ملاك الله هاجر من السماء وقال لها: مالكِ یاهاجر؟ لاتخافی ؛لأن الله قد سمع لصوت الغلام حيث هو، قومی

---

[1] محمد بن جریر طبری، تاریخ طبری، مترجم: الفیصل، ناشران وتاجرانِ کتب، اردو بازار لاہور، ۲۰۰۴ء، ۲/ ۳۲۲، پیر محمد کرم شاہ االازھری: ضیاء النبی، ضیاء القرآن پبلی کیشنز: لاہور، کراچی، ۱۴۱۸ھ، ۴/ ۵۳۰

[2] ابن ہشام، السیرہ النبویہ، تحقیق: مصطفی السقا وغیرہ، مطبعہ مصطفی البابی الحلبی، ۱۹۳۶ء، ص: ۳/ ۶۳، چیمہ، غلام رسول: پروفیسر، مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ، علمی کتب خانہ: لاہور، ۱۹۹۲ء، ص: ۶۱۶، ۶۱۵

[3] (بائبل) غزل الغزلات، باب، ۵، آیات ۱۰ تا ۱۶

واحملی الغلام، وشدی یدكِ به ؛لأن الله قد جعله أمة عظیمة وكان الله مع الغلام فكبر، وسكن فی البریة و كان ینمو رامی قوس، وسكن فی بریة فاران" (۱)

ترجمہ: ہاجرہ دشتِ بئر سبع میں حیران وپریشان جارہی تھی کہ فرشتوں نے اسے آسمان سے آواز دی اور کہا: ہاجرہ ! آپ کو کیا ہوگیا ہے؟ کوئی خوف نہ کریں کیونکہ اللہ نے بچے کی آواز سنی ہے جہاں وہ ہے۔ کھڑی ہو جا اور بچے کو اٹھالیں اور مضبوطی سے اس کو گود میں پکڑ لیں، کیونکہ اللہ اسے ایک عظیم امت بنائے گا۔ اللہ بچے کے ساتھ تھا اور اسی طرح وہ بڑا اور دشتِ فاران میں نیزا اٹھائے ہوئے پرورش پارہا تھا اور دشتِ فاران میں سکونت پذیر رہا۔

۳۔ یہ معلوم ہوا کہ کوہِ فاران سے اگر تعلق رہا ہے، تو حضرت اسماعیل علیہ السلام کا، جن کی نسل سے آخری پیغمبر حضرت محمد ﷺ پیدا ہوئے ہیں۔ جس کا تذکرہ بائبل کتابِ پیدائش میں آتا ہے کہ اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں ایک نام قیدار کا آتا ہے، جو عدنان ہے، جس سے عرب کا شجرِ نسب جا ملتا ہے اور پھر اس سے نبی ﷺ کے خاندان کا تعلق جڑتا ہے اور دشت فاران ان کا مسکن رہا ہے۔ اور یہیں سے بائبل کی وہ پیشین گوئی صحیح بیٹھتی ہے کہ وہ نبی دشت فاران میں ظاہر ہوا، اور دس ہزار قدوسیوں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ مکہ میں داخل ہوا اور شریعت بیضاء ساتھ لے کر فاران کی چوٹیوں سے آیا(۲)۔

اس بات کی مزید تائید (بائبل) کتاب حقوق کے اس بیان سے بھی ہوتی ہے:

" وہ قدوس کوہ فاران سے آیا اس کا جلال آسمان پر چھا گیا اور زمین اس کی حمد سے معمور ہوگئی اور اس کے ہاتھ سے کرنیں نکلتی تھیں" (۳)

جبکہ برناباس کی انجیل میں لکھا ہے کہ وہ نبی اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے ہوگا اور ساتھ ساتھ یہ بھی بتادیا ہے کہ آخری رسول ﷺ کا بنی اسحاق میں آنے کی پیش گوئی بائبل میں ربیوں کی صریح تحریف ہے۔ برناباس لکھتا ہے:

"شاگردوں نے کہا: اے استاد، موسیٰ کی کتاب میں یوں لکھا ہے کہ یہ وعدہ اضحاق میں کیا گیا تھا" یسوع نے کراہ کر جواب دیا: ایسا ہی لکھا ہے، مگر موسی نے نہیں لکھا، نہ یسوع نے لکھا ہے بلکہ ہمارے ربیوں نے، جو خدا سے نہیں ڈرتے۔ تب خدا نے ابرہام سے فرمایا: اپنا بیٹا، اپنا پہلوٹھا

---

(۱) سفر التکوین، (کتاب پیدائش)، الاصحاح: باب ۲۵، آیات ۱۴ اور اسکے بعد مزید تفصیلات کے لئے دیکھیے: محمد فی الکتاب المقدس، اور الحوار الاسلامی المسیحی، ص:۳۵۱

(۲) الحوار الاسلامی المسیحی، ص:۳۵۱

(۳) حقوق:۳تا۵، پاکستان بائبل سوسائٹی، انارکلی لاہور، ۲۰۰۷ء

،اسماعیل لے اور پہاڑ پر آکر اس کی قربانی دے، سو اسحاق پہلوٹھا کیوں کر ہوا کہ جب اسحاق پیدا ہوا تو اسماعیل سات سال کا تھا "[۱]

بہر حال عربی ترجمہ میں "المعزی" اور اردو میں "مددگار" فارقلیط کی تبدیل شدہ (تحریف شدہ) شکل ہے، جس کا تذکرہ امام ابن القیم اور رحمت اللہ کیرانوی الہندی نے اپنی تصانیف میں کیا ہے[۲]۔ علاوہ ازیں فارقلیط کا لفظ اس وقت کی اناجیل میں پایا جاتا تھا، لیکن حضرت محمد ﷺ پر ایمان لانے سے لوگوں کو روکنے کے لئے (یہ مسئلہ) مشتبہ بنادیا گیا ہے۔

امام ابو نعیم اصفہانی دلائل النبوۃ میں لکھتے ہیں:

"عاصم بن عمرو بنی قریظہ کے ایک بوڑھے شخص سے روایت کرتے ہیں کہ ایک بار اس نے مجھ سے پوچھا کیا تم جانتے ہو ثعلبہ بن سعنہ، اسید بن سعنہ اور اسد بن عبید اسلام لانے کا سبب کیا تھا؟ میں نے کہا نہیں۔ کہنے لگا: شام کا ایک یہودی ابن الہیبان ظہور اسلام سے چند سال قبل ہمارے پاس (مدینہ منورہ) آیا۔ وہ یہاں رہنے لگا، ہم نے اس سے کسی کو بہتر پانچ نمازیں پڑھنے والا نہیں دیکھا۔ جب قحط پڑتا تو ہم اسے دعا کرنے کو کہتا، وہ جواب دیتا کہ پہلے ہر شخص ایک صاع کھجور اور ایک مد جو صدقہ کرے۔ جب ہم صدقہ دیدیتے، تو وہ ہمارے ساتھ میدان میں نکلتا، اور دعا مانگ کر اٹھتا بھی نہ تھا کہ بادل اندھیرا کر دیتے۔۔ جب اس کی موت قریب آئی، تو کہنے لگا اے گروہِ یہود! تم جانتے ہو کہ میں شام جیسا امیر و کبیر ملک چھوڑ کر یہاں افلاس زدہ علاقہ میں کیوں آبسا؟ ہم نے کہا اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ کہنے لگا: میں یہاں اس لئے آیا تھا تاکہ اس نبی کا انتظار کروں، جس کا ظہور قریب ہے۔ اس شہر کی طرف وہ ہجرت کرے گا۔ میری آرزو تھی کہ اس کا دیدار کروں (مگر لگتا ہے کہ میری زندگی مزید وفا نہیں کرے گی)۔ اب تمہیں وہ دور ملنے والا ہے، اے یہود! اس رسول پر ایمان لانے میں کوئی قوم تم سے پہل نہ کر جائے۔ اسے اجازت ہوگی کہ اپنے مخالفین کا خون بہادے۔ بچوں اور عورتوں کو گرفتار کرلے، اس لئے ایمان لانے میں دیر نہ کرنا۔ جب نبی کریم ﷺ مدینہ میں تشریف لائے اور بنی قریظہ کا محاصرہ ہوا، تو ان نوجوانوں نے چیخ کر کہا اے بنو قریظہ! یہ وہی رسول ہے جس کے متعلق ابن الہیبان نے پیشن

---

[۱] انجیل برناباس، طبع پنجم، مترجم آسی ضیائی، اسلامک پبلی کیشنز: لاہور، ۱۹۸۷ء، باب ۴۴، ص: ۸۰

[۲] ھدایۃ الحیاریٰ، ص: ۱۲۷ و بعدہ۔ اِظھار الحق، رحمت اللہ الکیرانوی، تحقیق: عمر الدسوقی، طبعہ دولۃ قطر، س ن ندارد، ۲ / ۴۲۱

گوئی کی تھی، یہود کہنے لگے یہ وہ نہیں ہے، تو نوجوانوں نے کہا کہ بخدا یہ وہی رسول ہے۔ چنانچہ یہ اپنے قلعے سے اتر کر آپ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور اسلام لے آئے۔ اور یوں اپنے خون، مال اور اولاد کو خون سے محفوظ کرلیا" (۱)

انجیل کی بشارتیں

انجیل (بائبل عہد نامہ جدید) میں بھی تحریف کے باوجود آنے والے نبی کے بارے میں عیسیٰ علیہ السلام کی پیشن گوئیاں موجود ہیں جو آخر الزمان حضرت محمد ﷺ کے علاوہ کس اور نبی پر صادق نہیں آسکتیں اور یہ بات بھی معلوم تھی کہ دنیا صرف ایک آخری نبی کی منتظر تھی، جس کی خبر حضرت عیسیٰ علیہ السلام دے رہے تھے کہ وہ دنیا کا سردار ہوگا، ابد تک رہے گا، سچائی کی تمام راہیں دکھائے گا اور خود میری نبوت، عبد اللہ ہونے اور سچائی کی گواہی دے گا اور میری لائی ہوئی کتاب میں تحریف کی بھی نشاندہی کرے گا۔

مثلاً: انجیل یوحنا کا بیان ہے:

'میں باپ سے درخواست کروں گا تو وہ تمہیں دوسرا مددگار بخشے گا کہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے۔ میں نے یہ باتیں تمہارے ساتھ رہ کر تم سے کہیں لیکن مددگار...... جسے باپ میرے نام سے بھیجے گا، وہی تمہیں سب باتیں سکھائے گا اور جو کچھ میں نے تم سے کہا ہے، وہ سب تمہیں یاد دلائے گا"(۲)

قرآن مجید میں وہ سب باتیں ان عیسائیوں کو ایک ایک کر کے اسی طرح یاد دلائی گئی ہیں، جس طرح بائبل میں تحریف کے باوجود موجود ہیں، اور یوں نہ صرف قرآن مجید نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشریت اور رسالت بلکہ بشارتوں کی تصدیق کی، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ يَقُصُّ عَلَى بَنِي إِسْرَائِيلَ أَكْثَرَ الَّذِي هُمْ فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴾(۳)

ترجمہ: یہ واقعہ ہے کہ یہ قرآن بنی اسرائیل کو اکثر ان باتوں کی حقیقت بتاتا ہے جن میں وہ اختلاف رکھتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت محمد ﷺ معلمِ انسانیت اور معلمِ اخلاق اور دنیا کے سردار ہیں، جن کی آنے کی پیشنگوئیاں انجیل میں بار بار کی گئی ہیں۔ انجیل یوحنا میں ہے:

---

(۱) ابو نعیم اصفہانی، دلائل النبوۃ، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، ۲۰۰۶ء، ص:۹۷

(۲) بائبل، پاکستان بائبل سوسائٹی، انار کلی لاہور، ۲۰۰۷ء، انجیل یوحنا: ۱۶: ۱۴-۱۷، ۱۴: ۲۶،۲۵

(۳) سورۃ النمل: ۲۷/۷۶

" اس کے بعد میں تم سے بہت باتیں نہ کروں گا، کیونکہ دنیا کا سردار آتا ہے، اور مجھ میں اس کا کچھ نہیں.... لیکن جب وہ مددگار آئے گا.... تو وہ میری گواہی دے گا.... لیکن میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میرا جانا تمہارے لئے فائدہ مند ہے، کیونکہ اگر میں نہ جاؤں، تو وہ مددگار تمہارے پاس نہ آئے گا۔"" مجھے تم سے اور بھی بہت سی باتیں کہنا ہے مگر اب تم ان کو برداشت نہیں کرسکتے لیکن جب وہ یعنی روح حق آئیگا تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائے گا اس لئے کہ وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا لیکن جو کچھ سنے گا وہی کہے گا اور تمہیں آئندہ کی خبریں دے گا، وہ میرا جلال ظاہر کرے گا"[۱]

یہ وہی بات ہے جو قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کے بارے میں ارشاد فرمائی ہے کہ جو کچھ سردارِ دوجہاں اور معلمِ انسانیت ﷺ ارشاد فرماتے ہیں، وحی الٰہی پر مبنی اور یہی حقیقت ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى، اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ يُّوْحٰى ﴾[۲]

ترجمہ: اور نہ وہ اپنی خواہش سے کوئی بات کہتے ہیں۔ یہ تو ایک وحی ہے جو اس پر نازل کی جاتی ہے۔

بشریتِ پیغمبر اور بائبل و قرآن

قرآن کسی بھی انسان کے الوہیت یا ابنیت الٰہ کا قائل نہیں ہے۔ اور اسی طرح حضرت عیسی علیہ السلام کے ابنیت الٰہ یا الوہیت کا بھی قائل نہیں ہے۔ خود حضرت عیسی علیہ السلام اپنے آپ کو ایک نبی کی حیثیت سے پیش فرماتے تھے، جس کی تصدیق اناجیل کی کئی آیات میں کی گئی ہے جو قرآن کے مطابق اور اس کی تصدیق کرتی ہے۔

مثلاً: لوقا کی انجیل میں لکھا ہے:

" مجھے آج کل اور پرسوں اپنی راہ پر چلنا ضروری ہے کیونکہ ممکن نہیں کہ نبی یروشلم سے باہر ہلاک ہو"[۳]

واقعہ صلیب کے بعد، مسیح یسوع علیہ السلام کے شاگردوں نے آپ علیہ السلام کا ذکر اسی انجیل میں ایک نبی اور رسول کی حیثیت سے دوسری جگہ یوں کیا ہے:

" وہ آدمی اپنے کام اور کلام کے باعث خدا کی نظر میں اور سارے لوگوں کے نزدیک بڑی قدرت والا نبی تھا"[۱]

---

(۱) انجیل یوحنا: ۱۴:۳۰، ۱۵:۲۶، ۱۶:۷، ۱۶:۱۲ تا ۱۴

(۲) سورۃ النجم: ۵۳/ ۳-۴

(۳) لوقا: باب ۱۳، آیات: ۳۳

انجیل یوحنا میں حضرت عیسی علیہ السلام کو اللہ تعالی کا ایک بھیجا ہوا نبی ان الفاظ میں بیان کیا گیاہے، تاکہ لوگ اللہ تعالی اور اس کے بھیجے ہوئے رسول دونوں کو پہچان لیں:

"اور ہمیشہ کی زندگی یہ ہے کہ لوگ تجھ خدائے واحد اور برحق کو اور یسوع مسیح کو جسے قوم نے بھیجاہے جانیں"(۲)

انجیل متی میں آپ علیہ السلام کی بشریت اور نبوت کے بارے میں یوں نقل کیا گیاہے:

"یسوع نے کہا: نبی کی بے قدری اس کے اپنے شہر اور رشتہ داروں میں ہوتی ہے اور کہیں نہیں" (۳)

ان ارشادات اور فرمودات سے واضح ہوتاہے کہ حضرت عیسی علیہ السلام اپنے آپ کو ایک نبی اور رسول کے طور پر پیش فرماتے تھے، جن کے رشتہ دار اور اپنی قوم وقبیلہ تھا اور اللہ تعالی کی طرف سے اس پر وحی آتی تھی جس کی روشنی میں بنی اسرائیل کی راہنمائی کا فریضہ سرانجام فرماتے تھے، اور قرآن مجید پیغمبروں کی یہی ایک مشترکہ خصوصیت قرار دیتاہے۔

ارشادباری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِنَ الرُّسُلِ وَمَا أَدْرِي مَا يُفْعَلُ بِي وَلَا بِكُمْ إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَى إِلَيَّ وَمَا أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ مُبِينٌ قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَكَفَرْتُمْ بِهِ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ عَلَى مِثْلِهِ فَآمَنَ وَاسْتَكْبَرْتُمْ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ﴾(۴)

ترجمہ: ان سے کہو، میں کوئی نرالا رسول تو نہیں ہوں، میں نہیں جانتا کہ کل تمہارے ساتھ کیا ہوناہے اور میرے ساتھ کیا، میں تو صرف اس وحی کی پیروی کرتاہوں جو میرے پاس بھیجی جاتی ہے اور میں ایک صاف صاف خبردار کر دینے والے کے سوا اور کچھ نہیں ہوں۔ اے نبی ﷺ ان سے کہو، کبھی تم نے سوچا بھی کہ اگر یہ کلام اللہ ہی کی طرف سے ہوا اور تم نے اس کا انکار کر دیا (تو تمہارا کیا انجام ہو گا)؟ اور اس جیسے ایک کلام پر تو بنی اسرائیل کا ایک گواہ شہادت بھی دے چکاہے۔ وہ ایمان لے آیا اور تم اپنے گھمنڈ میں پڑے رہے۔ ایسے ظالموں کو اللہ ہدایت نہیں دیا کرتا۔

---

(۱) ایضا: آیات: ۱۹-۲۴

(۲) انجیل یوحنا، باب:۱۷، آیات:۳-۱۴۱

(۳) انجیل متیٰ، باب ۱۳، آیت نمبر ۵۷

(۴) سورۃ الاحقاف:۴۶/ ۹-۱۱

اس سلسلے میں صدرالدین اصلاحی رقمطراز ہے:

"حضرت عیسیٰ علیہ السلام خود اپنے آپ کو رسول کہتے ہیں اور جو تعلیم وہ پیش کرتے تھے اس کے بارے میں گواہی دیتے ہیں کہ وہ ان کا ذاتی کلام نہیں ہے بلکہ خدا کا کلام ہے جو خدا نے ان پر نازل فرمایا "[۱]

ایک مسیحی عالم دینیات (ریورنڈ چارلس اینڈرسن اسکاٹ) عیسائیوں کے عقیدہ الوہیتِ عیسیٰ علیہ السلام پر تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

" پہلی تین انجیلوں (متیٰ، مرقس، لوقا) میں کوئی چیز ایسی نہیں ہے جس سے یہ گمان کیا جاسکتا ہو کہ ان انجیلوں کے لکھنے والے یسوع کو انسان کے سوا کچھ اور سمجھتے تھے۔ ان کی نگاہ میں وہ ایک انسان تھا، ایسا انسان جو خاص طور پر خدا کی روح سے فیض یاب ہوا تھا اور خدا کے ساتھ ایک ایسا غیر منقطع تعلق رکھتا تھا جس کی وجہ سے اگر اس کو خدا کا بیٹا کہا جائے تو حق بجانب ہے، خود متیٰ اس کا ذکر بڑھئی کے بیٹے کی حیثیت سے کرتا ہے [۲]

انجیل برناباس میں سے نہ صرف یہ کہ ان اناجیل کی تحریف کی نشاندہی ملتی ہے بلکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مقام اور رسالت کا صحیح تصور بھی ملتا ہے ، برناباس لکھتا ہے:

"جب یسوع مسیح سے جو پہاڑ سے یروشلم آتے ہوئے راستے میں ایک کوڑھی شخص نے رحم کی درخواست ان الفاظ میں کہ "خداوند، مجھے صحت دے" یسوع نے ملامت کرتے ہوئے کہا: تو احمق ہے، خدا سے دعا کر جس نے تجھے خلق کیا ہے۔ میں تو بشر ہوں ، کوڑھی نے کہا: میں جانتا ہوں کہ تو بشر ہے، مگر خداوند کا قدوس ہے، پس تو خدا سے دعا کر، اور وہ مجھے صحت دے گا" تب یسوع نے ٹھنڈا سانس بھر کر کہا "خداوند، قادر مطلق خدا، اپنے پاک نبیوں کی محبت کی خاطر اس بیمار کو صحت عطا کر "[۳]

---

(۱) اصلاحی، صدرالدین، عیسائی معتقدات، تعلیم انجیل کی روشنی میں، احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور، ۱۹۶۱ء، ص: ۴۴

(۲) متیٰ: ۱۳: ۵۵، سیرت سرور عالم، ص: ۱/ ۶۷۰، انڈرسن نے انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے چودھویں ایڈیشن میں یسوع مسیح (Jesus Christ) کے عنوان سے ایک مفصل مقالہ لکھا ہے، دیکھئے: نیو انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، جلد: ۲۲، ۱۹۸۵ء، ص: ۳۶۰-۳۷۷

(۳) انجیل برناباس، باب ۱۱، ص: ۳۴، دیکھئے: مرقس: ۱: ۴۰ تا ۴۵

مرقس کی انجیل بھی آپ علیہ السلام کی نہ صرف یہ کہ نبوت ورسالت کو بلکہ حضرت محمد ﷺ کے رسالت کے لئے راستہ ہموار کرنے کی ذمہ داری بھی بیان کرتی ہے۔

یہ الفاظ توجہ کے لائق ہیں:

" دیکھ میں اپنا پیغمبر تیرے آگے بھیجتا ہوں جو تیری راہ تیار کرے گا" (۱)

ان بیانات کے بعض جملوں سے اختلاف کے باوجود یہ بات بالکل واضح ہو کر سامنے آتی ہے کہ حضرت عیسی علیہ السلام یا للہ تعالی کے بندے اور رسول ہیں، تاہم پیغمبر کو جو خصوصی مقام اللہ تعالی کے ہاں حاصل ہوتا ہے، ان کو بھی اللہ تعالی کے ہاں حاصل تھا، لیکن اس سے یہ سمجھنا کہ وہ اللہ تعالی کے بیٹے یا آپ خود اللہ تعالی ہیں۔ یہ بات خود آپ علیہ السلام ، الہامی تعلیمات اور خاص کر قرآن مجید کی تعلیمات کے سراسر خلاف ہیں۔ قرآن مجید جو سابقہ الہامی کتابوں کا مہیمن ہے اور کارِ انبیاء کا محافظ بھی، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشریت، رسالت اور صحیح مقام کو بیان کرتا ہے۔

ارشاد باری تعالی ہے:

﴿قَالَ إِنِّ عَبْدُ اللَّهِ آتَانِيَ الْكِتَابَ وَجَعَلَنِي نَبِيًّا . وَجَعَلَنِي مُبَارَكًا أَيْنَ مَا كُنْتُ وَأَوْصَانِي بِالصَّلَاةِ وَ الزَّكَاةِ مَا دُمْتُ حَيًّا وَ بَرًّا بِوَالِدَتِي وَلَمْ يَجْعَلْنِي جَبَّارًا شَقِيًّا . وَ السَّلَامُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُ وَيَوْمَ أَمُوتُ وَيَوْمَ أُبْعَثُ حَيًّا ذَلِكَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِي فِيهِ يَمْتَرُونَ﴾ (۲)

ترجمہ: بچہ بول اٹھا "میں اللہ کا بندہ ہوں۔ اس نے مجھے کتاب دی اور نبی بنایا، اور بابرکت کیا جہاں بھی میں رہوں، اور نماز اور زکوۃ کی پابندی کا حکم دیا جب تک میں زندہ رہوں، اور اپنی والدہ کا حق ادا کرنے والا بنایا اور مجھ کو جبار اور شقی نہیں بنایا۔ سلام ہے مجھ پر جبکہ میں پیدا ہوا اور جبکہ میں مروں اور جبکہ زندہ کر کے اٹھایا جاؤں"۔ یہ ہے عیسی ابن مریم اور یہ ہے اس کے بارے میں وہ سچی بات جس میں لوگ شک کر رہے ہیں۔

قرآن مجید بحیثیت نبی آپ ﷺ کی بشریت کی طرف واضح اشارہ کر کے فرماتا ہے کہ یہ نبی امی دوسرے انبیاء سے بالکل مختلف نہیں ہے بلکہ ان کی طرح ایک بشر نبی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

---

(۱) مرقس:۲-۱

(۲) سورۃ مریم:۱۹/ ۳۰-۳۴

﴿قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِنَ الرُّسُلِ وَمَا أَدْرِي مَا يُفْعَلُ بِي وَلَا بِكُمْ إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَى إِلَيَّ وَمَا أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ مُبِينٌ﴾(۱)

ترجمہ: ان سے کہو "میں کوئی نرالا رسول تو نہیں ہوں، میں نہیں جانتا کہ کل تمہارے ساتھ کیا ہونا ہے اور میرے ساتھ کیا، میں تو صرف اس وحی کی پیروی کرتا ہوں جو میرے پاس بھیجی جاتی ہے اور میں ایک صاف صاف خبر دار کر دینے والے کے سوا اور کچھ نہیں ہوں۔

حضرت عیسی علیہ السلام اور کارِ انبیاء

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سابقہ انبیاء اور ان کی کتابوں کی تصدیق کرتے تھے۔ اور یہی کارانبیاء (پیغمبرانہ مشن کی مماثلت) اور نبوت کا طریقہ کار رہا ہے۔

متی کی انجیل اس سلسلے میں کہتی ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

"یہ نہ سمجھو کہ میں تورات یا نبیوں کو رد کرنے آیا ہوں، میں رد کرنے نہیں بلکہ پورا کرنے آیا ہوں"(۲)

ہر نبی کے دعوت کا یہ طریقہ رہا ہے کہ وہ خدا کی اطاعت کے ساتھ اطاعت رسول کی بھی دعوت دیتا ہے۔

یوحنا اس سلسلے میں رقمطراز ہے:

" یسوع نے پکار کر کہا: جو کوئی مجھ پر ایمان لاتا ہے وہ نہ صرف مجھ پر بلکہ میرے بھیجنے والے پر بھی ایمان لاتا ہے اور جب وہ مجھ پر نظر ڈالتا ہے تو میرے بھیجنے والے کو دیکھتا ہے "(۳)

دوسری جگہ اسی انجیل میں وارد ہے:

" میں تم سے سچ کہتا ہوں، جو میرے بھیجنے والے کو قبول کرتا ہے وہ مجھے قبول کرتا ہے اور جو مجھے قبول کرتا ہے وہ میرے بھیجنے کو قبول کرتا ہے "(۴)

نبوت اور بشارتیں

پیشینگوئیاں اور بشارتیں نبوت کا حصہ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بعض انبیاء خصوصاً موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام نے بعض آنے والے واقعات اور آنے والے آخری نبی کی آنے کی بشارت اور نوید سنائی ہے۔ محرف ہونے

---

(۱) سورۃ الاحقاف: ۴۶/۹

(۲) متی، باب ۵، آیات: ۱۷

(۳) یوحنا: باب ۱۲، آیات: ۴۴

(۴) یوحنا: ۲۰-۱۳

کے باوجود اکثر بشارتیں اور پیشینگوئیاں حضرت محمد ﷺ اور امتِ محمدیہ کے بعض واقعات کے بارے میں بائبل (عہد نامہ قدیم وجدید) میں مذکور ہیں۔

تورات وانجیل کی بشارتیں اور ان کا مصداق

بائبل میں جو بشارتیں ایک آنے والے نبی کے بارے میں موجود ہیں وہ حضرت محمد ﷺ کے علاوہ کسی اور نبی پر صادق نہیں آتیں اور قرآن مجید بھی اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ وہ (عیسائی حضرات) اس نبی امی کو اپنے پاس تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيلِ يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ فَالَّذِينَ آمَنُوا بِهِ وَعَزَّرُوهُ وَنَصَرُوهُ وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِي أُنْزِلَ مَعَهُ أُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾[۱]

ترجمہ: پس آج یہ رحمت ان لوگوں کا حصہ ہے، جو اِس پیغمبر نبی امّی کی پیروی اختیار کریں، جس کا ذکر انہیں اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا ہوا ملتا ہے۔ وہ انہیں نیکی کا حکم دیتا ہے، بدی سے روکتا ہے، ان کے لیے پاک چیزیں حلال اور ناپاک چیزیں حرام کرتا ہے، اور ان پر سے وہ بوجھ اتارتا ہے جو ان پر لدے ہوئے تھے اور وہ بند شیں کھولتا ہے جن میں وہ جکڑے ہوئے تھے۔ لہٰذا جو لوگ اس پر ایمان لائیں اور اس کی حمایت اور نصرت کریں اور اس روشنی کی پیروی اختیار کریں جو اس کے ساتھ نازل کی گئی ہے، وہی فلاح پانے والے ہیں"

بلکہ انجیل برناباس تو آپ ﷺ کا صریح نام لے کر مخاطب کرتی ہے جو عین قرآن کی تصدیق کے مطابق ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِذْ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَاةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ فَلَمَّا جَاءَهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ قَالُوا هَذَا سِحْرٌ مُبِينٌ﴾[۲]

ترجمہ: یاد کرو عیسیٰ ابن مریم کی وہ بات جو اس نے کہی تھی: اے بنی اسرائیل! میں تمہاری طرف اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں، تصدیق کرنے والا ہوں اس تورات کی جو مجھ سے پہلے آئی ہوئی موجود ہے اور بشارت دینے والا ہوں ایک رسول کی جو میرے بعد آئے گا جس کا نام احمد ہوگا۔

---

[۱] سورۃ الاعراف:۷/۱۵۷

[۲] سورۃ الصف:۶۱/۶

نبی آخر الزمان ﷺ کی صفات اور اخلاق بیان کرنے کے بعد آپ ﷺ کا نام مبارک لے کر یہی انجیل برناباس لکھتی ہے:

"اور جب میں نے اسے دیکھا تو میری روح تسکین سے بھر گئی، یہ کہہ کر کہ اے محمد (ﷺ)! خدا تیرے ساتھ ہو اور وہ مجھے اس لائق بنائے کہ میں تیری جوتی کا تسمہ کھول سکوں، کیونکہ یہ پاکر میں ایک بڑا نبی اور خدا کا قدوس ہو جاوں گا اور یہ کہہ کر یسوع نے خدا کا شکریہ ادا کیا"[۱]

انجیل برناباس کی بہ نسبت دوسری اناجیل میں زیادہ تحریفیں ہوئی ہیں، لہٰذا نبی اکرم ﷺ کا نام لے کر جو بشارت حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے سنائی تھی، تحریف ہونے کی وجہ سے اس نامِ مبارک کی تعین میں عیسائی علماء کو سخت الجھن پیش آئی ہے۔ یہ بات سابقہ بحث میں اناجیل کے حوالے سے گزر گئی کہ آنے والے نبی کے لئے "مددگار" کا لفظ استعمال کیا گیا تھا جو یونانی لفظ کا ترجمہ ہے، جن کے بارے میں سید مودودی لکھتے ہیں:

"عیسائیوں کو اصرار ہے کہ وہ (لفظ) Para Cletus تھا جس کے معنی متعین کرنے میں ان حضرات کو سخت زحمت پیش آئی ہے اور کئی ایک معنی اس کے بیان کئے ہیں، تاہم ان میں سے کوئی بھی معنیٰ ہمارے مقصد کے لئے صحیح و موزوں نہیں ہو سکتا"[۲]

مصنف مذکور مزید لکھتے ہیں:

"دلچسپ بات یہ ہے کہ یونانی زبان ہی میں ایک دوسرا لفظ Periclytos موجود ہے جس کے معنی ہیں "تعریف کیا ہوا" یہ لفظ بالکل محمد کا ہم معنی ہے اور تلفظ میں اس کے اور Para Cletus کے درمیان بڑی مشابہت پائی جاتی ہے۔ کیا بعید ہے کہ جو مسیحی حضرات اپنی مذہبی کتابوں میں اپنی مرضی اور پسند کے مطابق بے تکلف ردوبدل کر لینے کے خوگر رہے ہیں انہوں نے یوحنا کے نقل کردہ پیشین گوئی کے لفظ کو اپنے عقیدے کے خلاف پڑتا دیکھ کر اس کے املاء میں یہ ذرا سا تغیر کر دیا ہو"[۳]

اور قرآن مجید بھی اس بات کی نشان دہی کرتا ہے کہ وہ اس نبی امی کو اپنے پاس تورات اور انجیل

---

(۱) انجیل برناباس، باب ۴۴، ص:۸۰

(۲) سیرت سرور عالم، ص:۱/۶۸۴

(۳) ایضاً۔

میں لکھا ہوا پاتے ہیں[۱]

جس کی مکمل تائید انجیل برناباس کے اس بیان سے بھی ہوتی ہے جس میں لکھا ہے:

"سردار کاہن نے پوچھا: وہ مسیح کس نام سے پکارا جائیگا اور کیا نشانیاں اس کی آمد کو ظاہر کریں گی؟ یسوع نے جواب دیا: اس مسیح کا نام "قابل تعریف" ہے کیونکہ جب خدا نے اس کی روح پیدا کی تھی اس وقت اس کا یہ نام خود رکھا تھا اور وہاں اسے ایک ملکوتی نشانی سے رکھا گیا تھا۔ خدا نے کہا: اے محمد ﷺ! انتظار کر۔۔۔ سو اس کا مبارک نام محمد (ﷺ) ہے"[۲]

یہ پیشن گوئی قرآن مجید کے عین مطابق ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِمْ مِنْ أَثَرِ السُّجُودِ ذَلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيلِ﴾[۳]

ترجمہ: محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں، اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کفار پر سخت اور آپس میں رحیم ہیں۔ تم جب دیکھو گے انہیں رکوع و سجود، اور اللہ کے فضل اور اس کی خوشنودی کی طلب میں مشغول پاؤ گے۔ سجود کے اثرات ان کے چہروں پر موجود ہیں جن سے وہ الگ پہچانے جاتے ہیں۔ یہ ان کی صفت توراۃ اور انجیل میں ہے"

چونکہ موجودہ اناجیل ترجمے ہیں اور عیسیٰ علیہ السلام کی زبان فلسطین کی سریانی تھی۔ جس میں بڑی تحریفیں کی گئی ہیں۔

رسالتِ محمدی کی شانِ عالمیت

نبی اکرم ﷺ کے صفاتی نام اور امت محمدیہ کی شان و شوکت تو دوسری اناجیل میں بھی بیان ہوئی ہے، تاہم انجیل برناباس رسالت محمدیہ کی عالمیت کو ان الفاظ میں بیان کرتی ہے:

"بالیقین میں تم سے کہتا ہوں کہ ہر نبی جو آیا ہے وہ صرف ایک قوم کے لئے خدا کی رحمت کا نشان بن کر پیدا ہوا ہے۔۔ مگر خدا کا رسول (ﷺ) جب آئے گا، خدا گویا اس کو اپنے ہاتھ کی مہر

---

(۱) سورۃ الاعراف: ۷/ ۱۵۷

(۲) انجیل برناباس، باب ۹۷

(۳) سورۃ الفتح: ۴۸/ ۸۴

دے دیگا یہاں تک کہ وہ دنیا کی تمام قوموں کو جو اس کی تعلیم پائیں گی، نجات اور رحمت پہنچادے گا۔"(۱)

دوسری جگہ یوں لکھتی ہے:

"میں تو اب دنیامیں خدا کے رسول (ﷺ) کے لئے راہ تیار کرنے آیاہوں جو دنیا کے لئے نجات لائے گا، پر خبردار، دھوکہ نہ کھانا، کیونکہ بہت سے جھوٹے نبی آئیں گے جو میرا کلام لیں گے اور میری انجیل کوناپاک کریں گے۔تب اندریاس نے کہا: استاد! ہمیں کوئی نشانی بتا کہ ہم اسے جان لیں۔ یسوع نے جواب دیا: وہ تمہارے وقت میں نہ آئے گا بلکہ تمہارے چند سال بعد آئے گا، جب میری انجیل کالعدم کردی جائیگی، یہاں تک کہ بمشکل ۳۰ ایماندار رہ جائیں گے، اس وقت خدا دنیا پر رحم فرمائیگا، وہ اپنا رسول (ﷺ) بھیجے گا۔"(۲)

یہ بشارتیں کس قدر قرآن مجید کے ہم رکاب ہیں؟ اس کا اندازہ اس آیتِ کریمہ سے لگائیے، جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری رسول کو دنیا کے لئے رحمت قرار دیا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِلْعَالَمِينَ﴾(۳)

ترجمہ: اے محمد (ﷺ) ہم نے جو تم کو بھیجا ہے تو یہ دراصل دنیاوالوں کے حق میں ہماری رحمت ہے۔

اسی طرح نہ صرف یہ کہ قرآن حضرت عیسی علیہ السلام کو ایک رسول اور نبی کے طور پر پیش کرتا ہے، بلکہ صلیب پر جان دینے کی بھی مذمت کرتا ہے، جس پر عیسائی حضرات یقین رکھتے ہیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قَالَ إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ آتَانِيَ الْكِتَابَ وَجَعَلَنِي نَبِيًّا ﴾(۴)

ترجمہ: میں اللہ کا بندہ ہوں، اس نے مجھے کتاب دی اور نبی بنایا۔

اس بارے میں سید مودودی کہتے ہیں:

"جس شخص کو صلیب پر چڑھایا وہ کوئی اور شخص تھا جس کو نہ معلوم کس وجہ سے ان لوگوں نے عیسیٰ ابن مریم سمجھ لیا"(۱)

---

(۱) انجیل برناباس، باب: ۴۳

(۲) انجیل، برناباس، باب، ۷۲

(۳) سورۃ الانبیاء: ۲۱/۱۰۷

(۴) سورۃ مریم: ۱۹/۳۰

جبکہ انجیل برناباس نہ صرف قرآن مجید کی تائید وتصریح کرتی ہے بلکہ اس ملعون اور مرتکب جرم شخص کی نشاندہی بھی کرتی ہے۔

برناباس لکھتاہے کہ:

"ایک موقع پر شاگردوں کے سامنے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بتایاکہ میرے ہی شاگردوں میں سے ایک [۲]، مجھے ۳۰ سکوں کے عوض دشمنوں کے ہاتھ بیچ ڈالے گا۔ پھر فرمایا: اس کے بعد مجھے یقین ہے کہ جو مجھے بیچے گا وہی میرے نام سے ماراجائیگا کیونکہ خدا مجھے زمین سے اوپر اٹھائیگا۔ اور اس غدار کی صورت ایسی بدل دے گا کہ ہر شخص یہ سمجھے گا کہ وہ میں ہی ہوں تاہم جب وہ بری موت مرے گا تو ایک مدت تک میری ہی تذلیل ہوتی رہے گی (دنیا کہتی رہے گی کہ یسوع نے صلیب پر جان دے کر لعنتی ٹھہرا۔ نعوذ باللہ من ذٰلک) مگر جب محمد ﷺ خدا کا مقدس رسول آئے گا تو میری وہ بدنامی دور کردے گا اور خدا یہ اس لئے کرے گا کہ میں نے اس مسیح کی صداقت کا اقرار کیاہے۔ وہ مجھے اس کا یہ انعام دے گا کہ لوگ یہ جان لیں گے کہ میں زندہ ہوں اور اس ذلت کی موت سے میرا کوئی واسطہ نہیں ہے"[۳]

قرآن اس کی تصریح کرتاہے:

﴿إِذْ قَالَ اللَّهُ يَا عِيسَى إِنِّي مُتَوَفِّيكَ وَرَافِعُكَ إِلَيَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَجَاعِلُ الَّذِينَ اتَّبَعُوكَ فَوْقَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ ثُمَّ إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَأَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيمَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ﴾[۴]

ترجمہ: اور جب اللہ نے فرمایا کہ اے عیسیٰ علیہ السلام! اب میں تجھے واپس لے لوں گا اور تجھ کو اپنی طرف اٹھا لونگا اور جنہوں نے تیرا انکار کیاہے ان سے تجھے پاک کردوں گا۔

انجیل برناباس ایک نبی کے بعد دوسرے کے بھیجنے اور ایک کتاب کے بعد دوسری کتاب کے نازل کرنے کی ضرورت کو بیان کرتی ہے جو عین قرآن کی تعلیم کے موافق ہے:

---

(۱) مودودی، ابوالاعلیٰ، ترجمہ قرآن مجید مع حاشیہ، ادارہ ترجمان القرآن: لاہور، ۲۰۰۰ء-ص:۱۸۷

(۲) جو بعد میں یہوداہ اسکریوتی نکلا، دیکھئے: انجیل متیٰ: ۳۶: ۱۴- ۱۶، ۲۷:۳-۹

(۳) انجیل برناباس، باب ۱۱۳

(۴) سورۃ آل عمران: ۴/۵۵

"بے شک میں تم سے کہتاہوں کہ اگر موسیٰ علیہ السلام کی کتاب سے صداقت مسخ نہ کر دی گئی ہوتی تو خدا ہمارے باپ داؤد علیہ السلام کو ایک دوسری کتاب نہ دیتا اور اگر داؤد علیہ السلام کی کتاب میں تحریف نہ کی گئی ہوتی تو خدا مجھے انجیل نہ دیتا کیونکہ خداوند ہمارا خدا بدلنے والا نہیں ہے اور اس نے سب انسانوں کو ایک ہی پیغام دیا ہے۔ لہٰذا جب اللہ کا رسول ﷺ آئے گا تو وہ اس لئے آئے گا کہ ان ساری چیزوں کو صاف کر دے جن سے بے خدا لوگوں نے میری کتاب کو آلودہ کر دیا ہے"[۱]

قرآن اس سلسلے میں کہتا ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی کتاب کو عمل سے نکال کر پسِ پشت ڈالا:

﴿نَبَذَ فَرِيقٌ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ كِتَابَ اللَّهِ وَرَاءَ ظُهُورِهِمْ كَأَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ﴾[۲]

ترجمہ: جن کو خدا کی کتاب دی گئی تھی ان میں ایک فریق نے اللہ کی کتاب کو پس پشت ڈال دیا گویا وہ جانتا ہی نہیں۔

اور سورۃ النمل میں اس سے بھی واضح انداز میں یوں فرمایا:

﴿اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَقُصُّ عَلٰي بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اَكْثَرَ الَّذِيْ هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ. وَاِنَّهٗ لَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ﴾[۳]

"یقیناً یہ قرآن بنی اسرائیل کو اکثر ان باتوں کی حقیقت بتاتا ہے جن میں وہ اختلاف رکھتے ہیں اور یہ ہدایت اور رحمت ہے ایمان لانے والوں کے لئے"

جبکہ سورہ ہود میں تورات کے مسخ ہونے کی طرف ان الفاظ میں اشارہ کیا گیا ہے:

﴿ وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ فَاخْتُلِفَ فِيهِ ﴾[۴]

ترجمہ: ہم اس سے پہلے موسیٰ علیہ السلام کتاب دے چکے ہیں اور اس کے بارے میں بھی اختلاف کیا گیا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے اس تحریف کے بیان کے لئے نبی ﷺ کا منصب و مقام اور ذمہ داری ان الفاظ میں بیان کی ہے:

﴿وَمَا اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِى اخْتَلَفُوْا فِيْهِ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ

---

(۱) انجیل برناباس، باب ۱۲۴، ص:۱۷۵

(۲) سورۃ البقرۃ:۲/۱۰۱

(۳) سورۃ النمل:۲۷/۷۷،۷۶

(۴) سورۃ ھود:۱۱/۱۱۰

یُّؤْمِنُوْنَ﴾(۱)

ترجمہ: ہم نے یہ کتاب تم پر اس لئے نازل کی ہے کہ تم ان اختلافات کی حقیقت ان پر کھول دو جن میں یہ پڑے ہوئے ہیں۔ یہ کتاب راہنمائی اور رحمت بن کر اتری ہے، ان لوگوں کے لئے جو اسے مان لیں۔

سورۃ المائدہ میں اس سے بھی زیادہ واضح الفاظ میں منصب رسول کو یوں بیان فرمایا:

﴿یٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَاۗءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰي فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَاۗءَنَا مِنْۢ بَشِيْرٍ وَّ لَا نَذِيْرٍ فَقَدْ جَاۗءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾(۲)

ترجمہ: اے اہل کتاب! ہمارا یہ رسول (ﷺ) ایسے وقت تمہارے پاس آیا ہے اور دین کی واضح تعلیم تمہیں دے رہا ہے جبکہ رسولوں کی آمد کا سلسلہ ایک مدت سے بند تھا، تاکہ تم یہ نہ کہہ سکو کہ ہمارے پاس کوئی بشارت دینے والا اور ڈرانے والا نہیں آیا۔ سو دیکھو! اب وہ بشارت دینے اور ڈرانے والا آگیا اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اہل کتاب کے اس طرز عمل سے امت مسلمہ کو بچنے کی تاکید کی گئی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ وَأُولَئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ﴾(۳)

ترجمہ: کہیں تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو فرقوں میں بٹ گئے اور کھلی کھلی واضح ہدایات پانے کے بعد پھر اختلافات میں مبتلا ہوئے جنہوں نے یہ روش اختیار کی وہ اس روز سخت سزا پائیں گے۔

آج کے نصرانی بھی یہ بات جانتے ہیں کہ تورات و انجیل میں نبی آخر الزمان حضرت محمد ﷺ کے بارے میں بشارتیں اور اشارات موجود ہیں، لیکن تعصب اور عناد کی وجہ سے آپ ﷺ کے اعتراف و اقرار سے گریزاں ہیں۔

ڈاکٹر احمد حجازی السقا (۴) جو اکثر تورۃ و انجیل کے پڑھنے میں مستغرق رہتا تھا۔ پادری نے خیال کیا کہ شاید یہ کوئی نصرانی ہے، مجھے کہنے لگا کہ کیا آپ جانتے ہیں کہ ۱۹۶۷ء کے مسلم یہودی معرکہ کی طرف سفر (کتاب) دانیال میں اشارے موجود ہیں۔ میں نے کہا: میں نے اسے اظہار الحق میں پڑھا ہے، لیکن مجھے اچھے طریقے سے سمجھ نہیں آیا.......

---

(۱) سورۃ النحل:۱۶/۶۴

(۲) سورۃ المائدہ:۵/۱۹

(۳) سورۃ آل عمران:۳/۱۰۵

(۴) ڈاکٹر احمد حجازی السقا نے "البشارۃ ب بنی الاسلام فی التوراۃ والانجیل" کے موضوع پر Ph.D Thesis لکھا

اس نے کہا: میں چاہتا ہوں کہ آپ بھی اس پر مطلع ہو جائیں۔ ہم ریل سے اتر کر شیخ حامد عبد الحمید ابراہیم کے گھر کی طرف جا رہے تھے کہ میں نے اس سے پوچھا: کیا کتاب مقدس مسلمانوں کے نبی محمد ﷺ کو اشارہ نہیں کرتی؟ کہنے لگا: کئی آیات میں، اور پھر کئی ایک آیات کا حوالہ بھی دیا۔ شیخ کے گھر میں جو کچھ اس نے پڑھنا تھا، پڑھ لیا اور پھر جلدی سے نکل گیا۔ کیونکہ اس کو معلوم ہو گیا کہ میں مسلمان ہوں، جب شیخ حامد عبد الحمید اور شیخ محمد بن محمد ابو شھبہ اس دن شام کو ایک موعد کے مطابق ملے، میں نے ان کو یہ قصہ سنایا تو وہ ہنس کر کہنے لگا: ﴿يَعْرِفُوْنَه كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ﴾[1]

کیونکہ آپ (ﷺ) کا ذکر سابقہ انبیاء کے صحف میں موجود تھا جسے اہلِ کتاب اچھی طرح جانتے اور بتاتے تھے، اور قرآن نے اس کی طرف اشارہ کرکے دعویٰ ہے: ﴿وَاِنَّه لَفِيْ زُبُرِ الْاَوَّلِيْنَ﴾[2]

حقیقت یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا پیغام یہ تھا کہ میرے بعد خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ تشریف لانے والے ہیں، اگر مجھے اس کی خدمت کا موقعہ ملے تو یہ میرے لئے سعادت کی بات ہے، کیونکہ آپ ﷺ کے ذریعے رب العزت شریعتوں کی تکمیل کرنے والے تھے۔

خلاصہ بحث

آخری پیغمبر کے بارے میں تورات وانجیل کی پیشن گوئیوں کی اس بحث کے پیشِ نظر ہمارے اور عیسائیوں کے درمیان عقیدہ رسالت کے معاملے میں ہم آہنگی اور موافقت مشکل ہے، تاہم اسلام رواداری اور برداشت کا نہ صرف قائل ہے بلکہ عقیدہ کے سلسلے میں کسی قسم کی زبردستی کی اجازت نہیں دیتا۔ جب کہ دوسری طرف حالت یہ ہے کہ عیسائی حضرات کسی قسم کی رواداری اور برداشت کے لئے تیار ہی نہیں۔ ہمارے عقیدے، دین اسلام کے شعائر اور رسولوں کی اہانت وتوہین ان کے آئے روز کا مشغلہ ٹھہرا ہوا ہے، حال ہی میں رسول ﷺ کے نازیبا اور توہین آمیز خاکے مسلسل شائع کرتے رہے ہیں۔ اور قرآن مجید کو جلانے کے لئے بھی بے تاب رہے ہیں، جبکہ حد یہ ہے کہ موردِ الزام اسلام اور مسلمانوں کو ٹھہرایا جاتا ہے، اور ساتھ ہی انتہا پسندی اور دہشت گردی کا الزام بھی مسلمانوں پر لگایا جاتا ہے۔

---

(۱) سورۃ البقرہ:۲/۱۴۶۔ تفصیلات کے لئے دیکھئے: معارف اسلامی، جنوری، ۲۰۱۰ء، شعبہ عربی وعلومِ اسلامیہ، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد، ص:۳۸۲

(۲) سورۃ الشعراء:۲۶/۱۹۶

لہٰذا بقاے انسانیت، سلامتی اور امن عالم کے لئے بین المذاہب رواداری اور برداشت کا حوصلہ پیدا کرنا وقت کی اشد ضرورت ہے۔ ورنہ انسان اپنے ہاتھوں کے بنائے ہوئے مہلک ترین ہتھیاروں سے تباہی کے دہانے پر پہنچ جائے گا۔

علومِ اسلامیہ کے تحقیقی مقالات ومجلّات میں نقلِ "حرفی" کا استعمال: ایک تجزیاتی مطالعہ

Use of "Transliteration" in Research Theses & Journals of Islamic Studies: An Analytical Study

ڈاکٹر معراج الاسلام ضیاء*

ڈاکٹر سعید الرحمان **

ABSTRACT

Transliteration refers to conversion of a text from one script to another i.e. the method of mapping from one system of writing to another based on phonetic similarity. It generally involves representing the characters of a given script (alphabets, letters, words, etc.) by the corresponding characters of another alphabet or language. It is widely used in academic, scholarly and literary writings such as research thesis, dissertation, research articles or papers, books, encyclopedia, dictionaries, journals and magazines etc. for the correct pronunciation and content representation etc, to the readers by using special symbols or code system. Different examples have been given in the article for the proper pronunciation and understanding of the real meanings of the words from Urdu and Arabic languages used in the text. In Arabic language words create ambiguity and complexity for the common reader who is not fully aware with Arabic language. Transliteration system is very helpful and easy to follow for the researchers in the field of Islamic Studies.

The Transliteration System has been adapted by various research journals of Islamic Studies in Pakistan. Especially the pioneers in this regard are the English Journal "Islamic Studies", Arabic Journal "Al-Dirāsāt Al-Islāmiyah" and Urdu Journal "Fikr-o-Nazar" of Islamic Research Institute. International Islamic University Islamabad has thoroughly introduced along with relevant examples. The paper will serve as a basic orientation to research scholars in Islamic Studies regarding Transliteration. This article presents an introduction to Transliteration and its use in Islamic Research Theses & Journals.

Keywords: *Transliteration, Research Journals, Symbols, Phonetics, Islamic Research.*

---

* ڈین علوم اسلامیہ ودراسات علوم شرقیہ، پشاور یونیورسٹی، پشاور

** اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، عبد الولی خان یونیورسٹی، مردان

ذرائع ابلاغ وترسیل میں آئے روز نت نئی ایجادات اورآلات کے سبب عصرِ حاضر جدید ترین ابلاغی اور مواصلاتی دور کہلاتا ہے جس نے پوری دنیا کو ایک عالمی گاؤں کی حیثیت دی ہے۔عالمی سطح پر مختلف بین اللسانی تعامل وتفاعل (Interaction) کو کافی وسعت ملی ہے لہٰذا باہمی استفادہ اور تفہیم کے لیے ایک زبان کے الفاظ، کلمات اوراصطلاحات کو دوسری زبان بالخصوص عالمی رابطے کی زبان انگریزی میں منتقل کرنے (نقلِ حرفی) کا عمل ایک عرصہ سے جاری ہے اورروزبروزاس کی ضرورت واہمیت مزید بڑھ رہی ہے۔علمی و تحقیقی مقالات، مجلات اوردیگر تحریرات بھی مختلف علوم وفنون کے مطالعے، تجزیے اور جائزے سے تعلق رکھتی ہیں، جن میں دنیا کی کئی زبانوں سے واسطہ پڑتا ہے۔اگر علومِ اسلامیہ وشرقیہ کی بات کی جائے تو اس کا علمی تراث زیادہ تر عربی، فارسی، اردو اوردیگر زبانوں میں پایاجاتاہے، جس کو عالمی سطح پر قابلِ رسائی بنانے کے لیے نقلِ حرفی کا سہارالیناپڑتا ہے، جس کے مبادیات کے بارے میں جانناہر تحقیقِ کار کے لیے ازحد ضروری ہے۔یہی زیرِ مضمون کا مرکزی ہدف ہے۔

نقلِ حرفی کا مفہوم

اردو میں "Transliteration" کے لغوی معنی "نقلِ حرفی" کے کیے جاتے ہیں۔اُردو زبان میں نقلِ حرفی کے حوالے سے معلوماتی مطالعاتی موادوافر مقدار میں دستیاب نہیں۔اس کے معانی اوروضاحت مشہوراُردو لغات جیسے نوراللغات، فیروزاللغات وغیرہ میں بھی نہیں ملتے، لہٰذا انگریزی سے انگریزی،انگریزی سے اُردو اور انٹرنیٹ پر آن لائن لغات اوردیگر مضامین کورجوع کرناپڑتاہے۔

آکسفورڈاور کیمبرج ڈکشنری میں Transliterate اور Transliteration کے معانی ہیں:

"(to) write or print (a letter or word) using the closest corresponding letters of a different alphabet or language [(1)], to write a word or letter in a different alphabet [(2)]"

انگریزی سے اُردو لغت میں Transliterate اور Transliteration کے معانی ہیں:

"ایک زبان کے الفاظ دوسری زبان کے حروف میں لکھنا، حرفی یالفظی نقل، نقلِ الفاظ، نقلِ حرفی کرنا۔"[(۳)]

---

(1) Concise Oxford English Dictionary, Edition: 11th

(2) Cambridge Advanced Learner Dictionary (CALD)

(3) Urdu to English and Urdu Dictionary ,pp: 1000, Feroz Sons Limited, Lahore

اُردولغت (آن لائن) میں نقلِ "حرفی" کی وضاحت یوں کی گئی ہے:

"اسمِ کیفیت، (نَقْل حَرْفی) {نَق + لے + حَر + فی} (عربی) کسی زبان کے الفاظ کا تلفظ امکانی صحت کے ساتھ دوسری زبان کے حروف تہجی کے ذریعے ادا کرنا، کسی ایک زبان کے رسم الخط کو کسی دوسری زبان کے الفاظ یا حروف میں منتقل کرنا، انتقال حروف، تحویل حرفی۔"(۱)

پروفیسر ڈاکٹر سعید اللہ قاضی اس کے تعارف میں مختصراً لکھتے ہیں:

"عربی یا اُردو الفاظ کو انگریزی زبان میں منتقل کرنے کے لیے بین الاقوامی سطح پر ایک طریقہ اپنایا گیا ہے، جو ٹرانسلٹریشن (Transliteration) کہلاتا ہے۔" (۲)

ویکی پیڈیا (اُردو) آزاد دائرۃ المعارف میں Transliteration کی درج ذیل تعریف کی گئی ہے:

"نقل حرفی انگریزی (Transliteration) دراصل کسی کلمے یا لفظ کو اس کی ادائیگی یا آواز کے مطابق ایک رسم الخط سے دوسرے رسم الخط میں لکھنے کو کہا جاتا ہے۔ مثلاً اگر کسی بھی زبان کے لفظ کو اردو میں اس کی ادائیگی کے لحاظ سے لکھا جائے جیسے Big Bang کو بگ بینگ تو یہ عمل نقل حرفی کہلائے گا، اس کو تلفظ نویسی بھی کہتے ہیں۔" (۳)

نبیلہ پیرزادہ نے ایک آن لائن جامع تعارفی مضمون "اردو رومن نقل حرفی: ایک ابتدائی تعارف" میں نقلِ حرفی کی وضاحت یوں کی ہے:

"نقلِ حرفی" کسی بھی متن کو ایک تحریری نظام (Writing System) سے باضابطہ انداز میں کسی دوسرے تحریری نظام میں منتقل کرنے کا نام ہے۔ یہ ضرورت عام طور پر اس وقت پیش آتی ہے جب 'ماخذ زبان' (Source Language) ہدف زبان (Target Language) کے مقابلے میں ایک مختلف رسم الخط (Script) میں لکھی جائے۔ جیسا کہ ہر زبان کے حوالے سے ہی مختلف جگہوں، اداروں اور لوگوں کے ناموں وغیرہ کے ضمن میں کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔ مثال کے طور پر انگریزی عبارت میں 'اسلام آباد' یا عامر، صفدر جیسے مشرقی ناموں کو نقل حرفی کے بعد بالترتیب "Islamabad"، "Amir" اور "Safari" لکھا جائے

(۱) نقل-حرفی-http://urdulughat.info/words/58590 (تاریخِ رسائی: 17 اکتوبر 2016ء، وقتِ رسائی: 07:31 AM)

(۲) اصولِ تحقیق، پروفیسر ڈاکٹر سعید اللہ قاضی، ص: ۱۱۵، شیخ زاید اسلامک سنٹر، پشاور، ۱۹۹۲ء

(۳) نقل-حرفی/https://ur.wikipedia.org/wiki (تاریخِ رسائی: 17 اکتوبر 2016ء، وقتِ رسائی: 07:40 AM)

گا۔ نقل حرفی میں ماخذ زبان کے ہر حرف کو ہدف زبان میں منتقل کیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر روسی رسم الخط میں تحریر کیا گیا مصنوعی سیارہ "CTTYTHUK" رومن میں نقل حرفی کے بعد "Sputnik" لکھا جائے گا۔"[۱]

نقلِ حرفی کے متبادل نام

اُردو زبان میں نقلِ حرفی کے مختلف متبادل نام نقلِ حروفی، تحویلِ حرفی، انتقالِ حروف، نقلِ الفاظ، تلفظ نویسی اور کلمہ نویسی سامنے آئے ہیں۔ Transliteration کو بعض اوقات رومنائز کرنا یا خصوصی رومن انداز میں لکھنا (Romanization) بھی کہتے ہیں البتہ یہ اصطلاح اس کے کلّی مفہوم کی ترجمانی نہیں کرتی۔ بہر حال ان تمام متبادل ناموں کے باوجود Transliteration کے لیے مناسب اور مستعمل اصطلاح "نقلِ حرفی" ہی ہے۔

نقلِ حرفی اور نقلِ صوتی میں فرق

نقلِ حرفی کے معنی کبھی نقلِ صوتی بھی کی جاتی ہے تاہم دونوں اصطلاحات ایک دوسرے سے مختلف ہیں لہٰذا نقلِ حرفیاور نقلِ صوتی (Transcription) کے فرق کو پیشِ نظر رکھنا چاہیے۔ نقلِ صوتی میں ماخذ الفاظ (Source Words) کی اصوات یا آوازوں کو حروف کے ذریعے ہدف زبان میں منتقل کیا جاتا ہے[۲]۔ مثلاً اردو لفظ "اصلاحی رسالہ" نقل صوتی میں "Islahee Risala" کے طور پر لکھا جا سکتا ہے جیسا کہ صوتی اعتبار سے یہ درست تلفظ کو پہنچا رہا ہے البتہ درست نقل حرفی کے اعتبار سے اس کو "Iṣlāḥī Risālah" لکھا جائے گا۔

نقلِ حرفی کی مختصر تاریخ

مختلف اداروں، ماہرینِ لسانیات اور دانش وروں نے مختلف اوقات میں نقلِ حرفی کے متعدد طریقے تجویز کیے ہیں ان اداروں میں امریکن لائبریری ایسوسی ایشن (ALA)، انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، برٹش لائبریری، لائبریری آف کانگریس (L.C)، شخصیات میں ڈاکٹر انیس خورشید، پلیٹس (Platts)، شریفی (Sharify)، فوربس (Forbes)، ڈاکٹر قریشی (Dr. Qureshi)، ڈاکٹر ماؤڈ (Dr.

---

[۱] http://www.nlpd.gov.pk/uakhbareurdu/august2011/8.html تاریخِ رسائی: 17 اکتوبر 2016ء، وقت: 08:08 AM)

[۲] http://www.nlpd.gov.pk/uakhbareurdu/august2011/8.html (تاریخِ رسائی: 17 اکتوبر 2016ء، وقت: 08:08 AM)

(Moid)،مُلَر(Muller)اوریوسف علی (Yousuf Ali) قابل ذکر ہیں جن میں سے بعض نافذ العمل اور بعض عدم نافذ ہیں۔

اگرچہ تاحال عالمی سطح پر نقلِ حرفی کا کوئی یکساں نظام اختیار نہیں کیا جاسکا ہے اور ہر نظام دوسرے سے کئی حوالوں سے مختلف ہوتا ہے تاہم یہ امر خوش آئند ہے کہ اب اکثر تحقیقی مقالے، قرآن کریم کے آن لائن ویب سائٹس اور انگریزی ودیگر تراجم، دائرۃ المعارف ، قوامیس، لغات، موسوعات اور تحقیقی مجلّات وغیرہ میں باقاعدہ یہ وضاحت دی جاتی ہے کہ ان میں نقلِ حروفی کے لیے کون سی سکیم اپنائی گئی ہے اور اس کا رہنما جدول بھی دیا جاتا ہے جس سے قارئین، محققین اور دیگر متعلقہ افراد کو سہولت رہتی ہے۔

اسلامی تحقیقات بالخصوص علمی وتحقیقی مجلات میں 'نقلِ حرفی' کا اہتمام

علومِ اسلامیہ وشرقیہ کے انگریزی تحقیقی مقالات اوراردواور عربی میں تحریر کردہ مقالات کے بزبانِ انگریزی ملخصات(Abstracts)وغیرہ میں عربی،اُردو، فارسی،پشتو،ہندی،ترکی اوردیگر زبانوں کے کلمات، اصطلاحات اور مستعار وا جنبی الفاظ کی صوتی تاثیر محفوظ کرنے کے لیے "قلِ حروفی" کا اہتمام کیا جاتا ہے جس سے یہ الفاظ کافی حد تک صحیح طور پر قابلِ تلفظ ہو جاتے ہیں، یعنی غیر اہلِ زبان کے لیے بھی ان کی درست ادائیگی ممکن ہو جاتی ہے۔

سندی تحقیقی مقالات کی طرح مختلف جامعات اور دیگر تحقیقی اداروں سے شائع ہونے والے علومِ اسلامیہ کے علمی وتحقیقی مجلات کے انگریزی مضامین ومقالات (Research Papers/ Articles)اور دیگر مضامین کے انگریزی تلخیصات(Abstracts)میں بھی عربی،اُردو، فارسی، پشتو وغیرہ زبانوں کے کلمات کے لیے "نقلِ حرفی" کا اہتمام کیا جاتا ہے۔اس سلسلے میں بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد کا ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی (Islamic Research Institute) قابلِ ذکر ہے جو اپنے تینوں تحقیقی مجلات اسلامک سٹڈیز(انگریزی)، الدّراسات الاسلامیہ (عربی) اور فکر و نظر (اُردو) کے عموماً آخری اندرونی صفحہ پر عربی،اُردو اور فارسی کلمات(حروف الہجاء)کی انگریزی میں نقلِ حرفی(Transliteration Table)کا جدول دیتے ہیں جس سے مقالہ نگار کو نقلِ حرفی کے قواعد و ضوابط سے شناسائی اور انگریزی میں مقالے کا ملخص تیار کرنے میں رہنمائی ملتی ہے۔ نقلِ حرفی کے اس جدول میں دیگر قواعد کے ساتھ ساتھ زیادہ تر مختلف حروف کے اوپر یا نیچے درج ذیل تین رموز یا علامات کا بکثرت اہتمام کیا جاتا ہے۔

ا)۔ بعض انگریزی حرف / حروف کے اوپر ایک خط (Macron)یعنی (-)لگانا۔

مثلاً:ایمان (Īmān)،اسلام (Islām)،رسول (Rasūl) وغیرہ

۲)۔ بعض انگریزی حروف کے نیچے نقطے (Dots)یعنی(.)لگانا۔

مثلاً: محمد ﷺ (Muḥammad)، طواف(Ṭawāf)وغیرہ

۳)۔ بعض انگریزی حرف/حروف کی خط کشید گی یعنی نیچے خط کھینچنا (Underline)کرنا۔

مثلاً: حدیث (Ḥadī<u>th</u>)، عثمان(‘U<u>th</u>mān) وغیرہ نقلِ حرفی کا مذکورہ جدول حروف تہجی(Letters of the Alphabet) یا حروفِ صحیح (Consonants)،اردو ہائیہ آوازوں(Aspirates) کی دوہری ترسیم (Diagraph)، طویل حرفِ علت(Long Vowel)، دو علتیہ/دو مصوتہ حروف(Diphthong)اوران سب کے رومن نقل حرفی کوڈز(Transliteration Code) اور ہر ایک کی چند مختصر وضاحتی مثالوں(بطور نمونہ) کے ساتھ ذیل میں پیشِ خدمت ہے۔

عربی،اُردو اور فارسی حروف الہجاء کی انگریزی میں نقلِ حرفی

حروف الہجاء	نقلِ حرفی کوڈ	وضاحتی مثالیں
ا	a	الانفال*al-Anfāl*،دار *dār*، ابو*Abū*، احزاب*Aḥzāb*
أ/ء	‘	خلائف*khalā’if*،الاسماءالحسنہ*al-asmā’al-Ḥusnā*
ب	b	البقرۃ*al-Baqarah*،ابواب*abwāb*،کتاب*kitāb*
پ	p	پیر*Pīr*،پاک*Pāk*،پارسی*Pārsī* ، پابندی*pābandī*
ت	t	تابعون*Tābi‘ūn*،التوبۃ*al-Tawbah*،استحسان*Istiḥsān*
ٹ	<u>t</u>	ٹیپو*<u>T</u>īpu*، ٹھوس*<u>Th</u>os*،ٹوپی*<u>T</u>opī*،ماسٹر *Mās<u>t</u>ar*
ث	th	الدرلمنثور*al-Durr al-Manthūr*،الجاثیۃ*al-Jāthiyah*
ج	j	جلال الدین *Jalāl al-Dīn*،اجماع*Ijmā‘*،جرجانی*Jurjānī*
چ	ch	چاریار*Chāryār*، غنچہ*Ghuncha*،باغیچہ*Bāghīcha*
ح	ḥ	الحجر*al-Ḥijr*،الحاکم*al-Ḥākim*،الحلوانی*al-Ḥalwānī*
خ	kh	خلیفۃ*Khalīfah*،البخاری*al-Bukhāri* ، اَخ*Akh*

*Da ʿwah*دعوۃ، *ʿibādah* عبادۃ، *dirāyah*درایۃ	d	د
*ḍakār*ڈکار، *ḏhīlā*ڈھیلا، *ḍākah*ڈاکہ	ḍ	ڈ
Dhimmī ذمّی، *hādhā*ھٰذا، *Adhan*اذان، *Dhikr*ذکر	dh	ذ
*al-Raḥmān*الرحمٰن، *riwāyah*روایۃ، *al-Rāzī*الرازی	r	ر
*pahaṛ*پہاڑ، *laṛke*لڑکے	ṛ	ڑ
zak*ā*hزکوٰۃ، Tarb*ū*zتربوز، muz*āḥ*amatمزاحمت	z	ز
Muzda مژدہ، *z̲āla*ژالہ	z̲	ژ
*Rasm*رسم، *Salām*سلام، *al-Isrā'*الاسراء، *Sanad*سند	s	س
*shahādah*شھادۃ، *Mishkāt*مشکوٰۃ، *Sharī ʿah*شریعۃ	sh	ش
Ṣabr صبر، *Ṣadaqah* صدقۃ، *Ṣ*awmصوم، *Ṣaḥīḥ*صحیح	ṣ	ص
*żarurat*ضرورت (ż) اُردو/فارسی، ḍarar ضرر (ḍ)عربی	ḍ/ż	ض
*Bāṭil*باطل، *al-Ṭabarī* الطبری، *al-Suyūṭī* السیوطی	ṭ	ط
*ẓālim*ظالم، *ẓuhr*ظہر، *ʿAẓīmābādī*عظیم آبادی	ẓ	ظ
*ʿālam*عالم *al-A ʿraf*الاعراف، *ʿUrf*عرف *Sa ʿd*سعد	(ʿ)(1)	ع
*Maghāzī*مغازی، *Ghāshiyah*غاشیۃ، *Gharīb*غریب	gh	غ
*Fāsid*فاسد، *Falsafah*فلسفہ، *Fuqahā'*فقہاء، *Fiqh*فقہ	f	ف
*Qiṣāṣ*قصاص، *al-Qawā ʿid*القواعد، *Qur'ān*قرآن	q	ق
*al-Kalām*الکلام، *Kufr*کفر، *ahl al-Kitāb*اہلِ کتاب	k	ک
*guzarāh*گزارہ، *gulāb*گلاب	g	گ
*Tha ʿlabi*ثعلبی، *ʿilm*علم، *Isrā 'ililyyāt*اسرائیلیات	l	ل
*Muḥāraba*محاربہ، *Mansūkh*منسوخ، *Mafātīh*مفاتیح	m	م
*Tadwīn*تدوین، *Qānūn*قانون، *Sunan* سنن، *Nāsikh*ناسخ	n	ن

(1) Elevated Inverted Comma (یعنی اُوپر بلند علامتِ سکتہ)

و	w/v	عربی (w) داؤد *Dāwūd*، اُردو اور فارسی (v) پرورش *Parvar-ish*
و	wa/-o	عطف: عربی (wa) والسیر *wal-Siyar*، النووی، اردو/فارسی (-o) Fikr –o – Naẕar
ہ	h	ہودؑ *Hūd*، اجتہاد *Ijtihād*، مہدی *Mahdi*، مذہب *Madhhab*
ۃ	ah/at	غیر ملفوظ صورت میں (ah) مثلاً امانۃ *amanāh*، ملفوظ صورت میں (at)
ی	y	قیاس *Qiyās*، غیب *Ghayb*، یوم *Yawm*، یاجوج *Ya᾽jūj*
ال	al-/'l	حروفِ قمری و شمسی سے قبل (al-) مثلاً الطبقات الکبریٰ *al-Tabqāt al-Kubrā*، قابلِ تلفظ صورت میں ('l)

اُردو کی ہائیہ آوازوں (Aspirates) کے اظہار کیلئے دوہری ترسیم (Diagraphs) کی نقلِ حرفی

بھ	bh	بھول *bhūl*، بھوک *bhūk*، بھکاری *bhikārī*
پھ	ph	خط کشیدہ انگریزی حروف (ph)، مثلاً: پھول *phūl*، پھوٹ *phūṭ*
تھ	th	خط کشیدہ انگریزی حروف (th)، مثلاً: تھوک *thūk*، تھانوی *Thānvi*
ٹھ	th	خط کشیدہ انگریزی حروف (th) بشمول "t" دوہرا خط کشیدہ ٹھاٹھ *thāth*
جھ	Jh	خط کشیدہ انگریزی حروف (jh)، مثلاً: جھول *jhūl*، جھوٹ *jhūṭ*
چھ	ch	خط کشیدہ انگریزی حروف (ch)، مثلاً: چھوٹ *chūṭ*، اچھوت *Achūt*
دھ	dh	خط کشیدہ انگریزی حروف (dh)، مثلاً: دھول *dhūl*، دھوپ *dhūp*
ڈھ	dh	خط کشیدہ انگریزی حروف (dh) بشمول "d" دوہرا خط کشیدہ
ڑھ	ṛh	خط کشیدہ حروف (rh) بشمول "r" نیچے نقطہ کے ساتھ (Dotted) گڑھ Gaṛh
کھ	kh	خط کشیدہ انگریزی حروف (kh)، مثلاً: کھاد *khād*، کھوج *khoj*
گھ	gh	خط کشیدہ انگریزی حروف (gh)، مثلاً: گھات *ghāt*، گھاٹ *ghāṭ*

حروفِ علّت(Long/Short Vowels)اوردوعلتیہ حروف(Dipthongs)کی نقلِ حرفی

ـَـا/آ	Ā	مثلاً امام*Imām*،انساب*Ansāb*،رجال*Rijāl*
آ	Ā	جب کسی لفظ کے شروع میں ہو، آثار*āthār*، آلِ عمران*Āl ʻImrān*
ـِـي	Ī	مثلاً التين*al-Tīn*
ـُـو (عربی)	ū	مثلاً سورة الروم*Sūrah al-Rūm*،،نوحؑ*Nūḥ*،موسیٰؑ*Mūsā*
ـُـو (اُردو)	ō	فروٹ *farōṯ*
زبر ـَـ	a	A
زیر ـِـ	i/-i	عربی:i،مثلاً تابعون*Tābiʻūn*،اُردو/فارسی:i-
پیش ـُـ	u	اصول*Usūl*،خُلفاء*Khulafāʼ*،السنة*Al-Sunnah*
ـَـو	aw/au	عربی:aw،اُردو/فارسی:au
یَ/ـَے		عربی:ay،اُردو/فارسی:ai

وّ،یّ مشددہ(Dobouled) کی نقلِ حرفی[1]

ـُـوّ	uww/uvv	عربی:uww،اُردو/فارسی:uvv
ـِـيّ	iyy	Iyy

نقلِ حرفی کے مذکورہ بالا جدول کو متذکرہ مجلات کے علاوہ دیگر جرائد نے بھی اختیار کیا ہے،اوروہ اپنے مقالہ نگاروں یا شرکاءِ مجلّہ(Contributors)کو اس کی پاسداری کی ہدایات دیتے ہیں جن کی تفصیل ذیل میں پیش کی جاتی ہے۔

---

(1) ہر مشدّد حرف کو دودفعہ لکھاجاتاہے جیسے رب Rabb [اصولِ تحقیق، پروفیسر ڈاکٹر سعید اللہ قاضی، ص:۱۱۵،جامعہ پشاور،۱۹۹۲ء

۱. سہ ماہی مجلہ اسلامک سٹڈیز ادارہ تحقیقات اسلامی (انگریزی) میں نقلِ حرفی کا مذکورہ بالا جدول مجلہ کے ہر شمارہ کے آخر میں Transliteration Table کے نام سے دیا جاتا ہے اور ساتھ ہی یہ رہنمائی دی جاتی ہے:

"**Loan Words and Foreign Words:** Words in Arabic, Persian, Turkish and Urdu should follow this journal's transliteration scheme and conform to the transliteration system shown in the transliteration table of *Islamic Studies* (1)"

۲. سہ ماہی مجلہ الدرسات الاسلامیہ (عربی) ادارہ تحقیقات اسلامی میں یہ "**طريقة كتابة الكلمات العربية والأوردية والفارسية بالحروف الانجليزية المتبعة في هذه المجلة**" (۲) البتہ اس میں دوہائیہ الفاظ کی وضاحت نہیں دی گئی کیوں کہ اس کا اطلاق زیادہ تر اردو میں ہوتا ہے۔

۳. سہ ماہی مجلہ "فکر و نظر" ادارہ تحقیقات اسلامی کے ایک شمارہ میں مقالہ نگاروں کے لیے تجاویز اور مقالات کی اشاعت کے طریقِ کار کے زیرِ عنوان ذکر شدہ چھ شرائط میں سے درج ذیل شرط کا تعلق "نقلِ حرفی" سے ہے:

"مقالے بالخصوص خلاصے (Abstract) میں شامل غیر انگریزی الفاظ کی نقلِ حرفی کے لیے ادارے کے مجلے Islamic Studies کے جدول اور فونٹ اختیار کیا جائے۔" (۳)

مذکورہ بالا جدول مجلہ کے آخر میں "فکر و نظر میں اردو (وعربی وفارسی) کلمات کی انگریزی میں نقلِ حرفی کا جدول (Transliteration Table)" کے عنوان سے دیا جاتا ہے۔

۴. دعوۃ اکیڈمی، اسلامک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ، انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی، اسلام آباد کے سہ ماہی انگریزی علمی و تحقیقی مجلہ Insight میں نقلِ حرفی کے بارے میں وہی ہدایات اور جدول فراہم کیا جاتا ہے جن کا تذکرہ اوپر مجلہ اسلامک سٹڈیز کے ضمن میں کیا گیا ہے (۴)۔

---

(1) Islamic Studies (Research Journal), Vol: 49, No. 1, pp: Inner end page, Islamic Research Institute, Islamabad, spring 2010.

(۲) (Transliteration System followed in this Journal) یعنی مجلہ میں اختیار کیا گیا نقلِ حرفی کا جدول کے نام سے دیا جاتا ہے۔ مجلہ الدراسات الاسلامیہ، جلد:۴۹، عدد:۴، ص:۲۴۱، مجمع البحوث الاسلامیہ، الجامعۃ الاسلامیۃ العالمیۃ، اسلام آباد، اکتوبر-دسمبر ۲۰۱۴ء

(۳) سہ ماہی فکر و نظر، مشمولہ: فکر و نظر کا تعارف اور مقالہ نگاروں کے لیے تجاویز، تحریر: ادرہ، جلد:۸۲، شمارہ:۲، ص:۳، ادارہ تحقیقات اسلامی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد، اکتوبر-دسمبر ۲۰۱۴ء

(4) Quarterly Insight, (Focused on Faith Studies), Vol: 3, No. 2-3, pp: Inner end page, Da'wah Academy, International Islamic University, Islamabad, winter 2010-spring 2011.

۵۔ جامعہ پشاور (خیبر پختونخوا) کے ششماہی علمی و تحقیقی مجلہ پشاوراسلامیکس کے ہر شمارہ کے آغاز میں اندرونی پسِ ورق پر بھی نقل حرفی کا یہی جدول دیاجاتاہے البتہ اس کی ایک نمایاں خوبی یہ ہے کہ اس میں پشتوزبان کے لیے انتقالِ حروف کااضافہ بھی کیاگیاہے۔ مستعاراورا جنبی الفاظ:اگر انگریزی زبان میں مضمون تحریر کرناہو تو اس میں وارد عرب،فارسی، ترکی، پشتواوراردوزبانوں کے الفاظ پشاوراسلامیکس کے ٹرانسلیٹریشن نظام(جوسوائے پشتوکے مجلہ اسلامک سٹڈیز، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی،اسلام آباد کے نظام پر مبنی ہے) کے مطابق لکھے ہوئے ہوں یہی ہدایت ان مضمون نگاروں کے لیے بھی ہے جو اپنے اردویاعربی مضامین میں سے چند الفاظ یا اصطلاحات انگریزی میں تحریر کرناچاہیں۔''[۱]

۶۔ جامعہ پشاور ہی کے ایک اورسالانہ مجلہ ''پیوٹاج دراساتِ شرقیہ[۲]'' کے ہر شمارہ کے آغاز میں نقلِ حرفی کے حوالے سے یہی ہدایات دی جاتی ہیں جو اوپر پشاوراسلامیکس کے ضمن میں ذکر کی گئیں البتہ ہر شمارہ کے آغاز میں نقلِ حرفی کاجدول نہیں دیاجاتا یا شاید شائع کرنے سے سہواًرہ جاتاہے[۳]۔

۷۔ یونیورسٹی آف سائنس اینڈ ٹیکنالوجی بنوں، خیبر پختونخواکے ششماہی تحقیقی مجلے ''برجس''[۴] میں بھی نقلِ حرفی کے حوالے سے وہی ہدایات دی جاتی ہیں،جو اوپر پشاور اسلامیکس اور پیوٹاج دراساتِ شرقیہ کے ضمن میں ذکر کی گئیں اور مجلہ کے آخر میں صرف عربی نقلِ حرفی جدول دیا جاتا ہے[۵]۔

۸۔ پاکستان مجلس تحقیق برائے معاشرتی علوم، ادارہ معارف اسلامی، کراچی کے ششماہی مجلہ تحقیق معارف میں بھی مذکورہ بالاجدول دیا جاتا ہےاور اس حوالے سے درج ذیل ہدایات دی جاتی ہیں:

> ''عربی اوراردوزبان کے کلمات کیلئے انگریزی (نقلِ حرفی) دی گئی ہے۔مقالہ نگاراسے ملحوظ رکھیں۔البتہ اسمِ علم کواس طرح لکھاجائے جس طرح خود مسمی لکھتاہے۔''[۶]

---

(۱) ششماہی پشاوراسلامیکس، مشمولہ: مقالہ نگار خواتین وحضرات کی خدمت میں چند ضروری گزارشات، تحریر: ادرہ، جلد: ۵، شمارہ: ۲، ص: نمبر ندارد، جامعہ پشاور، جولائی-دسمبر ۲۰۱۴ء

(2) PUTAJ (Peshawar University Teachers Association Journal)- Oriental Studies

(۳) سالانہ مجلہ پیوٹاج دراساتِ شرقیہ، جلد: ۱۹، ص: نمبر ندارد، انجمن اساتذۂ جامعہ پشاور (PUTA)، جامعہ پشاور، ۲۰۱۲ء

(4) BURJIS: Bannu University Research Journal of Islamic Studies

(۵) ششماہی برجس، جلد: ۱، ش: ۱، ص: نمبر ندارد، یونیورسٹی آف سائنس اینڈ ٹیکنالوجی بنوں، جنوری-جون ۲۰۱۴ء

(۶) شش ماہی معارف مجلّہ تحقیق، پاکستان مجلس تحقیق برائے معاشرتی علوم، ادارہ معارف اسلامی، کراچی، جولائی تادسمبر ۲۰۱۳، ص: ۴

۹. اسی طرح آکسفورڈیونیورسٹی پریس برطانیہ کے زیراہتمام شائع ہونے والے معروف علمی و تحقیقی مجلے Journal of Islamic Studies میں ٹرانسلٹریشن کا ایک جدول دیا جاتا ہے، جو عربی، فارسی، ترکی اور اُردو کلمات پر مشتمل ہے۔

سطورِ بالا میں علمی و تحقیقی مجلات میں نقلِ حرفی کے حوالے سے رہنمائی کی چند مثالیں ذکر کی گئی ہیں۔ پاکستان میں اس وقت علوم اسلامیہ کے مجال میں ہائیر ایجوکیشن سے منظور شدہ یا ان کے طرز پر ۲۵ سے زائد تحقیقی مجلات نکلتے ہیں، مگر ان میں نقلِ حرفی کے حوالے سے رہنمائی نہیں ملتی۔ اسی طرح علومِ اسلامیہ میں اصولِ تحقیق کے حوالے سے ایک درجن کے قریب اردو کتب تاحال شائع ہوئی ہیں مگر ان میں بھی عموماً اس موضوع کو زیرِ بحث نہیں لایا گیا ہے۔ البتہ پروفیسر ڈاکٹر سعید اللہ قاضی نے اپنی کتاب 'اصولِ تحقیق' کے باب یازدہم میں دو صفحات پر مشتمل رہنما جدول دیا ہے اور آخر میں چند مثالیں بھی ذکر کی ہیں[۱]۔ اسی طرح محققین کے لیے تحقیقی اسالیب و موضوعات پر مشتمل جامعہ پشاور کے پشاور کے مختصر کتابچہ رہنمائے تحقیق میں خاکہ اور مقالۂ تحقیق کے رہنما منہج میں بھی اس کا مختصر تذکرہ کیا گیا ہے[۲]۔

اردو دائرہ معارفِ اسلامیہ میں نقلِ حرفی کے حوالے سے اگرچہ کوئی مضمون شامل نہیں ہے تاہم اس کے ہر جلد کے ابتدائی تعارفی صفحات پر "علامات ورموزواعراب" کے ضمن میں "متبادل حروف" کے عنوان سے اردو و عربی حروف اور ان کا رومن انگریزی متبادل دیا گیا ہے[۳] جو نمونے کے طور پر اس مضمون کے آخر میں منسلک ہے۔

نقد و تبصرہ

پاکستان میں تمام علمی و تحقیقی ادارے اپنے مقالات اور مجلات میں نقلِ حرفی کی روایت کی پاسداری نہیں کرتے بلکہ بہت کم سطح پر اس کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ نقلِ حرفی میں عموماً غلطیوں کا بہت امکان ہوتا ہے کیوں کہ بہت کم افراد نقلِ حرفی کے طلاق کے اصول (Rules of Application) اور درست تکنیکی طریقہ کار سے واقف ہوتے ہیں۔ نقلِ حرفی کو آسان اور مقبولِ عام بنانے کے لیے تعلیمی و تحقیقی اداروں میں آگہی سیشنز کے ساتھ ساتھ ایک یکساں نظام کی معیاربندی کی بھی ضرورت ہے، جس میں الفاظ کی صوتی ادائیگی اور درست املاء دونوں کو برقرار

---

(۱) اصولِ تحقیق، پروفیسر ڈاکٹر سعید اللہ قاضی، شیخ زاید اسلامک سنٹر، پشاور، ۱۹۹۲ء، ص:۱۱۵-۱۱۶

(۲) رہنمائے تحقیق، پروفسر ڈاکٹر قبلہ ایاز/پروفیسر ڈاکٹر معراج الاسلام ضیاء، اشاعت اکیڈمی، پشاور، ۲۰۰۹ء، ص:۵

(۳) مختصر اردو دائرہ معارفِ اسلامیہ، مشمولہ: علامات ورموزواعراب،، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، بارِ دوم: مارچ ۲۰۰۳ء

رکھا جائے تاکہ ماہرینِ لسانیات کے علاوہ نقلِ حرفی کے اصول سے ناواقف عام افراد کے لیے بھی اس سے استفادہ ممکن اور آسان ہو۔

ذیل میں چند ایک تحقیقی مجلات کے جدولِ نقلِ حرفی پیش ہیں۔ جن میں اسلامک اسٹڈیز، الدراسات الاسلامیہ، فکر ونظر،Insight، ششماہی تحقیقی مجلہ ،پشاوراسلامیکس،یونیورسٹی آف پشاور، برجس،یونیورسٹی آف سائنس اینڈ ٹیکنالوجی، بنوں، ششماہی تحقیقی مجلہ البصیرہ،نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگو نجز،اسلام آباد، جرنل آف اسلامک سٹڈیز، آکسفورڈیونیورسٹی پریس برطانیہ، اُردو دائرہ معارف اسلامیہ میں دیئے گئے ”متبادل حروف“ قابل ذکر ہیں۔

(ا) اسلامک اسٹڈیز،الدراسات الاسلامیہ،فکرونظر،Insight

ا	a	ڈ	ḍ	غ	gh	بھ	bh	***Long Vowels***		
ب	b	ذ	dh	ف	f	پھ	ph	ا		Ā
پ	p	ر	r	ق	q	تھ	th	آ		Ā
ت	t	ڑ	ṛ	ک	k	ٹھ	ṭh	ی	( )	Ī
ٹ	ṯ	ز	z	گ	g	جھ	jh	و	( )	Ū
ث	th	ژ	z̲	ل	l	چھ	ch	و	*Urdu*	Ō
ج	j	س	s	م	m	دھ	dh	ے	*Urdu*	é
چ	ch	ش	sh	ن	n	ڈھ	ḍh	***Short Vowels***		
ح	ḥ	ص	ṣ	ں	ṇ	ڑھ	ṛh	ــَـ		A
خ	kh	ط	ṭ	ھ	h	کھ	kh	ــِـ		I
د	d	ظ	ẓ	ی	y	گھ	gh	ــُـ		u

أ (ء), when it appears at the middle or end of a word, is transliterated as elevated comma (‘) followed by the letter representing the vowel it carries. However, when أ appears at the beginning of a word it will be represented only by the letter representing the vowel it carries.
ع is transliterated as elevated inverted comma (’).
ض as an Arabic letter is transliterated as (ḍ) and as a Persian/

Diphthongs		
ــَـوْ	*Arabic*	Aw
	Urdu	Au
	Turkish	Ev
ــَـ	*Arabic*	Ay
	Urdu	Ai

Turkish/ Urdu letter as (ż). و *as an Arabic letter is transliterated as (w) and as a Persian/ Turkish/ Urdu letter is transliterated as (v).* ۃ *is transliterated as (ah) in pause form and as (at) in construct form.* *Article* ال *is transliterated as (al-) whether followed by a moon or a sun letter, however, in construct form it will be transliterated as (ʻl).* و *as a Persian/Urdu conjunction is transliterated as (-o) whereas an Arabic conjunction* و *is transliterated as (wa).* *Short vowels (◌ِ) in Persian / Urdu Possessive or adjectival form is transliterated as (-i).*	ے	*Turkish*	Ey
	Doubled		
	ُوّ	*Arabic*	Uww
		Persian	Uvv
		Urdu	Uvv
	ِيّ		Iyy

(۲) ششماہی تحقیقی مجلہ، پشاور اسلامیکس، یونیورسٹی آف پشاور

Arabic	Pashto	Urdu	Arabic	Pashto	Urdu	Arabic	Pashto	Urdu
ء '	'	'	ر r	r	r	ک k	ک	K
ا a	a	a	ڑ -	ړ rr	rr	گ-	ګ g	G
ب b	b	b	ز z	z	z	ل l	L	L
پ-	p	p	ژ -	zh	zh	م m	M	M
ت t	t	t	ږ -	g	-	ن n	N	N
ٹ-	tt	tt	س s	s	s	و w	v/u	v/u
ث th	th	th	ش sh	sh	sh	ه h	H	H
ج j	j	j	ښ -	kh	-	ي y	Y	Y
چ -	ch	ch	ص ṣ	ṣ	ṣ	**Vowels**		
ځ -	z	-	ض ḍ	ḍ	ḍ	**Short**	**Long**	**Doubled**
څ -	s	-	ط ṭ	ṭ	ṭ	a	ā Ā	UWW/UVV

ح ḥ	ḥ	ḥ	ظ ẓ	ẓ	ẓ	i u	ī Ī ū Ū	
خ kh	kh	kh	ع‘	‘	‘			
د d	d	d	غ gh	Gh	gh			
ڈ -	ڈ <u>dd</u>	<u>dd</u>	ف f	F	f			
ذ dh	dh	dh	ق q	Q	q			

(۳) ششماہی تحقیقی مجلہ، برجس، یونیورسٹی آف سائنس اینڈ ٹیکنالوجی بنوں

Table 1: Transliteration Table of Consonants

ب	b	ذ	dh	ط	ṭ	ل	l
ت	t	ر	R	ظ	ẓ	م	m
ث	th	ز	Z	ع	‘	ن	n
ج	j	س	S	غ	gh	ھ	h
ح	ḥ	ش	sh	ف	f	و	w
خ	kh	ص	ṣ	ق	q	ء	’
د	d	ض	ḍ	ک	k	ي	y

Table 1: Transliteration Table of Vowels and Diphtongs

ـَـ a	ـَـ ی ā	ـَـ و aw	ـُـ وّ uww, ū (in final position)
ـِـ i	ـِـ ی ī	ـَـ ی ay	ـِـ يّ iyy, ī (in final position)
ـُـ u	ـُـ و ū		

(۴) تحقیقی مجلہ، البصیرہ، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگوئجز، اسلام آباد

Urdu				Arabic				Urdu Digraphs	
ا	a	ص	ṣ	ا	A	ف	f	بھ	bh
ب	b	ض	ż	ب	B	ق	q	پھ	ph
پ	p	ط	ṭ	ت	T	ك	k	تھ	th
ت	t	ظ	ẓ	ث	Th	ل	l	ٹھ	th
ٹ	ṯ	ع	‘	ج	J	م	m	جھ	jh
ث	th	غ	Gh	ح	ḥ	ن	n	چھ	ch
ج	J	ف	F	خ	Kh	و	w	دھ	dh
چ	ch	ق	Q	د	D	ه	h	ڈھ	ḍh
ح	ḥ	ک	K	ذ	Dh	ء	’	ڑھ	rh
خ	kh	گ	G	ر	R	ي	y	کھ	kh
د	d	ل	L	ز	Z			گھ	gh
ڈ	ḏ	م	M	س	S				
ذ	dh	ن	N	ش	Sh				
ر	r	ں	N̲	ص	ṣ				
ڑ	ṟ	و	V	ض	ḍ				
ز	z	ہ	H	ط	ṭ				
ژ	ẕ	ء	’	ظ	ẓ				
س	s	ي	Y	ع	‘				
ش	sh	ے	Y	غ	gh				

Short Vowels (AR-UR)		Long Vowels (AR-UR)		Diphthongs			
				Arabic		Urdu	
ـَ	a	ـَى / یٰ	Á	ـَوْ	aw	ـَو	au
ـِ	i	ـَا / آ	Ā	ـَيْ	ay	ـَیٔ/ـَے	ai
ـُ	u	ـِی	Ī	ـَيّ	ayy		
		ـُو	Ū	ـِيّ	iyy		
		ـَوْ	ō (ur)	ـُوّ	uww		
		ـَے	ē (ur)				

- Letter (ء) is not transliterated when at the beginning.
- Article (ال) is transliterated as (al-), and as (’l) in construct form, whether followed by a moon or a sun letter.
- (ـــة) is transliterated as (ah) in pause form and as (at) in construct form.

- (و) as a Urdu conjunction is transliterated as (o).

(۵) جرنل آف اسلامک سٹڈیز، آکسفورڈ یونیورسٹی پریس برطانیہ

Ar = Arabic, Pr = Persian, OT = Ottoman Turkish, Ur = Urdu

Arabic	Pr	OT	Ur	Arabic	Pr	OT	Ur
ء ʼ	ʼ	ʼ	ʼ	ض ḍ	ḍ	ḍ	ḍ
ب b	b	B	b	ط ṭ	ṭ	ṭ	ṭ
پ -	p	P	p	ظ ẓ	ẓ	ẓ	ẓ
ت t	t	T	t	ع ʻ	ʻ	ʻ	ʻ
ٹ -	-	-		غ gh	gh	gh	Gh
ث th	th	Th	th	ف f	f	f	F
ج j	j	C	j	ق q	q	q	Q
چ -	ch	Ch	ch	ک k	k/g	k/g	K
ح ḥ	ḥ	ḥ	ḥ	گ g	g	g	G
خ kh	kh	Kh	kh	ل l	l	l	L
د d	d	D	d	م m	m	m	M
ڈ -	-	-	ḍ	ن n	n	n	N
ذ dh	dh	Dh	dh	ہ h	h	h[1]	h[2]
ر r	r	R	r	و w	v/u	v	v/u
ز z	z	Z	z	ی y	y	y	Y
ڑ -	-	-	ṛ	ۃ- a[1]			-a[2]
ژ -	zh	J	zh	ال al[3]			ق q
س s	s	S	s	1. When not final			
ش sh	sh	Ş	s	2. -at in construct state			
ص ṣ	ṣ	ṣ	ṣ	3. (article) al- or l-			

		Arabic & Persian	Urdu	Ottoman Turkish

Long	a آ و ي	**Ā** **Ā** **ū** **ī**	**ā** **Ā** **ū** **ī**	**ā** **-** **ū** **ī**
Doubled	یّ وّ	iyy (final form ī) uww (final form ū)	īy (final form ī) uv	īy (final form ī) uvv (for Persian)
Diphthongs	و ی	au or aw ai or ay	au ay	ev ey
Short	ـَ ـُ ـِ	a u i	a u i	a or e u or ū/ o or ô i

<u>Urdu Aspirated Sounds</u>

For aspirated sounds not used in Arabic, Persian and Turkish add h after the letter and underline both the letters e.g. جھ <u>jh</u>, گھ <u>gh</u>.

For Ottoman Turkish, modern Turkish orthography may be used.

(۲) اُردو دائرہ معارف اسلامیہ میں دیئے گئے "متبادل حروف"

Ph	پھ	P	پ	bh	بھ	b	ب
ṫh	ٹھ	ṫ	ٹ	th	تھ	t	ت
č	چ	Djh	جھ	dj	ج	<u>th</u>	ث
D	د	<u>Kh</u>	خ	ḥ	ح	čh	چھ
<u>Dh</u>	ذ	ḋh	ڈھ	ḋ	ڈ	dh	دھ
ṛh	ڑھ	ṛ	ڑ	rh	رھ	r	ر
<u>sh</u>, ch	ش	S	س	ž, zh	ژ	z	ز

z̠	ظ	ṭ	ط	ḍ	ض	ṣ	ص
ḳ	ق	F	ف	g̲h̲	غ	’	ع
Gh	گھ	G	گ	kh	کھ	k	ک
Mh	مھ	M	م	lh	لھ	l	ل
H	ہ	W	و	nh	نھ	n	ن
				y	ی	‘	ء

شیخ احمد سرہندی کے تجدیدی کارنامے

Sir Syed Ahmed Khan's Reformative Steps

ڈاکٹر طاہر خان*

ABSTRACT

History itself is an evidence of the fact that whenever Islam faced any danger, it was saved by personalities, who through their spiritual power not only saved it but gave it a new life. Shaykh Ahmad Sirhandi (1564-1624) popularly known as Mujadid Alf Thani (reviver of Islam during the second millennium) was an Indian Islamic scholar from Punjab. He belonged to Naqshbandi Sufi school of thought.

In the times of Shaykh Ahmad Sirhandi, Islam was under great threat. Its future was unpredictable, its spirit was deteriorated and its teachings were misinterpreted. Akbar's policy of 'divine faith' and religious syncretism welcomed the anti-Islamic ideologies; at this hour of turmoil Mujadad Alf-Sani came in front to restore and revive the glory of Islam.

The revival movement of Shaykh Sirhindi crusaded against all evils prevailing in the socio-politico-religious sphere of the community of India. Religiously, his movement became an antithesis of Akbar's Divine Faith and his Philosophy as irreconcilable to Akbar's reconciliation with Hinduism and Christianity. Socially, the Muslim community had become a victim to adulteration with socio-religious practices of Hinduism. The enforcement of Din-e-Elahi badly affected the Muslim fundamentalism and their spirits towards Islam. Politically, Akbar's concept of sovereignty such as Zil-e-Elahi made another attack on Islamic concepts of sovereignty of Allah and the practice of prostration before the emperor demoralized the Islamic concept of the supremacy of God. Spiritually and ideologically, the Muslims were discomfited and scattered.

Shaykh Sirhindi undertook the job of purifying Muslim society off un-Islamic tendencies by sending a number of his disciples in all directions to preach true Islam. He exposed the fallacy of Din-e-Ilahi and came out with full vigour the influence of that satanic creed. He worked hard to restore the original teachings of Islam and emphasized the concept of "Tauheed".

Keywords: *Shaykh Ahmad Sirhandi, Mujadad Alf-Sani, Akbar, Din-e-ellahi, movement.*

---

* سینئیر ٹیچر، ایف جی ہائی سکول، واہ کینٹ

شیخ احمد سرہندی نے اپنی اصلاحی تحریک کا آغاز قیام آگرہ سے شروع کیا، لیکن اس کا باقاعدہ آغازخواجہ محمد باقی باللہ کی بیعت کے بعد۱۵۹۹ء میں ہوا۔اکبر بادشاہ کے عہد کے آخری سالوں میں آپ کا زیادہ تر قیام لاہور اور سرہند میں رہا۔اس وقت آپ نے دور اندیشی سے کام لیتے ہوئے اکبر بادشاہ کے قہر اور جبر کے سامنے خاموش تبلیغ و اصلاح کا کام کیا۔شہنشاہ اکبر کی وفات کے بعد آپ نے اعلانیہ تبلیغ و اصلاح شروع کی۔

خواجہ باقی باللہ کے توسط سے آپ کے مراسم اعیانِ مملکت سے قائم ہوچکے تھے۔آپ نے اپنے ذاتی کردار سے بھی بہت سے افراد کو متاثر کیا۔شیخ احمد سرہندی نے تبلیغ و اصلاح کے مختلف طریقے اور ذرائع استعمال کر کے ٹھوس اور عملی اقدامات کیے۔آپ نے عہد اکبری میں خرابیاں پیدا کرنے والے اسباب کا پتہ چلا کر ان کا تدارک کیا۔بادشاہ اور عوام اتباع شریعت سے فرار چاہتے تھے۔غیر مسلموں کے افکار و خیالات اپنا کر وہ دین اسلام سے دور ہوگئے۔بعض غلط کار صوفیا نے شریعت کو طریقت سے علیحدہ کر دیا اور شریعت کی پابندی عام کیلئے ضروری قرار دی اور خواص کو اس سے مستثنیٰ کر دیا۔

وحدۃ الوجود[۱] کے نازک ترین نظریے کی غلط تشریح سے عوام میں قیامت برپا ہوگئی۔اس کے مطابق کائنات میں اللہ کے علاوہ کوئی وجود نہیں ہے۔لوگوں کیلئے یہ الجھن پیدا ہوگئی کہ جب سب کچھ وہی ذات ہے ،تو پھر کس کی عبادت کی جائے؟ اس طرح ایک ایسا طبقہ پیدا ہوگیا جو عبادت اور جنت و دوزخ کا قائل نہ تھا۔شیخ احمد سرہندی نے اصلاح کیلئے انقلابِ سلطنت کی بجائے نظریاتِ سلطنت کی تبدیلی کو مفید تصور کیا، اس طرح آپ نے بادشاہ وقت کی اصلاح سے پیشتر کارکنان کی اصلاح کی۔

تجدیدی طریقہ کار کی ترتیب

الف: غیر سرکاری سنجیدہ طبقہ کی اصلاح

ب : ارکان دولت کی اصلاح

ج : بادشاہ وقت کی اصلاح

اللہ نے آپ کی عظمت ، جلال اور محبت لوگوں کے دلوں میں ڈال دی جن کو حکومت میں اثر و رسوخ حاصل تھا،آپ نے از خود ان کی تعلیم و تربیت فرمائی اور خیالات و افکار کو درست کیا۔شریعت اسلامی

---

(۱) اس نظریے کا بانی شیخ محی الدین ابن عربی ہے۔اس نظریے کے مطابق اللہ تعالیٰ نے سب اشیاء کو پید اکیا اور وہ خود ان اشیاء کا جوہر اصلی ہے۔(سید قاسم محمود: اسلامی انسائیکلوپیڈیا، ص:٦٩)

اور نبوت محمدی کی صداقت پر ان کا از سر نو اعتقاد بحال کیااور ان ہی لوگوں کے ذریعے حکومت وقت کا صحیح رخ متعین کیا۔ خلق خدا کی ایک جماعت آپ کے ساتھ تھی۔ آپ نے ہر شہر و دیار میں ایک ایک خلیفہ کو بھیج رکھا تھا جو اپنے کام میں بہت ماہر تھے۔[۱] دربارِ اکبری اور جہانگیری کے کئی ممتاز ارکان عبدالرحیم خانِ خاناں[۲]، دراب خان[۳] ، خان اعظم[۴]، خان جہاں حسین قلی خان[۵]، قلیج خان[۶]، ابوالفضل، فیضی اور شیخ فرید بخاری[۷] کو آپ نے اپنا حلقہ بگوش بنا لیا تھا۔

شیخ احمد سرہندی نے حسب ضرورت عدم تشدد کا طریقہ اپنا کر تبلیغ و اصلاح میں سنت محمدی کی یاد تازہ کر دی، جس سے کفر و بدعت کے سیاہ بادل چھٹ گئے۔

نبوت محمدی پر اعتقاد

شیخ احمد سرہندی نے اپنی اصلاح کی بنیاد رسول اللہ ﷺ کی نبوت کے اعتقاد پر رکھی۔ یہ آپ کے اصلاحی کاموں کی بنیاد اور تجدیدی کاموں کا اصل سرچشمہ ہے۔ آپ نے تجدیدی اقدام سے ان فتنوں کا تدارک کیا جو عالم اسلام کے اعتقادی ، فکری اور روحانی نظام کیلئے خطرہ بنے ہوئے تھے۔ ایران کی نقطوی

---

(۱) نورالدین جہانگیر، تزکِ جہانگیری ، (مترجم) مولوی احمد علی رام پوری ، سنگ میل پبلیکیشنز، لاہور، ۱۹۸۲ء ،ص: ۲۷۵

(۲) آپ اکبر کے مشہور اتالیق بیرم خان کے خلفِ رشید تھے۔ اکبری دربار میں ان کو خاصا اثر و رسوخ حاصل تھا۔ سلسلہ نقشبندیہ میں بیعت تھے۔ دربار جہانگیری کے بھی اہم رکن تھے۔(پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد، سیرت مجد دالف ثانی، ص:۱۳۱)

(۳) یہ خانِ خاناں کا فرزند تھا۔(مولانا سید محمد میاں ،علماء ہند کا شاندار ماضی،ص:۱۶۴)

(۴) آپ اکبر اور جہانگیر کے ممتاز رکن تھے۔ اصلی نام مرزا عزیز تھا۔ یہ اکبر کا رضاعی بھائی تھا۔ مرزا عزیز کو اکبر کی مذہبی بدعتوں سے نفرت تھی۔(شیخ محمد اکرام : رودِ کوثر،ص:۱۴۳)

(۵) یہ بیرم خان کے بھانجے تھے۔ اکبر کے دور میں منصب پنج ہزاری پر فائز تھے۔ عہدِ جہانگیری کے بھی اہم رکن تھے۔ جہانگیر ان کی بات کو سنتا اور مانتا تھا۔(مولانا سید محمد میاں ،علماء ہند کا شاندار ماضی،ص:۱۷۲)

(۶) یہ اکبر کا بہترین جرنیل تھا۔ اس نے سورت کے مضبوط قلعے کو فتح کیا۔ متقی اور کٹر سنی تھا۔(شیخ محمد اکرام ،رودِ کوثر، ص:۱۳۹)

(۷) یہ اکبر کے زمانے میں میر منشی تھے۔ تخت نشینی کی جدوجہد میں جہانگیر کا ساتھ دیا ان کو صاحب السیف و القلم کا خطاب ملا۔(شیخ محمد اکرام ، رودِ کوثر،ص:۱۳۹)

تحریک[1] نے حضرت محمد ﷺ کی نبوت کی بقاء اور دوام کے خلاف بغاوت کی اور اعلان کیاکہ آپ کی نبوت کے ایک ہزار سال پورے ہوگئے ہیں ،لہذا اب عقل کی بنیاد پر مذہبی رہنمائی کا نیا دور شروع ہو گا۔ اس تحریک کا مرکز ایران اور ہندوستان تھا۔اسی تحریک نے مستقبل میں ہندوستان میں دین اکبری کا روپ اپنایا۔اکبر بھی نبوت محمدی کی جگہ لینے کا متمنی تھا۔اس کے دور میں شریعت محمدی کے متوازی نئی شریعت جنم لے رہی تھی ،جس میں دینی بدعات شامل تھیں۔ شیخ احمد سرہندی نے مسلمانوں کے ذہنوں سے یونانی اشراقیت، ایرانی اور مصری اثرات کا خاتمہ کیا۔ شیخ احمد سرہندی نے اپنے مکتوبات میں مریدین ، معتقدین ، منتسبین اور ارکان حکومت کو اتباع نبوی کی تاکید اور ترغیب دلائی ہے۔

ایک خط میں اپنے فرزند کو لکھتے ہیں:

"اے فرزند جو چیز کل کام آنے والی ہے وہ صاحب شریعت حضرت محمد ﷺ کی پیروی ہے۔باقی احوال و کیفیات اور علوم و معارف اور اشارات اگر ان کی پیروی کے ساتھ ہوں تو خیر اور خوب وگرنہ خرابی اور استدراج کے سوا کچھ نہیں"۔[2]

خانِ جہاں کو نصیحت کرتے ہوئے شیخ احمد سرہندی لکھتے ہیں:

"جو نوکری تم کرتے ہو اگر اسکو حضرت محمد ﷺ کی شریعت کو زندہ کرنے کا ذریعہ بناؤ تو تم گویا پیغمبروں کاکام کرو گے"۔[3]

آپ نے ان مکتوبات کے ذریعے واضح کیا کہ صرف عقل، کشف اور غیبی علوم اللہ تعالیٰ کی صحیح معرفت اور حقائق کے ادراک سے قاصر ہیں۔اللہ تعالیٰ کی معرفت صرف وحی کے ذریعے سے ہی ممکن ہے۔جو انبیاء سے حاصل ہوتی ہے۔ عقل حجت نہیں ہے۔حجت صرف انبیاء کی بعثت ہے،جن کے بغیر تزکیہ ممکن نہیں ہے۔کائنات سے متعلق انسان کے ذہن میں جتنے بنیادی سوال پیدا ہوتے ہیں، عقل ان کا جواب

---

(۱) اس تحریک کا بانی محمود پسیخوانی ہے۔ان کا عقیدہ ہے کہ ہر چیز خاک سے پیدا ہوئی ہے اور خاک کیلئے وہ نقطہ کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ محمود پسیخوانی نے قرآن کو اپنے مطالب میں بیان کرنے کیلئے حرفوں اور نقطوں کی مدد لی۔اس لیئے اس فرقہ کو نقطوی یا اہل نقطہ کہتے ہیں۔یہ تحریک دسویں صدی کا فتنہ کبریٰ تھی۔(سید ابوالحسن علی ندوی، تاریخ دعوت و عزیمت، جلد، چہارم ، ص : ٦٦)

(۲) سرہندی، شیخ احمد، مکتوباتِ امام ربانی مجدد الفِ ثانی ، اردو ترجمہ: مولانا محمد سعید احمد نقشبندی ، مدینہ پبلیشنگ،لاہور مکتوب نمبر: ۱۸۴ ،ص:۱/۱۸۵

(۳) ایضاً

دینے سے یکسر عاجز ہے کیونکہ اس کا دائرہ محدود ہے۔عقل کے فیصلوں میں صداقت اور اس کے نتائج میں قطعیت نہیں ہوتی ہے۔یونانی فلسفہ و حکمت کے مقابلے میں آپ نے انقلابی اور جرات مندانہ قدم اٹھاکر عقل و فکر کو وحی کے مقابلے میں بے قدرو قیمت ثابت کیا۔

مشہور عربی مقولہ ہے "**الناس علیٰ دین ملوکھم**"(عوام اپنے بادشاہ کے دین پر ہوتے ہیں)۔بادشاہ اکبر کی دیکھا دیکھی ہندوستان کی رعایا بھی شریعت اسلام سے گریز کرنے لگی۔عوام میں مشرکانہ رسوم اور بدعات پیدا ہوگئیں۔دیوالی کے دنوں میں مسلمان مرد بالخصوص مسلمان عورتیں کفار و مشرکین ہند کی رسموں کو بجا لانے لگے۔ جانوروں کو مشائخ کی نظر کرتے اور ان کو مزارات پر جاکر ذبح کرتے۔بعض پیروں او ر بیبیوں کیلئے روزے رکھے جاتے اور ان روزوں کو حاجت روائی کا وسیلہ سمجھا جاتا۔دولہن دولہا کے گرد سات مرتبہ چکر لگاتی اور عورتوں کی طرح دولہا
چاندی کا طوق پہنتا ۔[۱]

شریعت کی ترویج

شیخ احمد سرہندی کو بدعات سے سخت نفرت تھی۔جو فعل نبی کریم ﷺ سے نسبت نہ رکھتا ،اس کو بدعت میں شمار کرتے تھے۔شیخ احمد سرہندی لکھتے ہیں :

" ہزار سال کے بعد کفرو بدعت کی تاریکیاں مسلط ہوگئیں ہیں۔اسلام و سنت کا زور ٹوٹ رہا ہے"۔[۲]

مشرکانہ عقائد اور بدعتی افعال علماء سوء کی وجہ سے پیدا ہورہے تھے۔علماء سوء نے گمراہی کے دو بڑے دروازے کھول رکھے تھے۔کتاب و سنت میں معنوی تحریف کر کے نئے نئے عقائد کا اختراع کرتے تھے اور پھر اللہ اور رسول ﷺ اور قرآن و حدیث کے مقدس ناموں سے انکی ترویج و اشاعت کرتے تھے۔ابو الفضل نے اکبر کو سب سے پہلے اسی راستے پر ڈالا تھا۔ اوربدعت حسنہ کے نام سے دین اسلام میں نئی نئی ایجادیں کرتے تھے۔شیخ احمد سرہندی نے ان دونوں تباہ کن اصولوں کے خلاف بڑی جرات مندانہ جدو جہد کی۔

---

[۱] محمد مسعود احمد ، ڈاکٹر، سیرت مجدد الف ثانی ،ص:۱۲۵

[۲] مکتوباتِ امام ربانی ، ، مکتوب نمبر ۹۶ ، ص:۳/۱۷۴

ایک مکتوب میں لکھتے ہیں :

"خدا تم کو نیک ہدایت دے اور صراط مستقیم پر چلائے۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ ضروریات طریق میں سے ایک اعتقاد صحیح بھی ہے جس کو علماء اہل سنت نے کتاب و سنت اور آثار سلف سے سمجھا ہو ، نیز قرآن وحدیث کو بھی انہی معنوں پر معمول کرنا جو علماء سنت نے سمجھے ہوں ضروریات میں سے ہے"۔ [۱]

بدعت حسنہ کا نظریہ جس کے پردے میں علماء نے اپنی خواہشات نفس کو دین کا حصہ بنا رکھا تھا، شیخ احمد سرہندی نے اس کا انکار کیا۔ آپ نے بدعت کو شیطانی اعمال قرار دیا ہے۔ [۲]

آپ لکھتے ہیں:

"ہر زمانے میں عموماً اور غربت اسلام کے اس دور میں خصوصاً دین کا بقاء و قیام سنتوں کی ترویج اوربدعتوں کی تخریب سے وابستہ ہے۔ بعض اگلوں نے بدعات میں کوئی حسن دیکھا ہوگا ،اسکے بعض افراد کو انہوں نے مستحسن قرار دیا۔ اس فقیر کو ان سے اس مسئلہ میں اتفاق نہیں۔ میں کسی بدعت کو حسنہ نہیں سمجھتا اور سوائے ظلمت و کدورت کے مجھے ان میں کچھ محسوس نہیں ہوتا"۔ [۳]

ایک اور مکتوب میں بدعت سے متعلق لکھتے ہیں۔

"حضور ﷺ کی سنتوں کے نور کو بدعات کے اندھیروں نے چھپا دیا ہے اور ملت کی رونق کو ان نو ایجاد باتوں کی کدورتوں نے برباد کر دیا ہے۔ [۴]

نظریہ قومیت

نظریہ انسان کی زندگی کا محور ہوتا ہے۔ کسی بھی قوم کی اجتماعی زندگی میں نظریے کی حیثیت جسم میں روح کی طرح ہے۔ نظریات قوموں میں مقصدیت کا شعور پیدا کرتے ہیں۔ نظریات کو بنیادی طور پر دو قسموں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ انسانی نظریات والہامی نظریات:

---

(۱) ایضاً، دفتر اول، مکتوب نمبر :۲۸۶ ، ص:۳/۳۷۳

(۲) ایضاً، مکتوب نمبر ۲۵۵،ص:۲۷۸

(۳) مکتوباتِ امام ربانی ، دفتر دوم ، مکتوب نمبر ۲۳ ،ص:۳۹

(۴) ایضاً ، مکتوب نمبر ۲۶۱ ،ص:۳۰۳

انسانی نظریات مسائل کا حل عقل کو بنیاد بنا کر پیش کرتے ہیں، جب کہ الہامی نظریات کی بنیاد وحی الٰہی پر ہے۔ انسانی نظریات الہامی نظریات کے برعکس ناکامی کا شکار ہیں ، صرف الہامی نظریات پر مبنی نظام انسانیت کی رہنمائی اور فلاح کا ضامن ہے۔اسلامی نظریہ حیات نے ہی برصغیر کے مسلمانوں کو ایک علیحدہ قوم بنایا۔جن لوگوں نے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھا ،وہ الگ قوم و ملت ہیں اورجو اس کا انکار کرتے ہیں ،وہ دوسری قوم ہیں۔مسلم قوم اسلامی نظریے سے وجود پذیر ہوتی ہے جب کہ مخالف اپنے وجود کیلئے وطن ، نسل اور زبان کو ضروری خیال کرتے ہیں۔برصغیر میں ایسی ہی دو متضاد معاشروں ، مزاجوں اور سوچوں سے دو مختلف قومیں ہندو اور مسلمان بن گئیں۔

اسلام کی اشاعت کو روکنے اور ہندو مذہب کے احیاء کیلئے بھگتی تحریک[۱] کا آغاز ہوا۔مغلیہ دور میں یہ تحریک اپنے شباب پر تھی۔مرہٹہ اور سکھ ہندو قومیت کے مظہر تھے۔اس تحریک کے علمبرداروں نے جارحانہ انداز اپنایا ،جو اکبر کی ہندو نوازی اور سرپرستی کا سبب بنا۔ہندوؤں نے مسلمان قوم کو ملیچھ قرار دیا۔انہوں نے برصغیر میں ہندو حکومت کی بحالی کا خواب شرمندہ تعبیر کرنا چاہا اور بنگال میں کافی حد تک کامیاب بھی ہوگئے۔یہاں تک کہ نہ صرف بنگال میں اشاعتِ اسلام رک گئی، بلکہ بعض مسلمانوں نے ان کا پیش کردہ وشنو مذہب بھی قبول کرلیا اور شمالی بنگال کے غریب اور اَن پڑھ مسلمانوں کے عقائد و اطوار میں ہندوانہ طریقے داخل ہوگئے۔[۲]

یہ لوگ صلح کل اور مذہب کے اتحاد کے حامی تھے۔ان کے نزدیک ہندو مت اور اسلام ایک ہی دریا کی لہریں ہیں۔شیخ احمد سرہندی نے برصغیر میں سب سے پہلے کفر اور اسلام کی سرحدیں واضح کر کے مسلمانوں میں جداگانہ قومیت کا شعور بیدار کیا، آپ نے وحدانیت اور بت پرستی کو ایک ماننے سے انکار کیا ۔آپ نے اسلام اور ہندو مت کو دو مختلف طریقے قرار دیکر ان کے اتحاد کو ناممکن قرار دیا۔آپ نے توحید خالص کا نکھرا تصور پیش کیا۔آپ نے اس بات کی تردید کی کہ خدا کسی اور ذات میں جلوہ گر ہو سکتا ہے۔آپ فرماتے ہیں۔

---

(۱) بھگتی یا پریم وہ مذہب ہے جو شمالی اور جنوبی ہندوستان میں ہندوؤں میں پھیلا۔یہ اپنشد اور بھگوت گیتا کی تعلیمات پر مبنی تھا لیکن زمانہ وسطیٰ میں اس کی مقبولیت اسلامی اثرات کی وجہ سے ہوئی۔راما نند، گورونانک اور سوامی چتینا نے اس تحریک کو فروغ دیا۔(شیخ محمد اکرام : آب کوثر،ادارہ ثقافت اسلامیہ،لاہور، ص:۴٦٦)

(۲) شیخ محمد اکرام ، رودِ کوثر، ادارہ ثقافت اسلامیہ،لاہور ،ص:۴۹۳

"رام اور رحمان کبھی ایک نہیں ہوسکتے خالق اور مخلوق کو ایک سمجھنا بے عقلی ہے"۔ (۱)

شیخ احمد سرہندی کے نقطہ نظر کی تائید ہوئی اور ہندو مسلم اتحاد شرمندہ تعبیر نہ ہوسکا۔ انگریزی عہد میں یہ اختلافات شدت اختیار کر گئے۔ جس کا نتیجہ بعد میں دو ممالک ہندوستان اور پاکستان کی صورت میں نکلا۔

بادشاہ وقت کی اصلاح

شیخ احمد سرہندی نے جابر و ظالم حکمرانوں کے سامنے کلمہ حق بلند کرنے کی عظیم مثال قائم کی۔ جہانگیر بادشاہ نے جب سجدہ کرنے کیلئے آپ کو دربار میں بلایا، تو آپ نے اس حکم پر عمل کرنے سے قطعاً انکار کر دیا اور کہا کہ قرآن کی رو سے سجدہ صرف خالق کیلئے مخصوص ہے۔ یہ جملہ سن کر جہانگیر بادشاہ تلملا کر رہ گیا اور جہانگیر کی وہی حالت ہوئی جو حضرت محمد ﷺ کا فرمان سن کر خسرو پرویز بادشاہ ایران کی ہوئی تھی۔ (۲) جہانگیر نے غصے میں آکر آپ کے قتل کا حکم دیا۔ پھر کچھ سوچ بچار کے بعد قتل کے حکم کو منسوخ کر کے آپ کو گوالیار کے قید خانہ میں قید کر دیا گیا۔ گوالیار سے رہائی کے بعد آپ کو لشکر کے ساتھ رہنے کا حکم ملا۔ اس دوران جہانگیر کو آپکی صحبت میں رہنے کا موقع ملا۔ آپ نے جہانگیر بادشاہ کے باطن کو بدل کر رکھ دیا اور وہ آپ کا غلام بن کر رہ گیا۔ شیخ احمد سرہندی نے جہانگیر بادشاہ کی اصلاح کی اور اس کی زندگی کو اسلامی سانچے میں ڈھالا۔ شیخ فرید کو ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

> "بادشاہ کو دنیا سے وہی نسبت ہے جو دل کو تمام بدن سے ہوتی ہے۔ اگر دل صحیح ہے تو بدن بھی صحیح ہے۔ اگر دل خراب ہوجائے تو بدن بھی خراب ہوجائے گا۔ بہرحال بادشاہ کی اصلاح و فساد سے دنیا کی اصلاح و فساد وابستہ ہے۔ آج دولت اسلام کی ترقی اور بادشاہ اسلام کی تخت نشینی کی خبر سب تک پہنچ گئی ہے۔ اہل اسلام نے بادشاہ کی مدد اور ترویج شریعت اور تقویت ملت کے بارے میں اس کی راہنمائی اور اس راہ میں ہر قسم کے تعاون کو ضروری سمجھا ہے"۔ (۳)

---

(۱) ایضاً

(۲) نعمانی، محمد منظور، تذکرہ مجدد الف ثانی، الفرقان بک ڈپو لکھنؤ، طبع ہشتم، ۱۹۹۸ص: ۲۴۹

(۳) مکتوباتِ امام ربانی، دفتر اول، مکتوب نمبر ۴۷، ص:۶۶

شیخ احمد سرہندی کا جہاد اکبر اور جہانگیر دونوں کے ادوار میں جاری رہا۔آپ کی مساعی کی وجہ سے جہانگیر دربار میں علماء رکھنے پر رضامند ہوا۔لشکرِ شاہی کے ساتھ آپ کم و بیش ساڑھے تین سال تک رہے۔اس عرصہ کے دوران بادشاہ سے مسائل دینیہ پر خصوصی مذاکرے اور گفتگو رہی۔ان صحبتوں سے بادشاہ کو براہ راست آپ کی زندگی کا مطالعہ اور مشاہدہ کرنے کا موقع ملا۔تزکِ جہانگیری میں جہانگیر کے حضرت شیخ احمد سرہندی کے ساتھ خصوصی تعلق سے متعلق معلومات ملتی ہیں۔

ارباب حکومت کی اصلاح

ارباب حکومت سیاسی مفاد کے غلط تصور اور غلط توقعات کی وجہ سے اسلام سے دور ہو کر ہندومت کے زیادہ قریب ہوگئے تھے۔شیخ احمد سرہندی نے ان کو مذہب اسلام سے آشنا کرنے اور ان کا صحیح رخ متعین کرنے کیلئے اپنی پوری حکمت اور قوت کو استعمال کیا۔آپ نے سب سے پہلے ارکان سلطنت سے خصوصی تعلقات قائم کیے۔ان کو اپنا گرویدہ بنایا اور پھر تعلیم اور تربیت کی۔آپ نے ان کے خیالات کو درست کیا اور اسلامی رنگ کا اصلی نصب العین واضح کیا۔

آپ ایک مکتوب میں بادشاہ کی اصلاح میں تمام انسانوں کی فلاح پوشیدہ قرار دیتے ہیں:

"پس بادشاہ کی اصلاح کی کوشش کرنا در حقیقت تمام انسانوں کی اصلاح کرنا ہے۔یہ اصلاح اسی وقت ہو سکتی ہے کہ جب موقع ملے اور گنجائش ہو تو صحیح اسلامی تعلیمات ان کے ذہن میں ڈالی جائیں اور مخالفین کے مذاہب باطلہ کا رد کیاجائے۔اگر یہ دولت آپ نے حاصل کی تو سمجھیے کہ آپ کو انبیاء کی وراثت مل گئی۔ یہ بڑی سعادت ہے کہ آپ کو یہ دولت مفت مل رہی ہے۔آپکو اس کی قدر جاننی چاہیے"۔[۱]

آپ ایک مکتوب میں حکومت وقت کے خاص رکن خان اعظم کو لکھتے ہیں۔

"اس نازک وقت میں جب کہ ہمارا پلہ کمزور ہے اور ہم بازی ہار چکے ہیں آپ کے وجود کو ہم غنیمت سمجھے ہیں سوائے تمھارے ہمیں کوئی مرد میدان نظر نہیں آتا"۔[۲]

---

[۱] مکتوباتِ امام ربانی، دفتر دوم ، مکتوب نمبر ۶۷،ص:۱۳۵

[۲] ایضاء مکتوب نمبر ۶۵،ص:۸۲

آپ کی کوششوں سے بادشاہ کے رجحانات میں نمایاں تبدیلی پیدا ہوئی اور وہ اسلام کی طرف توجہ کرنے لگا۔ آپ نے اپنی خوش تدبیری اور کمال دور اندیشی سے ارکان حکومت کو ظاہر اور باطن سے مکمل مسلمان بنا دیا اور انہی کی مدد سے بادشاہ وقت کی سوچ کو بدل ڈالا۔

فتنہ رفض و تفضیلیت صحابہ

ہمایوں بادشاہ جب ایران سے واپس ہندوستان آیا، تو اس کے ساتھ بہت سے شیعہ حضرات بھی تھے۔ ان لوگوں کو ہمایوں کی حکومت میں خاصا عمل دخل حاصل رہا۔ ہمایوں کی وفات کے بعد اس کا بیٹا اکبر بادشاہ بنا۔ اس کے دور میں بھی دربار میں شیعہ کا غلبہ تھا۔ جہانگیر کا دور تو مکمل طور پر شیعہ کے قبضہ میں رہا۔ درحقیقت جہانگیر کے نام سے نور جہاں کا شیعہ گھرانہ ہندوستان پر حکومت کر رہا تھا۔ نور جہاں کا باپ دیوان کل اور اس کا بھائی آصف خان وکیل مطلق اور نور جہاں جہانگیر کی بیوی ہمراز تھے۔ ان کی بدولت شیعیت کے اثرات عوام میں سرایت کرنے لگے۔ شیخ احمد سرہندی نے ان کی روک تھام کیلئے چار طرح کے اقدامات کیے۔ آپ نے شیعہ علماء سے بالمشافہ مناظرے اور مباحثے کئے۔

مشہد کے بعض شیعہ علماء نے ماوراء النہر کے سنی علماء کے ایک رسالے کے جواب میں رسالہ لکھا ،جس میں خلفاء ثلاثہ کی تکفیر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مذمت تھی۔ اس رسالہ کو شیعوں نے ہندوستان بھر میں پھیلا دیا۔ آپ نے اس رسالے کا عام مجلسوں میں رد کیا اور بعد میں ایک مستقل رسالہ ردِ روافض اس کے جواب میں لکھا۔ آپ نے مکتوبات کے ذریعے شیعہ اصولوں کی مدلل انداز میں تردید کی اور کتاب و سنت اور عقل کی روشنی میں ان کی اصلاح فرمائی۔ خلفاء کے ذریعے اس فتنے کو رفع کرنے کی کوشش کی۔[1]

شیخ احمد سرہندی حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمرِ فاروق کی افضلیت کے متعلق لکھتے ہیں :

> "حضرات شیخین کی افضلیت صحابہ و تابعین کے اجماع سے ثابت ہے۔ جیسا کہ اکابر ائمہ کی ایک جماعت نے اس کو نقل کیا ہے جن میں سے ایک امام شافعی ہیں۔ امام ابو الحسن اشعری نے فرمایا ہے کہ حضرت صدیق و فاروق کی افضلیت باقی تمام امت پر قطعی ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے تواتر کے ساتھ ثابت ہے کہ آپ نے اپنی خلافت کے زمانے

---

[1] تذکرہ مجدد الف ثانی ،ص: ۱۷۶

میں دارالخلافت کے اندر اپنے ماننے والوں کی کثیر تعداد کے سامنے اعلان کیا کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ امت میں سے بزرگ ترین ہیں"۔ (۱)

شیخ احمد سرہندی صحابہ رضی اللہ عنہم کی افضلیت کے منکر کو بدعتی اور گمراہ کہتے ہیں۔(۲)

آپ اس شخص کو احمق قرار دیتے ہیں جو سب کو برابر سمجھے (۳)۔

شیخ احمد سرہندی نے اپنے مکتوبات میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور کے مشاجرات و محاربات کی صحیح نوعیت پر روشنی ڈالی ہے اور خصائل شیعہ پر بحث کی ہے۔جن لوگوں کے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نزاعات ہوئے اور جنگ کی نوبت آئی وہ اہل اسلام کی ایک بڑی جماعت ہے اور ان میں بہت سے جلیل القدر صحابی ہیں۔ان میں سے بعض تو وہ ہیں ،جن کو دنیا میں ہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی بشارت دی۔ ان کی تکفیر اور برا بھلا کہنا کوئی معمولی بات نہیں ہے۔دین کا قریباً نصف ایسا ہوگا جو ان کی وساطت سے امت کو پہنچا ہے۔اگر وہ بھی مجروح و مطعون ہو جائیں تو آدھا دین بے اعتبار ہوجائے۔شیخ احمد سرہندی نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے فضائل بھی بڑی تفصیل کے ساتھ بیان کیے ہیں اور آپ کو گالی دینے والے کو واجب القتل قرار دیا ہے (۴)۔

نظریہ وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود

تصوف میں نظریہ وحدۃ الوجود اور نظریہ وحدۃ الشہود بنیادی نظریہ کے حامل ہیں۔ آٹھویں صدی ہجری میں یہ عقیدہ ہندوستان آیا۔ قادریہ سلسلہ ، سہر وردی سلسلہ اور چشتیہ میں جزوی اور فروعی اختلافات کے باوجود ان کا روحانی مرکز ایک ہے۔تینوں سلسلے وحدۃ الوجود کے قائل تھے۔

تصور وحدۃ الوجود کا بانی شیخ محی الدین ابن عربی (۵) اور نظریہ شہود کے بانی شیخ احمد سرہندی ہیں۔

---

(۱) مکتوباتِ امام ربانی ، دفتر دوم، مکتوب نمبر ۱۵،ص:۲۸- مکتوب نمبر ۶۷،ص:۱۳۰

(۲) ایضاً، دفتر اول، مکتوب نمبر ۲۶۶،ص:۳۳۱

(۳) ایضاً

(۴) ایضاً، دفتر اول، مکتوب نمبر ۲۵۱،ص:۲۷۲

(۵) آپ ۵۶۰ ہجری میں اندلس میں پیدا ہوئے۔وجہ شہرت نظریہ وحدۃ الوجود ہے۔آپ اچھوتا انداز فکر رکھتے تھے۔ استدلالی اور تصوفی پہلو آپ کی فکر میں دوش بدوش نظر آتے ہیں۔کتاب العظمۃ ، کتاب السبعۃ، التجلیات، مفاتیح الغیب،فصوص الحکم اور دیوان محی الدین آپکی مشہور کتب ہیں۔(محمد لطفی جمعہ : تاریخ فلاسفۃ الاسلام ،ص: ۲۹۱)

شیخ احمد سرہندی کے والد محترم وحدۃ الوجود کے قائل تھے۔آپ بذات خود منزل وجود سے گزر کر منزل شہود تک پہنچے، آپ نے نظریہ شہود کو مکمل باقاعدگی اور ضابطے کے ساتھ پیش کیا۔اس لیے آپ کو اس نظریے کا بانی کہا جاتا ہے۔شیخ احمد سرہندی کے ہاں وحدۃ الوجود سالک کے سیر و سلوک کی ایک منزل ہے۔اس کو نظر آتا ہے کہ وجود حقیقی کے علاوہ کسی چیز کا وجود نہیں ہے۔جو کچھ ہے سب ایک ہی وجود ہے۔اگر اللہ کی توفیق شامل حال ہو اور شریعت کا چراغ راہ نما ہو اور سالک کی ہمت بلند ہو تو وحدۃ الشہود کی منزل سامنے آجاتی ہے۔

شیخ احمد سرہندی کے دور میں گمراہ صوفیوں کا گروہ پیدا ہوگیا تھا۔جنہوں نے دینی رخنے پیدا کرکے مذہبی فتنوں کو جنم دیا۔شیخ احمد سرہندی نے ان کی عملی اصلاح فرمائی۔ان لوگوں کی سب سے بڑی خرابی "اتحاد و حلول" [۱] کا عقیدہ تھا۔اس نظریے کی بنیاد وحدۃ الوجود کے نظریے پر رکھی گئی۔

چنانچہ آپ لکھتے ہیں :

"ممکن کو عین واجب کہنا اور اس کے افعال و صفات کو اس طرح اللہ کے افعال و صفات قرار دینا سخت بے ادبی بلکہ اللہ کے اسماء و صفات میں الحاد ہے"۔[۲]

آپ لوگوں کو صوفیوں کی بے ہودہ باتوں سے منع کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"خبر دار ہر گز صوفیوں کی ان بے ہودہ باتو ں پر توجہ نہ دو اور غیر خدا کو خدا نہ سمجھو"۔[۳]

شیخ احمد سرہندی نے ان لوگوں کی مراد اور مقصد کو واضح کیا،جووحدۃ الوجود کے نظریے کے قائل ہیں اور انہیں بتایا کہ ان کلمات سے اُن کی مراد یہ ہے کہ عالم میں جو کچھ ہے، سب اسکی قدرت کا ظہور ہے۔اس کا وجود حقیقی ہے ،باقی تمام موجودات کا وجود ظلی ہے جو شیخ احمد سرہندی کے نزدیک قابل

---

(۱) یہ دو الفاظ کا مرکب ہے۔اتحاد کے معنی متحد ہوجانا اور حلول کے معنی ایک چیز کا دوسری چیز میں داخل ہوکر اس طرح مل جانا کہ دونوں میں کوئی فرق نہ رہے۔اتحادو حلول کا مطلب بعض کے نزدیک یہ کہ اللہ تعالیٰ بندے میں داخل ہوجاتا ہے۔اس نظریے کی بنیاد وحدۃ الوجود پر رکھی گئی او ر لوگوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ سب چیزیں خدا ہیں۔زمیں وآسمان ، درخت اور پتھر وغیرہ۔(مولانا محمد منظور نعمانی : تذکرہ مجدد الف ثانی ،ص:۱۶۱)۔

(۲) مکتوباتِ امام ربانی ، دفتردوم، مکتوب نمبر۱،ص:۲

(۳) مکتوباتِ امام ربانی ، دفتراول، مکتوب نمبر۲۷۲،ص:۲۴۷

اعتبار نہیں ہے۔صوفیا کرام میں سے جو لوگ وحدۃ الوجود کے قائل ہیں اور ہمہ اوست کہنے والے ہیں اس سے ان کی مراد ہر گز یہ نہیں ہے کہ اشیاء اللہ کے ساتھ بالکل متحد ہیں اور معاذ اللہ وہ مرتبہ سے اتر کر دائرہ تشبیہ میں آگیا ہے اور جو واجب تھاوہ ممکن بن گیا ہے۔یہ سب کفر و الحاد ہے اور گمراہی و زندقہ ہے بلکہ ہمہ اوست کے معنی ہی یہ ہیں او ر سب نیست ہیں اور صرف وہی وجود ہے۔[۱]

جاہل صوفیا کے باطل عقائد کا رد

بعض صوفیا ہر چیز کو خدا تو نہ کہتے تھے ،لیکن ان کا خیال تھا کہ فقیر جب کامل ہو جاتا ہے تووہ خدا سے متحد ہو جاتا ہے اور اس کی ہستی خدا کی ہستی میں تحلیل ہو جاتی ہے۔شیخ احمد سرہندی نے اس کو رد کیا او ر کفر و زندقہ قرار دیا اور فرمایا کہ اللہ کسی چیز کے ساتھ متحد نہیں ہوتا اور نہ ہی کوئی چیز اس کے ساتھ متحد ہے۔۔[۲]

اس دور کے کچھ صوفیا کی ایک گمراہی یہ بھی تھی کہ انبیاء اور خصوصاً حضرت محمد ﷺ کو اللہ کی ذات کے ساتھ متحد کرتے تھے۔شیخ احمد سرہندی نے ان کے خلاف آواز اٹھائی اور فرمایا کہ حضرت محمد ﷺ محدود و متناہی بندے ہیں جب کہ اللہ کی ذات لا محدود اور لامتناہی ہے"۔[۳]

بہت سے خام صوفیا اور بے سروسامان ملحدوں کا خیال ہے کہ خوا ص صرف معرفت الٰہی کے مکلف ہیں اور کہتے ہیں کہ شریعت پر عمل کرنے سے مقصود حصول معرفت ہے،جب معرفت حاصل ہوگئی تو شریعت کے احکام ساقط ہوگئے اور آیت ﴿وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتَّى يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ﴾[۴]کو دلیل کے طور پر پیش کرتے ہیں اور نتیجہ یہ نکالتے ہیں کہ عبادت کی انتہا معرفت کے حصول تک ہے۔اللہ ان لوگوں کو رسوا کرے یہ کس قدر جاہل ہیں۔عبادت کی جس قدر ضرورت عارفوں کو ہے مبتدیوں کو اس کا دسواں حصہ بھی حاجت نہیں ہے۔[۵]

---

(۱) ایضاً ، دفتر دوم، مکتوب نمبر ۴۴،ص:۸۱

(۲) ایضاً، دفتر اول، مکتوب نمبر ۲۶۱،ص:۳۱۴

(۳) ایضاً ، مکتوب نمبر ۹۵ص:۱۱۴

(۴) سورۃ الحجر:۱۵/ ۹۹

(۵) مکتوباتِ امام ربانی ، دفتر اول، مکتوب نمبر ۲۷۶ ،ص:۳۵۸

صوفیا کی ایک خرابی یہ تھی کہ وہ اپنے اعمال کی بنیاد اپنے مشائخ کے طریق پر رکھتے تھے خواہ وہ شریعت اسلام کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔شیخ احمد سرہندی نے بڑی جرات کے ساتھ ان کے خلاف آواز اٹھائی۔احکام شریعت کے اثبات میں کتاب و سنت کا اعتبار ہے۔قیاس اور اجماع امت بھی مثبت احکام ہیں، ان چار کے بعد کوئی ایسی دلیل نہیں ہے جن سے احکام ثابت ہو سکیں۔اولیا کے الہام سے کسی چیز کی علت یا حرمت ثابت نہیں ہو سکتی اور ارباب باطن کا کشف کسی چیز کو فرض یا سنت ثابت نہیں کر سکتا۔[۱]

بے چینی کا علاج موسیقی میں تلاش کرنے والے صوفیا کے خلاف آپ نے سخت موقف اختیار کیا۔ آپ فرماتے ہیں کہ ان صوفیا میں سے بہت سے ایسے ہیں جنہوں نے اپنی بے چینی کا علاج سماع ، نغمہ اور وجدو تواجد میں ڈھونڈتے ہیں اور اپنے محبوب کو نغموں کے پردوں میں دیکھنا چاہتے ہیں۔اس لیے انہوں نے رقص و رقاص کو اپنا طریقہ بنایا ہوا ہے [۲]

صوفیوں کی گمراہی کی اصل وجہ شریعت کو طریقت سے الگ سمجھنا تھا۔شیخ احمد سرہندی نے شریعت اور طریقت کے رشتے کو مضبوط کیا اور صوفیا کے بڑے فتنے کی سرکوبی کی۔ہر فضیلت حضرت محمد ﷺ کی سنت کی پیروی سے اور ہر کمال آپ کی شریعت کے اتباع سے وابستہ ہے۔[۳]

تصانیف

شیخ احمد سرہندی نے قلم کے ذریعے بھی جہاد کیا۔آپ کی یہ تصانیف آپ کی زندگی میں ہی نہ صرف ہندوستان بلکہ دور دراز ملکوں تک پھیل گئی تھیں ۔ شیخ احمد سرہندی نے اس ڈگر سے ہٹ کر علوم و نکات کو بیان کیا جو آپ کی علمی مہارت اور فطری بلندی کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔آپ کی کئی تصانیف ہیں۔ ان میں چند اہم کا تذکرہ درج ذیل ہے:

رسالہ اثبات النبوہ

---

(۱) ایضاً ، دفتر دوم، مکتوب نمبر،۵۵ص:۱۰۸

(۲) ایضاً ، دفتر اول، مکتوب نمبر،۲۶۱ص:۳۰۴

(۳) مکتوباتِ امام ربانی ، دفتر اول، مکتوب نمبر ۱۱۴ ،ص:۱۳۵

یہ آپ کی سب سے قدیم تصانیف میں سے ہے۔جو کہ نامکمل نسخے ہے ۔ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان کی کوششوں سے ۱۹۶۵ء میں اردو ترجمے کے ساتھ یہ شائع ہوا ہے۔بعض نسخوں میں اس کا نام " تحقیق النبوہ " ہے[۱] ۔

رسالہ ردِ روافض

یہ رسالہ رد شیعہ کے نام سے بھی مشہور ہے۔یہ۱۵۹۳ء تا ۱۵۹۴ء کے درمیانی عرصہ میں تحریر کیا گیا۔ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان نے ۱۹۶۵ء میں "کوائف شیعہ " کے نام سے اردو ترجمہ کے ساتھ رامپور سے شائع کرایا۔یہ رسالہ اصل میں اس رسالے کا جواب ہے ،جو علماء شیعہ نے علماء ماوراء النہر کو اس وقت بھیجا تھا ،جب عبداللہ خان ازبک نے مشہد کا محاصرہ کر رکھا تھا۔یہ رسالہ فارسی زبان میں لکھا گیا ہے۔

رسالہ تہلیلیہ

یہ رسالہ شیخ احمد سرہندی نے۱۵۹۸ تا ۱۵۹۹ء کے درمیان تصنیف فرمایا یہ ۲۲ صفحے کا مختصر رسالہ ہے۔اس کے ساتھ حافظ رشید احمد ارشد کا سلیس بامحاورہ اردو ترجمہ بھی ہے۔ [۲]

معارف لدنیہ

---

(۱) یہ چوالیس صفحات پر مشتمل ہے۔اس کا سائز چھوٹا ہے۔تمہیدی عبارت کے بعد شیخ احمد سرہندی نے دو امور پر بحث کی ہے ایک نبوت دوسرا معجزہ۔ان کے بعد ایک طویل مقالہ لکھا ہے۔جس کا پہلا مسلک بعثت اور نبوت کی حقیقت و ضرورت اور دوسرا حضرت محمد ﷺ کی نبوت کے اثبات میں ہے۔دوسرا مقالہ فلاسفہ کی مذمت میں ہے۔ سیرت مجدد الف ثانی ،ص:۲۶۴۔

(۲) سیرت مجدد الف ثانی ،ص:۲۴۴، ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان نے اس کا تاریخی نام " معارف لاالہ الااللہ محمد رسول اللہ " رکھا ہے۔اس رسالہ میں کلمہ طیبہ کے مختلف امور سے متعلق بحث ہے۔شروع میں " لا " کے لفظ سے بحث ہوتی ہے اس کے بعد لفظ" اللہ" کی حقیقت کے متعلق نحوی علماء اور مفسرین کے اقوال کی روشنی میں بحث کی گئی ہے۔حافظ رشید احمد ارشد نے ، اس کا نام " توحید صوفیا " رکھا ہے۔آخری حصہ رسالت سے متعلق ہے جس میں آپ نے حضرت محمد ﷺ کے فضائل ، معجزات ، اخلاق اور اوصاف بیان کیے ہیں۔اس رسالے میں صوفیانہ رنگ گہرا ہے۔یہ عام مسلمانوں کیلئے لکھا گیا ہے۔یہ عربی زبان میں ہے۔

اس رسالے میں زیادہ تر معرفت الٰہی کے مختلف پہلوو ں کا ذکر ہے۔اس میں جہاں شریعت و طریقت کی ہم آہنگی پر زور دیا گیا وہاں نام نہاد صوفیا کی مذمت کی گئی ہے۔یہ کتاب لاہور سے شائع ہو چکی ہے۔[۱]

مبداء و معاد

شیخ احمد سرہندی کے خلیفہ خواجہ محمد صدیق بدخشی نے اسے ۱۰۱۰ء میں مدون کیا تھا۔یہ رسالہ لاہور سے شائع ہو چکا ہے۔اس رسالے کے مختلف مخطوطات ہندوستان اور پاکستان کے علاوہ بیرون ملک کی لائبریریوں کی زینت
ہیں۔[۲]

تعلیقات بر شرح رباعیات خواجہ باقی باللہ

یہ ایک مختصر رسالہ ہے۔اس میں آپ نے خواجہ باقی باللہ کی رباعیات کی اس شرح پر اضافے کیے ہیں جو خواجہ باقی باللہ نے لکھی تھیں۔یہ رباعیات وجود باری تعالیٰ سے متعلق ہیں۔آپ نے ان کی شرح معارف خاصہ اور خواجہ باقی باللہ کی وفات کے بعد حالات کی روشنی میں کی ہے۔

مکاشفاتِ عینیہ

یہ رسالہ شیخ احمد سرہندی کی وفات کے بعد خواجہ محمد ہاشم کشمی نے مرتب کیا تھا۔۱۹۶۵ء میں ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان نے اسے شائع کرایا تھا۔اس رسالے میں مختلف صوفیانہ مسائل اور مکاشفات کا بیان ہے۔[۳]

رسالہ جذب و سلوک

---

[۱] سیرت مجدد الف ثانی ،ص:۲۶۶، شیخ احمد سرہندی نے اس رسالے کا ذکر " مبداء و معاد" میں کیا ہے۔اس کتاب کا ایک مخطوطہ نمبر۔۱۸۸ کتب خانہ آصفیہ حیدر آباد دکن میں ہے۔تاشقند میں مخطوطہ نمبر۔۲۶۱۱ ہے۔مخطوطہ نمبر۔۱۰۶۔ Iپنجاب پبلک لائبریری لاہور میں ہے۔

[۲] ایضاً،ص:۲۶۵، ایک مخطوطہ نمبر۔۲۶۲۱ کتب خانہ تاشقند میں موجود ہے۔ایک مخطوطہ نمبر۔۱۰۶۔ح پنجاب پبلک لائبریری لاہور جبکہ ۲۷۰۰ کتب خانہ برلن میں موجود ہے۔

[۳] سیرت مجدد الف ثانی ،ص:۲۶۶، اس کا ایک مخطوطہ نمبر ۲۲۲۵ کتب خانہ تاشقند میں موجود ہے۔

یہ تصوف کے موضوع پر گراں قدر، جامع اور مبسوط کتاب ہے۔اس کتاب کو تصوف کی دنیامیں منفرد مقام حاصل ہے۔اس میں صوفیانہ اخلاق پر سیر حاصل بحث ہے۔آپ نے تصوف اور اسکی حقیقت اور مقامات و احوال پر بڑے شرح و بسط سے لکھا ہے۔[۱]

رسالہ علم حدیث

اس رسالہ کا ذکر بھی مختلف مصنفین نے کیا ہے۔محمد حلیم[۲]اور خواجہ محمد حسین [۳]نے بھی اس کا ذکر کیا ہے۔یہ رسالہ علم حدیث کی اہمیت واضح کرتا ہے۔کتاب مختصر مگر جامع ہے۔

مجموعہ تصوف

اس کتاب میں شیخ احمد سرہندی نے نقشبندیہ نظریہ تصوف کو اپنے تبحر علمی اورکمال روحانی کے ساتھ بیان کیا ہے۔یہ مشہور زمانہ معتبر اورمستند کتاب ہے۔آپ نے اس رسالہ میں تصوف کی حقیقت، مقام صوفیاء، عارفوں اور صوفیوں کی اہمیت اور عرفاء کے اقوال کو عمدگی سے بیان کیا ہے[۴]۔

رسالہ حالات خواجگان نقشبند

یہ رسالہ خواجگان نقشبند سے محبت رکھنے والوں کیلئے مستند ماخذ ہے۔اندازِ تحریر عمدہ اور اسلوب بیان دلکش ہے۔خواجہ محمد ہاشم کشمی نے زبدۃالمقامات میں اس کا ذکر کیاہے۔ اس رسالے کا ذکر محمد ہاشم کشمی[۵]اور محمد حلیم [۶] نے کیا ہے۔

رسالہ در بیان طریقت حضرت خواجگان

یہ کتاب اپنے موضوع، بلند پایہ مضامین اور گراں قدر ارشادات و حالات حضرت خواجگان کے لحاظ سے آپ اپنا جواب ہے۔شیخ احمد سرہندی نے اپنے مکتوبات[۷]میں اس رسالے کا ذکر کیا ہے۔

---

[۱] خواجہ محمد ہاشم کشمی : زبدۃ المقامات، کان پور، ۱۸۸۹ء،ص:۲۴

[۲] مجدد اعظم :ص: ۱۰۸

[۳] قادری نقشبندی،مولانا خواجہ احمد حسین خان، تحریک امام مجددالف ثانی تھانہ ملاکنڈ،جواہر مجددیہ :ص: ۸۲

[۴] سیرت مجددالف ثانی : ص : ۲۶۷

[۵] زبدۃ المقامات : ص :۱۵۱

[۶] مجدد اعظم : ص : ۱۰۹

[۷] مکتوبات امام ربانی : دفتر اول۔مکتوب نمبر: ۵، یہ رسالہ حضرت خواجگان کے بسلسلہ بیان طریقت میں لکھا گیا ہے

رسالہ نصائح

آپ نے اس کتاب میں نصیحت آموز باتیں کی ہیں۔کتاب مختصر مگر جامع ہے اور اپنی زیبائی ، سادگی اور شیرنی بیان کے باعث بہترین کتابوں میں شمار ہوتی ہے۔ شیخ احمد سرہندی نے اپنے مکتوبات میں اس کا ذکر کیا ہے[۱]۔

رسالہ معرفۃ النفس و معرفۃ الرب

آپ نے اس کتاب میں نفس کی اصلاح پر زور دیا ہے کیونکہ نفس کی اصلاح سے ہی رب کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔آپ کے انداز بیان میں شگفتگی اور اثر انگیزی ہے۔مشائخ نے اس کتاب سے بھر پور استفادہ کیا ہے۔دنیا تصوف میں اس کو بلند مقام حاصل ہے۔یہ کتاب طالبان معرفت کی آنکھوں کا سرمہ ہے۔ یہ رسالہ نفس اور رب کی معرفت کے بارے میں ہے [۲]۔

آداب المریدین

یہ معمولی حجم کا رسالہ ہے۔ جس میں شریعت اور طریقت اور مریدین کے آداب کا ذکر ہے[۳]۔

مکتوبات

شیخ احمد سرہند ی کی تصانیف میں مکتوبات کو خاص امتیاز حاصل ہے۔یہ مکتوبات تین مجلدات پر مشتمل ہے۔یہ آپ کی زندگی میں مرتب ہو گئے تھے۔

دفتر اوّل: اسے " درالمعرفت " بھی کہتے ہیں۔اس میں ۳۱۳ خطوط شامل ہیں۔انہیں یار محمد بدخشی نے ۱۶۱۶ ء میں مرتب کیا۔یہ مجموعہ سب سے مفصل ہے۔اس میں کئی سالوں کے خطوط جمع کیے گئے ہیں۔

دفتر دوئم: ان کا تاریخی نام " نور الخلائق" ہے یہ ۱۶۱۸ء میں مولانا عبدالحی حصاری نے خواجہ محمد معصوم کے ایماء پر جمع کئے۔اس نے۹۹ خطوط شامل ہیں لیکن بعض خطوط بڑے طویل اور مفصل ہیں۔

---

(۱) ایضاً ،مکتوب نمبر ۱۶

(۲) سیرت مجدد الف ثانی ،ص:۲۶۸، اس کا ایک مخطوطہ نمبر ۹۲۴ کتب خانہ آصفیہ حیدر آباد دکن میں ہے

(۳) ان کے علاوہ آپ کی مشہور کتب میں تعلیقات العوارف،الحاشیہ علی شرح العقائد الجلالی،رسالہ تعیین ولا تعیین،رسالہ مقصود الصالحین،رسالہ دربیاں مسلہ وحدۃ الوجود،المقدمہ السنیۃ فی انتصار الفرقۃ السنیۃ شامل ہیں۔

دفتر سوئم: ان کو میر محمد نعمان نے اور بعد میں خواجہ محمد ہاشم کشمی نے " معرفت الحقائق " کے نام سے ۱۶۲۱ء میں مرتب کیا۔اس میں خطوط کی تعداد ۱۲۴ ہے۔[۱] دفتر اول کے بیس مکتوبات خواجہ باقی باللہ کے نام ہیں ۔دو مکتوب شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور ایک خط جہانگیر بادشاہ کے نام بھی ہے۔جہانگیر کے درباری امراء کے نام کافی خطوط ہیں۔

یہ مکتوبات زیادہ تر مسائل شریعت و طریقت اور حقیقت و معرفت پر مشتمل ہیں۔بعض مکتوبات میں مصلحانہ اور مجددانہ انداز میں شریعت اسلام سے ہٹے ہوئے خام صوفیا کی غلط روش اور ان کے ناپسندید ہ افعال پر تنقید کی گئی ہے۔علماء سوء کی وجہ سے اسلام کو جو نقصان پہنچ رہا تھا اس پر اظہار افسوس بھی کیا گیا ہے۔اہل بیت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی محبت اور احترام کا درس دیا گیا ہے۔مکتوبات کی مقبولیت کی وجہ مضامین کی خوبی ، تنوع اور مصنف کی علمیت اور روحانی فضیلت ہے۔آپ کا طرز تحریر پر تاثیر ہے۔خط لکھتے وقت انشائی خوبیوں کا پورا خیال رکھتے تھے۔ان مکتوبات میں آپ نے علمی اور دینی مسائل کو سلجھانے کیلئے عالمانہ طرز تحریر اختیار کیا ہے۔آپ چند الفاظ میں بڑی معنی خیز بات لکھ جاتے ہیں۔آپ نے ان خطوط میں ارباب تصوف کی مروجہ اصطلاحیں کثرت سے استعمال کی ہیں۔

شیخ احمد سرہندی نے مکتوبات کی تشریح و توضیح اور تاثیر کیلئے دلچسپ شعر یا مصرع بھی درج کر دیتے ہیں۔آپ الفاظ کے انتخاب اور تقابل کا خصوصی خیال رکھتے ہیں۔ان خطوط سے شاہی عتاب سے پیدا شدہ حالات ، آپ کا مقابلے کا ظرف ، صبر، حوصلہ اور تسلیم و رضا کا پتہ چلتا ہے۔آپ نے درباری علماء کو بدعت سے روکنے اور شریعت کی حمایت میں جو خطوط لکھے[۲] ۔

مکتوبات کے تراجم

---

(۱) اس طرح خطوط کی تعداد ۵۳۶ ہو جاتی ہے۔رودِ کوثر ،ص:۳۲۷

(۲) مخطوطات حافظ محمد ہاشم جان مجددی : کراچی کے پاس تین قلمی نسخے ہیں۔ مخطوطہ قریشی احمد حسین قلعہ داری : گجرات، مخطوطہ مولوی مقبول احمد مرحوم : سرہند شریف ،مخطوطہ مولانا غلام مصطفٰے قاسمی: حیدرآباد سندھ ،مخطوطہ انڈیا آفس لائیبریری: لندن ،مخطوطہ کتب خانہ تاشقند: روس۔نمبر: ۲۶۱۵ ،مخطوطہ کتب خانہ برلن: جرمنی ، نمبر: ۴۲۲۶، ۲۶۵۱،مخطوطہ قومی عجائب گھر، کراچی،مخطوطات کتب خانہ آصفیہ، حیدر آباد دکن۔نمبر۔۵۶۴، ۴۸۴ ،مخطوطہ دارالعلوم اسلامیہ: پشاور۔نمبر۔۹۴۰،۹۳۹۔ سیرت مجدد الف ثانی ،ص:۲۵۷، ۲۵۸

اردو تراجم: باقی زبانوں کی طرح مکتوبات امام ربانی کا اردو زبان میں بھی تراجم ہوئے ہیں: [1]

انگریزی تراجم: حسین علی الیشیق نے" سعادت ابدی" کے نام سے ایک کتاب ترکی زبان میں لکھی، اس کا نواں ایڈیشن ۱۹۷۲ء میں استنبول سے شائع ہوا۔اس کتاب کے بعض حصوں کا انگریزی ترجمہ (End less Bliss)کے نام سے ۱۹۷۲ء میں استنبول سے شائع ہوا اس میں مکتوبات امام ربانی کے تینوں مجلدات کے بعض مکاتیب کا انگریزی ترجمہ پیش کیا گیا ہے۔

ترکی تراجم: سلیمان سعدالدین نے مکتوبات امام ربانی کا ترکی زبان میں ترجمہ کیا ،جو ۱۸۶۰ء میں استنبول سے شائع ہوا۔دوسرا ترجمہ حسین علمی نے کیا، جس کا تیسرا ایڈیشن ۱۹۷۲ء میں استنبول سے شائع ہوا۔

مکتوبات کے خلاصے اور ایڈیشن

درلا ثانی۔ جلد اول / دوئم / سوئم ۔مکتوبات امام ربانی ملخصہ مولوی محمد ہدایت علی جے پوری ، مطبوعہ اعظم گڑھ ،۱۹۳۵ءنے شائع کیا ہے۔درلاثانی (تینوں مجلدات) یہ انتخاب مکتوبات کے نام سے علی کتاب خانہ کراچی۱۹۶۳ء نے شائع کیا ہے۔مکتوبات امام ربانی کے کئی ایڈیشن پاک و ہند کے مختلف مقامات سے شائع ہو چکے ہیں[2]۔

مکتوبات کی شروح و حواشی

مولوی ضیا الدین قندھار نے ایک قلمی شرح " ضیاء المقدمات فی توضیح المکتوبات " لکھی[3]۔

---

(۱) الطاف رحمانی (حصہ اول) ،مترجم مولوی محمد حسین مطبوعہ ،لاہور ۱۸۹۶ء ،اس ترجمے میں جلی حروف میں مکتوبات کا متن ہے اور قرآن کی طرح بین السطور اردو ترجمہ ہے۔،مکتوبات امام ربانی مترجم مولوی عبدالرحیم مطبوعہ امرتسر ۱۹۱۱ء،مکتوبات امام ربانی مترجم مولوی عالم دین مطبوعہ لاہور (مکمل) ،مکتوبات امام ربانی مترجم مولوی محمد سعید احمد نقشبندی جلد اول مطبوعہ کراچی ۱۹۷۱ء،مکتوبات امام ربانی ترجمہ و تشریح مولانا عبدالرحیم ۱۹۵۰ء۔

(۲) مکتوبات امام ربانی ، مطبوعہ دہلی ۱۸۷۷ء مع رسالہ رد روافض،مکتوبات امام ربانی مطبوعہ امرتسر ۱۸۹۵ء،مکتوبات امام ربانی مطبوعہ کراچی ۱۹۷۲ء۔انتخاب مکتوبات شیخ احمد سرہندی مرتبہ ڈاکٹر فضل الرحمان مطبوعہ کراچی۔۱۹۶۸ء،فیض البرکات من عین المکتوبات مرتبہ مولانا محمد عبداللہ جان مجددی۔مطبوعہ لاہور۔ سیرت مجدد الف ثانی ،ص:۲۶۴

(۳) خواجہ عبداللہ وحدت نے شرح مکتوبات مجدد لکھی،شاہ عبد الرحیم گرھوڑی نے شرح مکتوبات امام ربانی لکھی، مولانا محمد منظور احمد مکان شریفی نے حواشی مکتوبات تحریر کیے،مولوی نصراللہ خان کابلی نے فارسی زبان میں شرح لکھی۔

شیخ احمد سرہندی نے اپنی تحریروں کے ذریعے مردہ دلوں میں نئی شمع جلائی۔لوگوں کے دلوں کو گرمایا ۔شریعت اسلام سے آشنا کیا اور روح کو بالیدگی اور تازگی بخشی۔ شیخ احمد سرہندی نے اپنی کتب میں جو علوم و معارف اور اسرار رموز شرح اور بسط سے بیان کیا ہے وہ آپ کا کمال ہے۔

شیخ احمد سرہندی پر ردو قدح

شیخ احمد سرہندی نے اپنے اور ر بیگانوں کی مخالفت کو بڑی جوانمردی سے برداشت کیا اور کسی بھی موقع پر حلم اور صبر کا دامن نہ چھوڑا۔علمائے حجاز سے کفر کے اکٹھے۱۷ فتوے لگوائے گئے[1]۔ مخالفت اتنی شدید تھی کہ اس کے اثرات کم و بیش ایک صدی تک قائم رہے۔یہ بات اپنی جگہ آشکارا ہے کہ مخالفوں نے آپ پر جتنے الزامات لگائے ،اتنا ہی آپ کا پیغام اور اصلاحی کارنامے چمکے۔ شیخ احمد سرہندی کے مخالفین کو چار طبقات میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

۱- معترضین : اس میں وحدۃ الوجود کے قائلین شامل ہیں۔۲-حاسدین : اس میں بدعتی اور متعصب منتسبین شامل ہیں۔۳- معاندین: ان میں عقل پرست، دو قومی نظریہ کے مخالف اور شیعہ شامل ہیں۔۴- مخلصین: ان میں معاصرین
علماء ، شیخ تاج الدین سنبھلی، شیخ عبدالحق دہلوی اور خواجہ باقی باللہ کے مریدین شامل ہیں۔

مخالفت کے اسباب

شیخ احمد سرہندی کی شخصیت ہمہ گیر تھی۔آپ کی مخالفت کے محرکات بھی زیادہ تھے۔ ذیل کی سطور میں مجدد الف ثانی کی مخالفت کے درج ذیل اسباب تھے۔

شخصیات کا اختلاف

قیام اکبر آباد کے دوران شیخ احمد سرہندی کی ملاقاتیں اکثر ابو الفضل اور فیضی سے ہوتی تھیں۔ ان ملاقاتوں میں تلخی کی نوبت بھی آئی۔ان دونوں بھائیوں کا کردار مذہبی نقطہ نظر سے بدتر رہا۔غالباً ان دو

---

[1] سیرت مجدد الف ثانی ،ص:۲۷۹

بھائیوں کی بے راہ روی کی مزاحمت کیلئے آپ نے رسالہ " اثبات النبوہ " لکھا۔عقل پرستوں کا یہ شیخ سرہندی سے پہلا براہ راست تصادم تھا۔[1]

شیعہ کے افکار و خیالات کا تجزیہ

شیعہ اثر و نفوز کو مہلک سمجھتے ہوئے شیخ احمد سرہندی نے اس کے خاتمہ کیلئے ابتدائی کوششیں جاری رکھیں۔شیعہ حضرات کو اس سے سخت صدمہ پہنچا اور وہ آپ کے دشمن بن گئے۔شیعہ حضرات اپنے افکار و خیالات کی اشاعت مجالس اور عام محفلوں میں کرنے لگے۔

خلفاء ومریدین کی بدگمانی

شیخ احمد سرہندی نے مکتوبات میں بعض ایسی باتیں تحریر کیں، جن سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کو خواجہ باقی باللہ سے روحانی انکار ہے۔حقیقت اس کے برعکس ہے۔

مرید خاص حسن خان کی بغاوت

شیخ سرہندی کے ایک مرید حسن خان نے بغاوت کی اور بہت سے مکاتیب چوری کر کے لے گیا۔ اس نے ان میں تحریف کی اور نقلیں تیار کر کے مختلف علاقوں میں بھجوادیں۔ اس طرح بہت سے مخلص بھی بدگمان ہو گئے۔حتی کہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور شیخ احمد سرہندی کے درمیان جو رنجش پیدا ہوئی ،اس میں بھی اس کا ہاتھ ہے۔

قائلین وحدۃ الوجود کی ناراضگی

جب شیخ احمد سرہندی نے وحدۃ الوجود کے مقابلے میں وحدۃالشہود کا تصور پیش کیا تو قائلین وحدۃ الوجود آپ سے ناراض ہوگئے۔انہوں نے شیخ احمد سرہندی کے مشاہدات اور مکاشفات کا رد کیا۔

اہل طریقت اور بدعتی جہلاء کی مخالفت

بعض اہل طریقت شریعت کو طریقت سے الگ سمجھتے تھے۔شیخ احمد سرہندی نے اس نظریے کی سختی سے تردید کی اور طریقت کو عین شریعت قرار دیا۔اس سے اہل طریقت آپ کے سخت مخالف

---

[1] زبدۃ المقامات ،ص:۱۲۲

ہوگئے۔مسلم معاشرے میں مشرکانہ رسوم اور بدعات کا غلبہ تھا۔ان میں بعض بدعات اور رسوم انتہائی شرم ناک تھیں۔ شیخ احمد سرہندی نے ان کی مخالفت کی جس سے بدعتی جہلاء آپ کے خلاف صف آراء ہوگئے۔

حامیان یک قومی نظریہ کی مخالفت

اکبر اور جہانگیر بادشاہ یک قومی نظریہ کے حامی تھے۔شیخ احمد سرہندی نے اس کی پرزور مخالفت کی اور دوقومی نظریہ پیش کیا۔اس سلسلہ میں آپ نے ارکان حکومت کو ہموار کیا۔ ان پر اخلاقی دباؤ ڈالا اور مکتوبات کے ذریعے عوام تک اس نظریے کو پہنچایا۔اس طرح یک قومی نظریہ کے تمام حامی آپ کے سخت مخالف ہوگئے۔

ہندوؤں کی مخالفت

شیخ احمد سرہندی نظریہ کل کے مخالف تھے۔آپ ہندوؤں کے اثر و نفوز کو شاہی دربار میں پسند نہ کرتے تھے۔حرم شاہی میں ان کی عورتیں تھیں جو انکی ہمراز تھیں۔شیخ احمد سرہندی کو ایک ہندو کے ہاتھوں گرفتار کروایا گیا،جس سے ہندوؤں کی خوشنودی مقصود تھی۔

سلسلہ نقشبندیہ کی اشاعت

شیخ احمد سرہندی کا سلسلہ بیعت ان کی زندگی میں ہی ہندوستان کے علاوہ بیرونی ممالک میں پھیل چکا تھا۔سلسلہ نقشبندیہ کی ہمہ گیر اشاعت و مقبولیت سے دوسرے سلاسل کے منتسبین میں حریفانہ کشمکش شروع ہوگئی۔کچھ پیر بھائی اس مقبولیت سے متاثر ہوکر ناراض ہوکر مخالفت پر تل گئے۔بعض لوگ دیکھا دیکھی بغیر کسی وجہ کے مخالف ہوگئے۔ جاہل صوفیاء اور دنیا دار علماء کو اپنی کساد بازاری کے خطرہ نے مخالفت پر تیار کیا ہے اور روافض کو بیگم نور جہاں کی وجہ سے شعیہ مذہب کی اشاعت کی جو امیدیں پیدا ہوگئی تھیں، رک گئیں۔

نتائج و اثرات

برصغیر میں اسلام پر ابتلا کے بڑے بڑے مرحلے آئے،تاہم ان گھٹا ٹوپ اندھیروں میں سرہند سے شیخ احمد سرہندی کی آواز ابھری جس نے شہنشاہیت کے باطل ایوانوں میں زلزلے بپا کردیے۔آپ کا جہاد اکبر اور جہانگیر دونوں کے ادوار میں جاری رہا۔آخر کار خود کو سجدے کرانے والی شہنشاہیت ایک درویش کے قدموں میں سرنگوں ہوگئی ،کیونکہ شیخ احمد سرہندی کا جہاد ذاتی غرض کیلئے نہ تھا۔آپ کو اقتدار کی پیشکش ہوئی لیکن آپ نے پائے حقارت سے اسے ٹھکرا دیا۔اکبر نے اپنی شہنشاہیت کی قوت و جبروت

کی بنیاد پر دین الٰہی کی بنیا د رکھی لیکن آج اسکا کوئی نام لیوا نہیں ہے۔ شیخ احمد سرہندی نے زبان و قلم کے جہاد سے اقتدار کا تختہ نہیں الٹا بلکہ دلوں کی سلطنت کی کایا پلٹ کر رکھ دی۔ شیخ احمد سرہندی کی کامیابی کا پہلا قدم وہ ہے کہ جہانگیر خصوصی مجالس میں آپ سے وعظ و نصیحت سنتا ہے۔ اس کے بعد اگرچہ کسی سیاست یا بادشاہ کی عقیدت مندی کی وجہ سے شیخ احمد سرہندی لشکر میں زیر حراست رہے، لیکن اس سے لشکر میں ترویج شریعت کی روح پیدا ہوگئی۔ اس سے اندازہ لگایاجا سکتا ہے کہ رہائی کے بعد آپ نے جہانگیر بادشاہ کو جو شرائط پیش کیں ان کو بادشاہ نے نہ صرف مانا ،بلکہ ان کا بہت اثر ہوا مثلاً سجدہ تعظیمی موقوف ہوگیا۔ گائے ذبیحہ کی آزادی مل گئی، گائے کا گوشت سر بازار فروخت ہونے لگا۔منہدم مساجد دوبارہ تعمیر کی گئیں۔ محتسب ، مفتی اور قاضی مقرر ہوئے۔کفار پر جزیہ نافذ ہوا۔خلاف شرح قوانین منسوخ کر دیے گئے۔بدعات اور جاہلانہ رسوم مٹا دی گئیں۔جہانگیر بادشاہ اپنی بدکرداری پر شرمندہ ہوا اور شیخ احمد سرہندی سے مغفرت کی دُعا کی التجا کی۔آپ کی متبرک تحریک کے اثرات ہی تھے جو ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی اور ۱۹۳۰ء میں مطالبہ پاکستان اور ۱۹۴۷ء میں قیام پاکستان کی صورت میں نمودار ہوئے۔

❁ ❁ ❁

مسیحیت میں امن کی مختلف جہات

Various Dimensions of Peace in Christianity

ڈاکٹر تنویر قاسم*

ڈاکٹر زاہد لطیف**

ABSTRACT

Undoubtedly, every religion of the world called for peace.Either revealed or non revealed religion, prophet of every religion declared peace and tolerance as pivot point for welfare and betterment of humanity. In the same way, Jesus Christ preached his followers to restrain themselves from atrocity and violence and to create the environment of truthfulness. Moreover he advised his pupils to avoid the behavior of hatred and prejudice and to forgive their brothers even 70 times.But today ,on the contrary of the teaching of the founders of religion ,terroristic and violent behaviour is being established among the followers very rapidly.Personal interests are more attractive than brotherhood for these followers.

The basic purpose of the underdiscussion article is to present a noble example to the community of nation from the preachings of jesus Christ in the light of four gospels.It is the dire need of time to raise the same voice of truth and peace that was raised by the real well wishers of the community so that humanity get the fruits of divine message in its actual and real essence delivered by the consoler of humanity.On the contrary of beautiful message of jesus Christ,history of Christianity and other followers of religions is full of bloodshed,human massacre and violence.what was the reason that Christianity did not adhere the peaceful message of Christ and how the concept of peace was eclipsed what were the main factors that man was degraded in the name religion.In the article authors has main focused directly on the Holy Bible and it collected material concerning the various aspects of life like law ,society living ways and presented its anylisis in the light of valuable researches of some major and prominent scholars of Islam.

Keywords: *Christianity and peace.peace and bible.Dimensions of peace in bible.*

---

* اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ علوم اسلامیہ، یونیورسٹی آف انجینئرنگ اینڈ ٹیکنالوجی، لاہور

** اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ علوم اسلامیہ، یونیورسٹی آف انجینئرنگ اینڈ ٹیکنالوجی، لاہور

مسیحیت کا نقطہ آغاز ہی امن کی تلاش ہے۔ اخوت ومساوات جس کی بنیاد ہے، ہمدردی اور خدمت جس کی عبادت ہے، باہمی محبت و یگانگت جس کی تعلیمات کا بنیادی نقطہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہود کے ادنی طبقات اور یونان وروما کی کثیر تعداد عیسوی تحریک میں شامل ہو کر روحانی تسکین میں سبقت لے گئی، سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے پیروکاروں اور حواریوں کو یہ تعلیم دی کہ لوگ تمہیں اذیت سے ہمکنار کریں گے تو تم ان پر صبر کرنا یہی تمھارا اجر عظیم ہو گا۔ معاشرے میں عدم تشدد اور راست بازی کے ماحول کو قائم رکھنا خدا کے نزدیک پسندیدہ لوگوں کا شعار ہے اور انہی کے لیے خدا کی بادشاہت ہے، سیدنا عیسیٰ علیہ السلام لوگوں کو توبہ اور محبت کی تلقین فرمایا کرتے تھے اور امن ومحبت کے معاملے میں دوست اور دشمن میں تمیز روا نہیں رکھتے تھے۔ بلکہ تعصب اور نفرت کے رویوں سے بالاتر ہو کر اپنے ستانے والوں کے ساتھ بھی احسان کیا کرتے تھے، سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا فرمان ہے۔ہم اس لیے محبت کرتے ہیں کیوں کہ خدا نے پہلے ہم سے محبت کی۔ اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے میں خدا سے محبت کرتا ہوں لیکن اپنے عیسائی بھائیوں اور بہنوں سے نفرت کرتا ہے تو ایسا شخص جھوٹا ہے وہ شخص اپنے بھائی جس کو وہ دیکھ سکتا ہے پھر بھی نفرت کرتا ہے۔ تو ایسا شخص خدا سے محبت نہیں کر سکتا جس کو وہ دیکھ نہیں سکتا۔ اور اس نے ہم کو یہ حکم دیا ہے:

”جو کوئی خدا سے محبت کرتا ہے اسے چاہئے کہ اپنے بھائی سے بھی محبت رکھے۔ “[۱]

انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجئن میں مسیحی تصورِ امن کچھ یوں بیان کیا گیا ہے:

> In the history of the church, peace has been on the one hand as calm for the soul and on the other hand as social and political reconciliation and the establishment of a just order. This had led to doctrines is a just war 133. But more general statement speak of individual and communal wellbeing. [2]

ترجمہ: کلیسا کی تاریخ میں امن ایک طرف روحانی سکون کا نام ہے اور دوسری طرف سیاسی‘ معاشرتی‘ ہم آہنگی اور قیام عدل کا نام بھی ہے اور اسی سے انصاف کی جنگ کا تصور بھی نکلا لیکن اس کا عمومی مفہوم انفرادی اور اجتماعی بھلائی کا ہے۔

اناجیل میں تعلیمات امن

عالم عیسائیت عہد نامہ جدید کی اناجیل کو تعلیمات کا بنیادی ذریعہ جانتا ہے۔ اناجیل کی امن کے بارے میں درج ذیل تعلیمات ہیں۔ مقدس کتب میں امن کے مفہوم کا تعلق دنیا و آخرت دونوں سے ہے۔

---

(۱) کتاب مقدس، انجیل یوحنا، ۲۱:۴، بائبل سوسائٹی انار کلی، لاہور

(2) The Encyclopedia of Religion.Pub.Thomas gale.USA.2005 vol IIpg...8883

سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ہے:

”امن ہی میں تمہارے درمیان چھوڑے جارہا ہوں اور امن ہی تمہیں دیتا ہوں سو تم اپنے آپ کو خوف و ابتلاء میں مت ڈالو۔“(۱)

نمک کی مثال دیتے ہوئے انہوں نے فرمایا:

”اس نے کہا نمک ایک بہترین چیز ہے لیکن اگر نمک اپنے ذائقہ کو ضائع کردے تو تم اس کو پھر دوبارہ نمک نہیں بنا سکتے۔ اسی وجہ سے تم اچھائی کا مجسم بنو۔ اور ایک دوسرے کے ساتھ امن سے رہو۔ (۲)

امن کی خدا کے ہاں سب سے زیادہ عظمت اور کرہ ارض میں بسنے والے خندہ رو انسانوں کے ہاں سب سے زیادہ قدر و منزلت ہے۔ ”کیوں کہ خدا پریشانی نہیں بلکہ امن لاتا ہے“۔ (۳)

امن کی عموماً تین سطح پر ضرورت ہوا کرتی ہے

۱۔ انفرادی سطح پر اپنی ذات میں پُر امن ہونے کی ضرورت۔

۲۔ دوسرے لوگوں کے ساتھ امن و امان کی ضرورت۔

۳۔ اقوام کے مابین امن و سلامتی کی ضرورت۔

انفرادی سطح، معاشرتی سطح اور بین الاقوامی سطح پر تجدیدِ امن کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔

انفرادی امن

قلبی اطمینان ہی انفرادی امن ہے اور جب معاشرہ میں ایسے افراد جو انفرادی امن کے یعنی طمانیت قلبی کے حامل ہوں وہی ایک پرامن معاشرہ کہلاتا ہے۔ جس کا مطلب خدا کی چاہت اور خدا کا تقرب ہے۔ لفظ Surrender (تسلیم) اس کی وضاحت کیلئے زیادہ موزوں ہے کہ ہمیں اس کا مطیع و فرمانبردار بن جانا چاہئے یعنی اپنی ذات کو مکمل طور پر اس کے حوالے کر دینا چاہئے۔ جیسا کہ افسیوں کے نام خط میں یوں مذکور ہے:

”اور اسی کوشش میں رہو کہ روح کی یگانگی صلح کے بند سے بندھی رہے۔ ایک ہی بدن ہے اور ایک ہی روح۔ چنانچہ تمہیں جو بلائے گئے تھے اپنے بلائے جانے سے امید بھی ایک ہی ہے۔

---

(۱) کتاب مقدس، یوحنا، ۱۴:۲۷

(۲) مرقس، ۹:۵۰

(۳) کرنتھیوں، ۱۴:۳۳

ایک ہی خداوند ہے۔ ایک ہی ایمان۔ ایک ہی بپتسمہ۔ اور سب کا خدا اور باپ ایک ہی ہے۔ جو اسکے اوپر اور سب کے درمیان اور سب کے اندر ہے۔"[۱]

صلح پسندی

آپ کا ارشاد ہے کہ:

"مبارک ہیں وہ لوگ جو صلح کراتے ہیں وہ تو خدا کے بیٹے کہلائیں گے۔"[۲]

قلب وذہن کی طہارت اور تزکیہ

اناجیل ہمیں سیدنا عیسی علیہ السلام کے بارے میں معلومات فراہم کرتی ہیں کہ انہوں نے انسان کے قلب و ذہن کے تزکیے کی اہمیت پر بہت زور دیا ہے۔ سیدنا عیسیٰ فرماتے ہیں:

"کسی عورت کی جانب شہوت زدہ نظر سے دیکھنا ہی زناکاری کے مترادف ہے۔"[۳]

ہمارے نادیدہ خیالات، احساسات قلوب واذہان ترغیب دیتے ہیں۔ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہوتا ہے چنانچہ ہمارے اعمال خدا کو اس وقت دھوکہ دے سکتے ہیں جب وہ ہماری اصل نیتوں کے برعکس وقوع پذیر ہو رہے ہوتے ہیں۔ دراصل ہماری شخصیت گری اور فطرت ثانیہ میں ہمارے افکار اور احساسات کا کردار بنیادی اور حتمی ہوتا ہے۔ لیکن روح ہمیں محبت، خوشی، سلامتی، صبر، مہربانی، نیکی، ایمانداری، پرہیز گاری، ہمدردی اور طور پر قابو پانا سکھاتی ہے۔[۴]

دوسرے لوگوں کے ساتھ تعلقِ امن

درحقیقت انسانی تعلقات بہت ساری وجوہات اور پریشانیوں کے باعث متاثر ہو جاتا ہے اس ضمن میں افراد کے مابین داخلی لحاظ سے تعلقات امن کی تجدید بھی بڑی اہم وضروری ہے۔ گھروں میں امن وسکون کی ضرورت ہے۔

- شوہر اور بیوی کے مابین خوشگوار ازدواجی تعلقات کی ضرورت ہے۔ مالک اور ملازمین کے مابین خوشگوار تعلقات کی ضرورت ہے۔
- اساتذہ اور طلبہ کے درمیان خوشگوار تعلقات کی ضرورت ہے۔

---

(۱) کتاب مقدس، افسیوں، ۳:۴-۶

(۲) کتاب مقدس، متی، ۵:۹

(۳) کتاب مقدس، متی، ۵:۲۸

(۴) کتاب مقدس، گلتیوں، ۵:۲۲

- امیر و غریب کے درمیان قربت کی ضرورت ہے۔

اسی طرح مہاجرین و مقامی افراد کے درمیان اور مختلف نسل انسانی کے مابین اچھے تعلقات بھی اہمیت کے حامل ہیں۔ لہٰذا امن معاشرتی سطح پر موجود تمام طبقات کے لئے ضروری ہے۔

معاشرے کے اندر عدم اطمینان اور بدامنی و بے سکونی کی اصل وجہ ہمارا گناہ کی طرف میلان ہے۔ انسان کا دل تکبر، کینہ و حسد اور خود غرضی جیسے سفلی جذبات و احساسات سے معمور ہے۔ جب ہم دوسروں کے احساسات کو ٹھیس پہنچاتے ہیں تو گویا ہم دشمنی اور فساد کے شجر کا بیج بو دیتے ہیں۔ تاہم اگر ہم اپنی انانیت کی قربانی دوسروں کی خاطر دیں تو کوئی خاطر خواہ تبدیلی آسکتی ہے اور ہماری حالت بدل سکتی ہے۔ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے مؤخر الذکر رویہ اپنانے کی بے حد ترغیب دی ہے۔ یقیناً اہل زمین کے ساتھ مہربانی کرنے والوں پر خدا عرش بریں پر مہربان ہو گا۔

مل جل کر سلامتی سے رہو

"تو اب اے بھائیو اور بہنو! میں خدا حافظ کہتا ہوں۔ کامل ہونے کی کوشش کرو۔ میں نے جن باتوں کو کرنے کے لئے لکھا ہے اس پر عمل کرنے کی کوشش کرو۔ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ مل جل کر اور سلامتی سے رہو تو بے لوث محبت والا خدا اور اسکی سلامتی تم پر رہے گی"۔ (۱)

تلقین امن

"تم ایک دوسرے کے ساتھ امن سے رہو روح کے ذریعے امن سے رہو۔ تم سب مل کر اس اتحاد کو بچائے رکھو جو سلامتی سے حاصل ہوا ہے"۔ (۲)

عیسائی تفہیمات و تعلیمات کے مطابق معاشرہ کے افراد کے مابین امن و شانتی کو رواج دینے کیلئے اصلاح کی از حد ضرورت ہے لیکن یہ صرف اسی صورت میں ممکن ہے جب ہم سب سے پہلے اپنی انفرادی اصلاح کریں اور خدا کے ساتھ تعلق میں پختگی لائیں اور اس کیلئے وہ منہج اختیار کریں جس کا خدا نے اپنے نبی سیدنا عیسی علیہ السلام کے ذریعے حکم دیا ہے تب یہ اصلاح بھی قابل قبول و عمل بن سکے گی۔ عہد نامہ جدید میں پال اس بات کی تعلیم دیتا ہے کہ جناب مسیح علیہ السلام نے ادنیٰ موت کے وسیلے سے پوری دنیا پر محیط امن قائم کر کے دکھا دیا۔ جس میں ایک مکمل ہمہ گیریت پائی جاتی ہے۔ بے چارگی کے عالم میں سیدنا مسیح علیہ السلام کی وفات کے تناظر میں دیکھا جائے تو یہ اس بات کی

---

(۱) کتاب مقدس، کرنتھیوں، ۱۱:۱۳

(۲) کتاب مقدس، افسیوں، ۴:۳

غمازی کرتی ہے کہ اس میں خدا سے عمودی تعلق پایا جاتا ہے جبکہ بنی نوع انسان کے ساتھ اصلاح کا آفاقی پہلو بھی موجود ہے۔ لہذا پال کے مطابق جناب مسیح علیہ السلام کے ہاں نہ تو یونانی و یہودی کی تخصیص ہے اور نہ ہی غلام و آقا کا فرق۔ اسی طرح مرد وزن میں کوئی تفاوت نہیں کہ تم سب کے سب ہی مسیحی ہو۔

امن عالم کے قیام کے لیے ربانی امن کا فروغ

اناجیل بڑی شدومد کے ساتھ اس بات کو بڑی صراحت کے ساتھ بیان کرتی ہیں کہ امن کا بانی صرف خدا ہے اور کائنات میں اس وقت تک پائیدار امن قائم نہیں ہو سکتا جب تلک ربانی امن کو اس دنیا میں فروغ نہیں دیا جائے گا۔ جب سیدنا عیسیٰ علیہ السلام یروشلم میں واقع اپنی جائے پیدائش بیت اللحم میں ہویدا ہوئے تب فرشتوں نے ان الفاظ کے ساتھ زمزمہ پردازی کی تھی کہ ہر اوجِ عظمت صرف خدائے برتر ہی کے لائق ہے اور امنِ ارضی ان لوگوں کیلئے ہے جس سے وہ راضی ہو جائے۔[1]

نظم وضبط کا خدا ہے نہ کہ انتشار وبدنظمی کا انجیل کا پیغام یہی ہے کہ وہ نظم وضبط کا خدا ہے نہ کہ انتشار وبدنظمی کا جس نے دنیا کی بدنظمی اور بے ضابطگی میں ایک ضابطے کی کارروائی کی تاکہ اس دنیا کو اس کی اصل اور درست حالت میں لایا جاسکے۔ چنانچہ اس مقصد کیلئے ہی تو اس نے جناب مسیح علیہ السلام کو مبعوث فرمایا جنہوں نے خدائے برتر واعلیٰ کی بھرپور تائید ورضا کے ساتھ اپنا مشن پورا کر دکھایا۔ ایک جم غفیر انہیں خوش آمدید کہہ رہا تھا جیسا کہ انجیل میں ہے: وہ پکار رہے تھے: خداوند کے نام پر آنے والے بادشاہ کے لئے خوش آمدید۔ آسمان میں امن وامان ہو اور خدا کے لئے جلال وعظمت ہو۔[2]

آمد مسیح امن کی ضمانت

انجیل اس بات کی دعویدار ہے کہ سیدنا مسیح علیہ السلام ہی امن کی ضمانت ہیں جیسا کہ انجیل میں ہے:

> ”کیوں کہ مسیح کی وجہ سے ہم امن میں ہیں مسیح نے ہم دونوں کو ایک کر دیا۔ یہودی اور غیر یہودی دونوں کو اس طرح علیحدہ کر دیا تھا جیسے ان کے درمیان ایک دیوار ہو وہ ایک دوسرے کے دشمن تھے لیکن مسیح نے اس دشمنی کو اپنا جسم دیکر دور کیا۔ یہودی شریعت میں کئی احکام ہیں لیکن مسیح نے اس شریعت کو ختم کیا مسیح کا مقصد یہ تھا کہ دونوں گروہوں کے لو گوں کو ایک نئے انسان ان میں بنائیں ایسا کر کے مسیح نے امن قائم کئے۔ مسیح نے آکر تم غیر

---

(۱) کتاب مقدس، متی، ۲، ۱: ۲؛ لوقا ۱۱: ۲۔ ۱۴

(۲) کتاب مقدس، لوقا ۱۹:۳۸

یہودی لوگوں کو امن کی تعلیم دی جو خدا سے بہت دور تھے اور اس نے یہودیوں کو بھی جو خدا کے نزدیک تھے امن کی تعلیم دی۔"(۱)

رسولوں کے اعمال میں یہود کے لیے خوش خبری دی گئی ہے جو امن سے مشروط ہے:

"خدا نے یہودیوں سے کہا ہے اور انہیں خوشخبری دی ہے کہ امن وامان یسوع مسیح سے ہی آتا ہے۔ یسوع ہی سب لوگوں کا خداوند ہے۔"(۲)

امن کے متعلق سیدنا مسیح علیہ السلام کے مزید ارشادات

"جہاں تک تم سے ممکن ہو سکے سب کے ساتھ امن سے رہو۔"(۳)

کرنتھیوں کے نام پولوس رسول اپنے پہلے خط میں سیدنا مسیح علیہ السلام کو پوری دنیا کے لیے امن کی آشا قرار دیتا ہے:

"میرا مطلب ہے خدا نے مسیح میں ہو کر دنیا اور اپنے درمیان امن قائم کر لیا۔ خدا نے لوگوں کو مسیح میں انکے گناہ کے لئے قصور وار نہیں ٹھہرایا اور اس نے امن کے اس پیغام کو ہمیں لوگوں کو سنانے کے لئے دیا۔"(۴)

اگر دورِ حاضر میں کرہ ارض پر نگاہ ڈالیں تو بخوبی اندازہ ہو جائے گا کہ یہ دنیا پھر سے بدنظمی اور انتشار کا بری طرح شکار ہو چکی ہے۔ لوگوں نے اس کو خستہ حالی کا مجموعہ بنانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی ہے۔ اگرچہ خدائے نظم و ضبط نے یہ دنیا بنا کر اسے لاوارث نہیں چھوڑ دیا اور نہ ہی وہ اپنی وسیع کرسی اختیار سے دستبردار ہو چکا ہے کہ محض انسانیت کی تباہی کا تماشا دیکھتا رہے۔ عہد نامہ قدیم کے پیغمبروں کا گمان حقیقی یہی ہے کہ اسرائیل پر آنے والا عذاب الٰہی دراصل ان کے اپنے کئے اور خدا کی نافرمانیوں اور اس کے انبیاء کے جھٹلانے کا انجام تھا۔ اور اگر وہ دوسرے بادشاہ کو شکست نہیں دے سکتا تو وہ اپنے سفیر کو بھیج کر اس سے امن معاہدہ کی گزارش کرے گا۔(۵)

---

(۱) کتاب مقدس، افسیوں ۱۷،۱۵،۱۴:۲

(۲) کتاب مقدس، اعمال، ۳۶:۱۰

(۳) کتاب مقدس، رومیوں، ۱۸:۱۲

(۴) کتاب مقدس، ا۔کرنتھیوں ۱۹:۵

(۵) کتاب مقدس، لوقا، ۳۲:۱۴

مسیحی امن فارمولہ

مسیحیت میں امن مشروط ہے ،امن کی تعلیمات بلا قید نہیں ہیں امن انہی کے لیے ہے جو باایمان (مسیحی)ہوں اور امن کے خواستگار ہوں اور ایسے لوگ جو ایمان سے عاری (غیر مسیحی)ہوں اور مسیحی معاشرہ سے جدائی کے طلب گار ہوں ان کے لیے امن کا فارمولا درج ذیل ہے:

"اگر ویسے مرد جو باایمان نہ ہو اور جدا ہونا چاہے تو اسے ہو جانے دو۔ ان حالات میں کوئی بھائی یا بہن پابند نہیں۔ خدا نے ہم کو پر امن زندگی کے لئے بلایا ہے۔"(۱)

عہد نامہ قدیم میں جس طرح دشمنوں کو نیست و نابود کرنے اور قتل و غارت گری کے واضح احکام موجود ہیں اس طرح کے احکام عہد نامہ جدید میں نہیں ملتے۔ عہد نامہ جدید میں امن کا پیغام نمایاں ہے ' معاشرتی انصاف کی جگہ جگہ تلقین کی گئی ہے۔ درج ذیل نصوص ملاحظہ کریں:

"اور اپنے پیروں میں امن کی خوش خبری کی نعلین پہن لو جو تمہیں طاقت سے کھڑے رہنے میں مدد دے گی"۔ (۲)

"تم سب امن اور سلامتی کی زندگی میں رہ کر اس کا اعزاز سمجھو اور اپنے کام کی طرف توجہ دو اور اپنی کمائی اپنے ہاتھ سے کما ہم تمہیں سب کرنے کے لئے پہلے ہی کہہ چکے ہیں"۔ (۳)

"اور ان کے کام کے سبب سے محبت کے ساتھ ان کی بڑی عزت کرو۔ اور ایک دوسرے کے ساتھ امن سے رہو"۔ (۴)

"تم میرے سچے فرزند کی مانند ہو کیوں کہ تم ایمان رکھتے ہو۔ فضل و کرم، امن وامان اور سلامتی خدا باپ اور ہمارے خداوند یسوع مسیح کی طرف سے تم پر نازل ہوتا رہے"۔ (۵)

"اس کو بہت زیادہ مئے نہیں پینا چاہئے اور وہ لوگوں سے لڑنے والا نہیں ہونا چاہئے اسکو نرم مزاج اور پر امن ہونا چاہئے وہ ایسا نہیں ہو جو پیسہ سے پیار کرتا ہو"۔ (۱)

---

(۱) کتاب مقدس، اکرنتھیوں ۱۵:۷

(۲) کتاب مقدس ،افسیوں، ۶:۱۵

(۳) کتاب مقدس ، تھسلنیکیوں،۱۱:۴

(۴) کتاب مقدس ، تھسلنیکیوں،۱۳:۵

(۵) کتاب مقدس ، تیمتھیس، ۱:۲

”جب ہمیں سزا دی گئی تو ہم لوگوں نے خوشی نہیں منائی بلکہ سزا پانا تو درد سے بھرا ہوا تھا۔ لیکن سزا پانے کے بعد ہم لوگوں نے سزا سے سبق سیکھا۔ ہم لوگ امن و امان میں ہیں کیوں کہ ہم لوگوں نے سیدھی زندگی گزارنی شروع کر دی ہے“۔[۲]

”لیکن جو حکمت اوپر سے آتی ہے پہلے یہ پاک ہے پھر پر امن۔ نرم اور وسیع ذہن آسانی سے قبول کرنے والی نئی سچائی یہ رحم سے بھرپور نیک عمل کرنے اور دوسروں کے ساتھ ایماندار اور غیر جانب دار رہتی ہے۔ جو لوگ امن کے لئے پر امن طریقے سے کام کرتے ہیں وہ راستبازی کے ذریعہ اچھی چیزوں کو پاتے ہیں“۔[۳]

تشکیل امن

تشکیلِ امن کے دائرے میں آزادی، تحفظ و بقاء، فلاح و بہبود، عظمت و رفعت اور سیاسی استحکام وغیرہ سب شامل ہے۔ اسی طرح جو کوئی بھی ان چیزوں کی تشکیل کیلئے کوشاں ہو گا اسے بجا طور پر تشکیل امن کا علمبردار کہا جائے گا۔ انجیل متی عیسائیت کے بنیادی اصول وضوابط کے تناظر میں سیدنا عیسی علیہ السلام کے پہاڑی وعظ کے حوالے سے یہ روایت کرتی ہے کہ امن کی تشکیل کیلئے کوشاں لوگ قابل ستائش ہیں اور انہیں اس کے بدلے میں خدا کے بیٹوں کے لقب سے پکارا جائے گا۔[۴]

چنانچہ امن کی نگہداشت میں کمی نہیں ہونی چاہئے اور اس سلسلے میں ہونے والی ہر کوتاہی اور غفلت کی تلافی کرنی چاہئے۔ امن کی تشکیل کا کام گویا ایک ایسی جنت ہے جس میں کوئی حور نہیں۔ البتہ فساد میں حصہ دار کیلئے بہت کچھ ہے۔ تاہم ایک دوسرے پر برہم ہونے اور دنگا فساد کرنے سے پر امن ہونا بہت ہی اچھا ہے اور ہمیں اس بات کو رواج دینا چاہئے کہ جب ہم گھر میں بھی داخل ہوں تو سب سے پہلے اہل خانہ کو پیغام امن دیں۔

امن صرف خدا کیساتھ پختہ تعلق کی بنیاد پر ہی استوار ہو سکتا ہے۔ کیونکہ تحفظ اور امان صرف خدا کی ذات ہی دے سکتی ہے جو امن کی اصل بنیاد ہے۔ خدا کے ساتھ یہ تعلق کی پختگی صرف خدا خوفی کے ساتھ ممکن ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ ہم ہمیشہ سچ بولیں، اپنے اخلاقی معاملات درست کریں اور اخلاق حسنہ کی ترویج کریں۔ ایک دھوکے باز

---

(۱) کتاب مقدس، تیمتھِیس ۳:۳

(۲) کتاب مقدس، عبرانیوں، ۱۲:۱۱

(۳) کتاب مقدس، یعقوب، ۱۸، ۱۷:۳

(۴) کتاب مقدس، متی، ۵:۹

اور چرب زبان جھوٹا شخص کبھی بھی حقیقی امن کو نہیں پا سکتا اور نہ ہی کوئی ایسا انسان اس گوہر نایاب کو حاصل کر سکتا ہے جسے خدا پر یقین ہی نہ ہو۔

اپنے ہمسایوں سے محبت

سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے پیروکاروں کو معرکہء حیات میں پیش آنے والے مختلف نوعیت کے حالات کا

سامنا کرنے کا مکمل اور کوئی تفصیلی ضابطہ نہیں دیا۔ اس معاملے میں ان کی تعلیمات یہودی تعلیمات سے یکسر مختلف ہیں۔

متی کے مطابق اس ضمن میں ان کی تعلیمات یہ ہیں:

"اپنے والدین کی عزت کرو اور تمہیں اپنے ہمسائے سے محبت کرنی چاہئے"۔ [۱]

اسی طرح ایک اور جگہ فرمایا:

"تم اپنے ہمسائے سے اسی طرح محبت کرو جس طرح اپنے آپ سے محبت کرتے ہو"۔ [۲]

لوقا کی انجیل میں بھی اسی بات پر ان الفاظ میں زور دے کر کہا گیا ہے:

"لیکن آدمی نے بتانا چاہا کہ وہ اس کا سوال پوچھنے میں سیدھا ہے اسلئے وہ یسوع سے پوچھا کہ میرا پڑوسی کون ہے؟ تب یسوع نے کہا، ایک آدمی یروشلم سے یریحو کے راستہ میں جارہا تھا کہ چند ڈاکوں نے اسے گھیر لیا۔ وہ اس کے کپڑے پھاڑ ڈالے اور اسکو بہت زیادہ پیٹا بھی اس کی یہ حالت ہوئی کہ وہ نیم مردہ ہوگیا وہ ڈاکو اسکو وہاں چھوڑ دیئے اور چلے گئے۔ [۳]

---

[۱] کتاب مقدس، متی،۱۹:۱۹

[۲] کتاب مقدس، متی،۲۲:۳۹

[۳] ایسا ہوا کہ ایک یہودی کاہن اس راہ سے گزر رہا تھا وہ کاہن اس آدمی کو دیکھ نے کے باوجود اسکی کسی بھی قسم کی مدد کئے بغیر اپنے سفر پر آگے روانہ ہوا۔ تب لاوی اسی راہ پر سے گزرتے ہوئے اس کے قریب آیا۔ وہ بھی اس زخمی آدمی کی کچھ بغیر مدد کئے اپنے سفر پر آگے بڑھ گیا۔ پھر ایسا ہوا کہ ایک سامری جو اس راستے پر سفر کرتے ہوئے اس جگہ پر آیا وہ راہ پر پڑے ہوئے زخمی آدمی کو دیکھتے ہوئے بہت دکھی ہوا۔ سامری نے اس کے قریب جا کر اس کے زخموں پر زیتون کا تیل اور مئے لگا کر کپڑے سے باندھ دیا۔ وہ سامری چونکہ ایک گدھے پر سواری کرتے ہوئے بذریعے سفر وہاں پہنچا تھا۔ اس نے زخمی آدمی کو اپنے گدھے پر بٹھائے ہوئے اس کو ایک سرائے میں لے گیا اور اس کا علاج کیا۔ دوسرے دن اس سامری نے دو چاندی کے سکے لئے اور اسکو سرائے والے کو دیکر کہا

سیدنا عیسیٰ علیہ السلام دشمنوں کے ساتھ حسنِ سلوک اور ان کے حق میں بھلا کرنے، انہیں قرض دینے کی تاکید فرماتے ہیں بے شک وہ قرض قرض خواہوں کو واپس نہ لوٹا پائیں۔ یقیناً انھیں اس کا اجر و ثواب ملے گا کیوں کہ خدا گنہگاروں اور ناشکر گزاروں کے حق میں بھی وہی حسنِ سلوک چاہتا ہے جو اپنے نیک بندوں سے کیونکہ تمام مخلوق اللہ کا کنبہ ہے۔ گویا اہم بات ہمارا ہمسایہ ہونا ہے نہ کہ اس کی قومیت یا مذہب زیادہ اہم ہے۔ دوسرا کردار اس کہانی میں ایک پادری کا تھا جو اس یہودی کے پاس سے حقارت سے گزر گیا۔ تیسرا کردار ایک مربی کا ہے، جس نے ایک آدمی کو یوں پڑا دیکھا اور گزر گیا۔ چوتھا کردار ایک سامری کا ہے۔ یہی سامری جو کہ یہودی مذہب کے نزدیک ملحد تھا، اسی نے انسانی ہمدردی اور بھائی چارے کا پرچار کرتے ہوئے اس مرتے ہوئے یہودی کی مدد اور مداوا کرنے کی کوشش کی۔ وہ سامری اس زخمی اور خستہ حال یہودی کے پاس گیا اور اس کی مرہم پٹی وغیرہ کی پھر اس یہودی کو اپنے گھوڑے پر سوار کیا اور ایک سرائے میں لے جا کر اس کی مزید معاونت اور مدد کی۔ اس واقعہ میں سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے یہ پیغام دیا ہے کہ ہمسایہ محض وہ شخص نہیں ہوتا جو آپ کے برابر میں رہتا ہے یا جس کا تعلق آپ کے قبیلے اور ملک سے ہوتا ہے بلکہ ہمسایہ تو ہر وہ شخص ہوتا ہے جو آپ کے ساتھ بغیر مذہبی، نسلی اور اخلاقی تعلق کے بھی وابستہ ہو چکا ہے۔ (۱)

صاحب تفسیر الکتاب لکھتے ہیں:

> ”سامری نے سارے انسانوں کا احترام کرنا سیکھا تھا اس لیے اس پر ترس کھاتا ہے جس طرح وہ چاہتا ہے کہ ایسی حالت میں مجھ پر ترس کھایا جائے اس سامری کا ترس کوئی بے عمل ترس نہ تھا۔ اس نے صرف اپنا دل ہی نہیں بڑھایا بلکہ اس بے کس زخمی آدمی کی مدد کے لیے اپنا ہاتھ بھی بڑھایا“ دیکھئے کہ یہ سامری کیسا ہمدرد ہے۔ وہ زخمی آدمی کے پاس آیا۔ کاہن اور لاوی اس سے دور دور رہے تھے۔ اس وقت کوئی ڈاکٹر کوئی جراح نہیں مل سکتا تھا اس لیے اس سامری نے خود یہ کام کیا۔“(۲)

کہ اس زخمی آدمی کی دیکھ بھال کرنا اگر کچھ مزید اخراجات ہوں تو پھر جب میں دوبارہ آؤں گا تو تجھ کو ادا کرونگا۔ یسوع نے اسکو پوچھا کہ ان تینوں آدمیوں میں سے کس نے ڈاکو کے ہاتھ میں پڑے آدمی کا پڑوسی ہونا ثابت کیا ہے؟۔“کتاب مقدس، لوقا، ۲۹:۱۰۔۳۶

(۱) میھتیو، ہینری کا منٹری، تفسیر الکتاب، چرچ فاونڈیشن سیمینار، لاہور، ۲۰۰۵ء، ۳/۷ ۵۳

(۱) کتاب مقدس، لوقا، ۲۹:۱۰۔۳۶

جس دور میں سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے ہمسایوں کے ساتھ محبت کرنے کا درس دیا، تب یہودی مذہبی اکابرین کے نزدیک ہمسایہ صرف خونی رشتے کے ذریعے وابستہ شخص تسلیم کیا جاتا تھا۔ اپنے ہمسائے سے محبت کرنا کا مطلب یہ ہے کہ اس کی آڑے وقت میں امداد کی جائے اور اس کی ضروریات پوری کی جائیں اور اس کی کوتاہیوں پر درگزر کیا جائے۔ اس کا دکھ درد بانٹا جائے۔ اس کا بوجھ ہلکا کیا جائے۔ یہ محض خیالات یا جوشیلی باتیں نہیں ہیں بلکہ یہ (خدمت) ایک ایسا انداز اور رویہ ہے کہ جو اپنے اندر بہت اثر رکھتا ہے۔ انجیل مقدس واضح طور پر بیان کرتی ہے کہ روح کا پھل مہر و محبت، لطف و عنایت، موافقت و مؤدت، امن اور آشتی ہی ہے، جبکہ نفرت، غصہ، کینہ و حسد، اداسی و پریشانی، قتل و غارت، فساد وغیرہ یہ سب جسم کے کارنامے ہیں۔

دشمنوں سے محبت

ایک عیسائی کا اپنے دشمن کے ساتھ کیسا برتاؤ ہونا چاہئے؟ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی شخصیت میں عقل و دانش کے تمام جواہرات پوشیدہ ہیں۔ جتنا زیادہ مطالعہ آ پ علیہ السلام کی ذات کا کیا جائے گا اتنا ہی زیادہ پختہ نتیجہ یہ نکلے گا کہ انہوں نے اپنے دشمنوں سے محبت کرنے کا جو سبق دیا ہے وہ دراصل بنیادی تعلیم ہے نہ کہ فروعی معاملہ۔ گرجے کی تعلیمات اور اس کی تفہیم میں اس بات کا ایک اپنا الگ سے وجود پایا جاتا ہے۔ دراصل یہ بنی نوع انسان کی اپنی بقاء کے لئے بھی بنیاد ہے۔ چنانچہ جب تک ہم حقیقی طور پر اپنے دشمنوں کے ساتھ محبت کرنا نہیں سیکھ لیتے تب تک کرۂ ارض فساد کا منظر پیش کرتی رہے گی۔

لوقا کی انجیل میں ہے:

> ”اگر تم اپنے محبت رکھنے والوں ہی سے محبت رکھو تو تمہارا کیا احسان ہے؟ کیونکہ گنہگار بھی اپنے محبت رکھنے والوں سے محبت رکھتے ہیں۔ اور اگر تم ان ہی کا بھلا کرو جو تمہارا بھلا کریں تو تمہارا کیا احسان ہے؟ کیونکہ گنہگار بھی ایسا ہی کرتے ہیں اور اگر تم ان ہی کو قرض دو جن سے وصول ہونے کی امید رکھتے ہو تو تمہارا کیا احسان ہے؟ گنہگار بھی گنہگاروں کو قرض دیتے ہیں تاکہ پورا وصول کر لیں۔ مگر تم اپنے دشمنوں سے محبت رکھو اور بھلا کرو اور بغیر ناامید ہوئے قرض دو تو تمہارا اجر بڑا ہوگا اور تم خدا تعالیٰ کے بیٹے ٹھہرو گے کیونکہ وہ ناشکروں اور بدوں پر بھی مہربان ہے جیسا تمہارا باپ رحیم ہے تم بھی رحم دل ہو۔“ (۱)

---

(۱) ایضا: ۶:۳۲۔۳۶

آپ ﷺ کے پہاڑی وعظ میں بنیادی اور سماجی ضابطہ موجود تھا۔ جس میں سے چند بہت ہی مشہور اقوال درج ذیل ہیں:

"لیکن میں تم سے جو کہتا ہوں کہ تم کسی پر غصّہ نہ کرو ہر ایک تمہارا بھائی ہے اگر تم دوسروں پر غصہ کروگے تو تمہارا فیصلہ ہوگا اور اگر تم کسی کو برا کہوگے تو تم سے یہودیوں کی عدالت میں چارہ جوئی ہوگی۔ اگر تم کسی کو نادان یا اُجڈ کے نام سے پکاروگے تو دوزخ کی آگ کے مستحق ہوگے... "زنا نہ کرو" اور یہ بھی کہا "کسی کو ہلاک نہ کرو۔ اگر تم زنا نہیں کرتے ہو لیکن کسی کو ہلاک کرتے ہو، تب تم خدا کی شریعت کو توڑنے والے ٹھہرے۔"[۱]

رحمتِ عمومی کی غیر معمولی قدر بطور ثبوت رحمت خداوندی کے ہونی چاہیے۔ ان عام خدا کی عنایات کو بلا تخصیص اچھے بُرے میں تقسیم کیا جانا چاہیے۔ خدا کی نعمتیں شریر لوگوں کیلئے بھی سخاوت ہوا کرتی ہیں جو ہم سے نفرت کرتے ہیں۔ ان کو محض خدا کے بچوں کی حیثیت سے قبول کیا جائے گا اگر ان کی اچھائیوں کو خصوصی طور پر دیکھا جائے۔ اگرچہ عوام اپنے دوستوں سے بھی محبت کیا کرتی ہے۔ طبیعت ان کی طرف مائل ہوتی ہے اور ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرتے ہیں یہ ایک انسانیت کا عام پہلو ہے، تاہم ہمیں ضرور اپنے دشمنوں سے محبت کرنی چاہیئے کہ ہم ان سے بازی لے جائیں۔

مسیح علیہ السلام نے پطرس سے کہا تھا:

"تلوار میان میں واپس رکھ دو، جو کوئی بھی تلوار اٹھائے گا وہ تلوار ہی کے ذریعے نابود کر دیا جائے گا"۔[۲]

اس طرح ایک اور اہم میدانی خطبے میں سیدنا عیسیٰ علیہ السلام یہ ارشاد بھی فرماتے ہیں:

"میں تمہیں جو کہتا ہوں اسے خوب اچھی طرح ذہن نشین کر لو! کہ تم اپنے دشمنوں سے پیار کرو، جس نے تمہارے ساتھ زیادتی کی ہے تم اس کے ساتھ اچھا سلوک کرو اور جو تمہیں گزند پہنچاتا ہے تم اس کیلئے دعا کرو"۔[۳]

ہمیں سیدنا عیسیٰ علیہ السلام یہ بتاتے ہیں کہ ہم دوسروں سے اس انداز میں محبت کریں جس طرح خدا ہم سے غیر مشروط محبت کرتا ہے۔ ہم گناہ گار ہوتے ہیں خدا تب بھی ہم سے محبت ہی کرتا ہے۔ خدا ہم سے محبت کرتا ہے

---

[۱] کتاب مقدس، یعقوب،۱۱:۲

[۲] کتاب مقدس، متی،۵۲:۲۶

[۳] کتاب مقدس، متی،۴۴:۵

اس چیز سے بے نیاز ہو کر جو ہم نے کیا ہے اور جو ہم آئندہ کریں گے۔ چنانچہ خدا کی محبت تو ہمارے ساتھ غیر مشروط ہی ہوتی ہے اسی طرح خدا ہم سے اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ ہم بھی دوسروں کے ساتھ اسی طرح بے نیاز محبت کریں۔

اس حکم نامے میں سیدنا مسیح علیہ السلام نے یہ وضاحت فرمادی ہے کہ محبت حقیقی کرنے والا بغیر کسی امید کے محبت کیا کرتا ہے۔ ہم طبعی طور پر سچے پیار کو جانتے ہیں اگر ہم اس پاسکیں تو، ہم اسے خدا سے حاصل کر سکتے ہیں، اپنے والدین سے اور اپنے انتہائی قریبی دوست سے بھی۔ اگرچہ یہ مسلسل نہیں ہوتا مگر ہمیں اس کا تجربہ ضرور ہو جاتا ہے اور ہمیں اس بات کی چنداں حاجت نہیں رہ جاتی کہ ہم سچے اور حقیقی پیار اور جھوٹے پیار میں فرق بتائیں جو محبت ہی کے نام پر کیا جاتا ہے مگر بغیر کسی روحانی و مسیحائی محرک کے بغیر، محض ایک خالی محبت کا نام۔ عملی محبت ہی جواب ہے جو کہ مسیحؑ چاہتے ہیں کہ ہم اپنے دشمنوں کے ساتھ کریں۔ یہی ایک اصول ہے جس کے ذریعے ہم ربانی محبت اور پیغام کو اپنے دشمنوں کے ساتھ اچھے برتاؤ کے ساتھ عام کر سکتے ہیں۔

جب سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے پہاڑی پر اپنا وعظ کیا تو انہوں نے اپنے پیروکاروں سے خود مختار زندگی گزارنے کیلئے ایک واضح اصول اپنانے کا کہا۔ دوسرے الفاظ میں یہ کہ مسیحی عقیدے کی رُو سے محبت کیلئے کوئی معادلے کی شرط نہیں۔ اپنے دشمنوں سے محبت کرو، یہ حکم بلا شرط محبت کے ساتھ اس آفاقی پیغام کی بڑی واضح تشریح کر دیتا ہے۔ دوسروں کو بچانے کیلئے کسی آدمی کو مارنا اس سے مستثنیٰ ہے کہ ایسا پیار آفاقی نہیں ہو سکتا حالانکہ عام تاثر یہی ہے کہ دفاعی جنگ کی انجیل میں کوئی بنیاد نہیں۔

عفو و در گزر

انجیل اسی بات پر بہت زور دیتی ہے کہ دوسرے انسانوں کی کوتاہیوں سے در گزر کیا جائے۔ اگرچہ معافی کوئی آسان بات نہیں ہے کیونکہ کسی کی زیادتی کو محض ایک لفظ معافی سے تو نہیں بھلایا جا سکتا چنانچہ دوسروں کو معاف کر دینا بڑا ہی بلند ہمت کام ہے۔ تاہم ہمیں ضرور منتقم اور کینہ پروری کی بجائے عفو و در گزر سے ایسے معاملات کو حل کرنا سیکھنا ہو گا۔

لہٰذا انجیل کی مندرجہ ذیل تعلیمات اسی سلسلے میں ہیں کہ ہمیں کس طرح ایک دوسرے کے ساتھ رواداری اور در گزر کے ذریعے نہ صرف کام لینا ہو گا بلکہ ہمیں دوسروں کے قرضے بھی معاف کرنے ہونگے۔

انجیل کی درج ذیل آیات ملاحظہ ہوں: ”میں تم سننے والوں سے کہتا ہوں کہ اپنے دشمنوں سے محبت رکھو۔ جو تم سے عداوت رکھیں ان کا بھلا کرو“[1]

”اور جس طرح ہم نے اپنے قرض داروں کو معاف کیا ہے تو بھی ہمارے قرض ہمیں معاف کر.... اور ہمارے گناہ معاف کر کیونکہ ہم بھی اپنے قرض دار کو معاف کرتے ہیں اور ہمیں آزمائش میں نہ لا“۔[2]

”اگر تم دوسرے لوگوں کی کوتاہیاں معاف کر دوگے تو تمہارا آسمانی باپ بھی تمہاری غلطیاں معاف فرما دے گا لیکن اگر تم لوگوں کی غلطیاں معاف نہیں کروگے تو تمہارا آسمانی باپ بھی تمہاری خطائیں معاف نہیں کرے گا“۔[3]

”تب پطرس اوپر آیا اور اپنے آقا سے کہا! اگر میرا بھائی میرے خلاف برائی کرے تو میں کتنی مرتبہ اسے معاف کروں؟ کیا اسے سات دفعہ معاف کر دوں؟ تب مسیحؑ نے اسے جواب دیا، بلکہ تو اسے ستر بار معاف کر دے میں تمہیں سات دفعہ نہیں بلکہ ۷۰ دفعہ معاف کرنے کا حکم دیتا ہوں“۔[4]

”پس جو کچھ تم چاہتے ہو کہ لوگ تمہارے ساتھ کریں وہی تم بھی ان کے ساتھ کرو کیونکہ توریت اور نبیوں کی تعلیم یہی ہے“۔[5]

”اور ہمیں معاف کر دے، اس کے بدلے میں کہ ہم نے اپنے قرض مند کو معاف کر دیا“۔[6]

”اگر تیرا بھائی تیرا گناہ کرے تو جا اور خلوت میں بات چیت کر کے اسے سمجھا۔ اگر وہ تیری سنے تو تُو نے اپنے بھائی کو پا لیا۔ اور اگر نہ سُنے تو ایک دو آدمیوں کو اپنے ساتھ لے جا تا کہ ہر ایک بات دو تین گواہوں کی زبان سے ثابت ہو جائے۔ اگر وہ ان کی سننے سے بھی انکار کرے تو کلیسیا سے

---

(۱) کتاب مقدس، متی ۴:۱۶۔۱۵

(۲) کتاب مقدس، لوقا، ۳۵:۶

(۳) لوقا ۴:۱۱

(۴) کتاب مقدس، متی ۴۳:۵

(۵) کتاب مقدس، افسیوں ۳۲:۴

(۶) کتاب مقدس، متی ۱۲:۷

کہہ اور اگر کلیسیا کی سننے سے بھی انکار کر تو تو اسے غیر قوم والے اور محصول لینے والے کے برابر جان "۔[۱]

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ لوگ دوسروں کو گزند اس لئے پہنچاتے ہیں کہ وہ اس بات سے پوری طرح آگاہ نہیں ہوتے کہ وہ کیا کر رہے ہیں۔ ہمیں ضرور دوسروں کو ان کی ضروریات کیلئے قرض دینا چاہئے اور معاف کر دینا چاہئے۔ ہمیں ہمیشہ اس بات کی کوشش کرنی چاہئے کہ ہم برائی کو اچھائی کے ذریعے ختم کریں اور دوسروں کے ساتھ پر امن رہیں۔

بلا مزاحمت، بلا تشدد

عیسائیت پر عمل کرنے والے کا یہ پختہ عقیدہ ہے کہ انجیل جناب عیسیٰ علیہ السلام کی سیرت اور خدمتِ انسانیت کا پرتو ہے کہ آپ کی ساری زندگی تشدد اور مزاحمت سے پاک تھی۔ عیسائیت کی پہلی صدی عدم تشدد کی واضح مثال اور ثبوت ہے جس کی بنیاد دراصل سیدنا عیسی علیہ السلام کی تشدد سے پاک ان تعلیمات پر پختہ عمل درآمد تھا۔

"میں تمھیں تمہارے دشمنوں کے ساتھ محبت کا سلوک کرنے کی تلقین کرتا ہوں اور ان کے لئے دعا کرنے کا کہتا ہوں جو تمھیں کوئی تکلیف دیتا ہے۔[۲]

انجیل متقاضی ہے اس بات کی کہ ہر عیسائی کو امن کی تشکیل دینے والا ہونا چاہئے۔ اسے دنیا میں امن کے دیرپا قیام کی کوششوں سے بخوبی آگاہ اور متعلق ہونا چاہئے اور اس کی تشکیل کے لئے ہمہ وقت تیار رہنا چاہئے۔ سیدنا مسیح علیہ السلام کی تعلیمات کے مطابق ایسا رویہ اختیار کر کے ہی کوئی مسیحی کہلا سکتا ہے۔

امن پسندی

مسیحیوں میں "امن پسند" تحریک ابتداء ہی سے بہت مقبول رہی ہے۔ یہ ایک عیسائی کو جنگ میں شرکت سے روکتی ہے۔ ابتدائی دور کے رومن حکمرانوں کے ہاں عیسائی سپاہیوں کے شواہد بالکل نہیں ملتے۔ چرچ، عیسائیوں کو جنگ و جدل سے روکتا ہے اور اس قسم کی سرگرمیوں سے دور رہنے کی تلقین کرتا ہے۔ ابتدائی عیسائی ادب میں بھی اس قسم کی سرگرمیوں کے بارے میں کوئی تحریر نہیں ملتی۔ مسیحی تعلیمات جیسے "دشمن سے محبت کریں" کسی کو قتل نہ کریں"؟ اور "اگر کوئی ایک طمانچہ مارے تو اپنا دوسرا گال اسے پیش کر دیں" اس تحریک کے ابتدائی حوالے ہیں۔

---

(۱) کتاب مقدس، لوقا ۱۱:۴

(۲) کتاب مقدس، متی ۱۸:۲۱

ایک بڑی مثال یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی گرفتاری کے وقت اپنے ساتھی پطرس اور باقی حواریوں سے اپنے دفاع کے لیے مدد نہیں مانگی۔

دوسری صدی کی دستاویزات جو اسکندریہ کے چرچ سے لی گئی ہیں،(A postalic Tradition) کے نام سے موسوم ہیں۔ امن پسند تحریک کی وکالت کے لیے بہت مشہور ہیں جن میں حکم ملتا ہے کہ جس شخص کے ہاتھ میں تلوار ہے اسے چاہیے کہ وہ پھینک دے اور جو آرمی کا پیشہ اختیار کرتا ہے وہ خدا سے دور ہو جاتا ہے۔ اس کا خدا سے کوئی تعلق نہیں رہتا۔

چوتھی صدی تک اس طرح کی تعلیمات عیسائیوں میں غالب رہی ہیں۔ ”کہ میں سپاہی نہیں بنوں گا۔ میں گناہ کا ارتکاب نہیں کرنا چاہتا کیونکہ میں ایک عیسائی ہوں۔“۔ مسیحی تاریخ میں ”سینٹ مارٹین“ کو عیسائیت قبول کرنے کے بعد آرمی چھوڑنے پر قتل کر دیا گیا۔ اس قسم کی بہت سی مثالیں عصر حاضر میں بھی ملتی ہیں۔ [۱]

خدمت انسانیت

انجیل مقدس کا ایک بڑا حصہ اس بات پر زیادہ زور دیتا ہے کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے کیا عمل کر کے دکھایا۔ ان کے معجزات مسیحائی، ان کا دوسروں کی مدد کیلئے بھاگ دوڑ کرنا، غریبوں کی دلجوئی کرنا، عاجزی وانکساری کی طرف ان کی رہنمائی، خلوص ومسکنت سے لبریز اور کسی حیلے اور ستائش سے بے نیاز ان کی خدمتِ انسانیت مشعل راہ ہے۔

مندرجہ ذیل انجیل کی آیات میں خدمتِ انسانیت پر بہت زیادہ تاکید آئی ہے:

”بلاشبہ انسان دوسروں کی خدمت کیلئے بھیجا گیا تھا نہ کہ اس لئے کہ دوسرے اس کی خدمت کریں، تم میں سے عظیم وہ ہے جو تمہاری خدمت کرتے ہیں، جو خود کو بلند کرنے کی کوشش کرے گا وہ پست کر دیا جائے گا اور جو اپنے آپ کو پست رکھے گا اسے بلند کر دیا جائے گا۔ خداوند کے سامنے اپنے آپکو عاجز بنو پھر وہ تمہیں سر بلند کرے گا۔ [۲]

---

(۱) کتاب مقدس، متی ۵:۴۴

(۲) Jacques E L, Voilence: Reflections from christan perspective, P. 9

"سب سے بہترین تم غریب لوگ ہو، خدائی سلطنت تمہاری ہے، سب سے بہترین تم بھوکے لوگ ہو، تمہیں ضرور کھلایا جائے گا، سب سے بہترین تم رونے والے لوگ ہو تمہیں ضرور ہنسایا جائے گا"۔[۱]

" تمہارا خدا ہم سب کا معلم ہے، اس نے اور میں نے تمہارے پاؤں دھوئے ہیں تو تمہیں بھی چاہیئے کہ تم دوسروں کے پاؤں دھو دو سو میں تمہیں اپنی مثال دے چکا ہوں۔ تمہیں چاہئے کہ تم بھی اب وہی کرو جو میں نے تمہیں کر دکھایا ہے"۔[۲]

جناب مسیح علیہ السلام نے اپنا بیشتر وقت نادار لوگوں کی مدد کرنے میں گزارا۔ انہوں نے ان کی مسیحائی کی جو بے چارے بیمار تھے اور اکثر گناہ گاروں اور بھتہ خوروں کے ساتھ بیٹھ کر بھی کھانا کھایا ہے جس کو اپنے معاشرے میں بہت برا سمجھا جاتا تھا۔

سیدنا مسیح علیہ السلام کی تعلیمات کی پیروی کرنے کیلئے ضروری ہے کہ عین ان کے نقش قدم پر چلا جائے۔ غریبوں کی امداد کی جائے، محبت والے کام کئے جائیں، مصیبت زدہ اور روتی ہوئی انسانیت کی حمایت کی جائے۔ کسی غریب کو بھی حقارت کی نگاہ سے نہ دیکھیں۔ کسی جاہل سے نفرت نہ کریں، کسی معذور اور بے چارے انسان سے پر خلوص دوستی کریں اور ہر ممکن طریقے سے عملاً اس کی مدد کریں۔

قانون کا احترام

" جب سیدنا عیسیٰ علیہ السلام سے یہ پوچھا گیا کہ آیا یہ قانونی طریقہ ہے کہ ہم قیصر روم کو ٹیکس ادا کریں؟ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا: جو کچھ قیصر کا حصہ ہے وہ قیصر کو دیا جائے اور جو خدا کا ہے وہ خدا کو دیا جائے"۔[۳]

ایک مملکت کا اپنے شہریوں پر یقینی استحقاق ہو سکتا ہے۔ یہاں قیصر کا مطلب ہے مملکت اور حکومت جو قوانین بناتی ہے اور شہریوں کا فرض ہے کہ وہ ان قوانین کا احترام کریں۔ ٹیکس ادا کرنا اسکی ایک مثال ہے۔ ایک حکومت اپنے شہریوں کو مختلف سہولیات مہیا کرتی ہے چنانچہ شہریوں کو چاہیئے کہ وہ اس کے بدلے میں ٹیکس ادا کریں۔

---

(۱) کتاب مقدس، یعقوب ۱۰:۴

(۲) کتاب مقدس، لوقا، ۲۱، ۶:۲۰

(۳) کتاب مقدس، یوحنا، ۱۳:۱۴

البتہ بعض اوقات حالات کی مناسبت سے کچھ حدود و قیود ہو سکتی ہیں جن میں رہ کر ایک حکومت اپنے شہریوں سے مطالبہ کر سکتی ہے۔ اسی طرح خدا کو دو دراصل اس بات کی وضاحت ہے کہ حکومت کی اطاعت کس حد تک کرنا ہو گی۔ اسی طرح کچھ معاملات ایسے ہوتے ہیں جن کا تعلق صرف خدا سے ہوتا ہے۔ جبکہ ہر طرف حقیقی بادشاہت صرف اس کی ہے۔ سب سے اعلیٰ وفاداری صرف خدا کے ساتھ کی جائے یہی عیسائیت کا درس ہے۔

حضرت مسیح علیہ السلام کی سادہ پر امن اور فطری تعلیمات بلاشک وشبہ اسی وقت تک محفوظ رہیں جب تک سینٹ پال نے مسیحیت قبول نہ کر لی۔ ان سادہ تعلیمات میں اس قدر غایت درج تفصیل وضاحت نہ تھی کہ جس کی روشنی میں زندگی کے اہم مسائل سلجھائے جاسکتے۔ سینٹ پال کی جاہلی خرافات اور لغویات کی آمیزش نے مسیحیت کے سچے پیغام کی وہ خوفناک تشریح کی جس سے بالآخر مسیحیت چند بے جان مراسم اور بے کیف عقائد کا نام ہی رہ گئی۔

مولانا ابوالحسن علی ندوی ؒ نے " انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال" کے اثر میں لکھا ہے:

" چھٹی صدی میں مسیحیت کے احوال مشہور زمانہ عیسائی مورخ اور مترجم قرآن سیل لکھتا ہے کہ مسیحیوں نے بزرگوں اور مسیح کے مجسموں کی پرستش میں اس حد تک غلو کیا کہ رومن کیتھولک عیسائی بھی ایسا نہ کر پائے تھے۔ اسی غلو کا نتیجہ یہ ہوا کہ پھر نفس مذہب اور حکومتی مباحث ایسے ابھرے کہ بے نتیجہ اختلافات کی شورش نے پوری قوم کو الجھا کر اس طرح رکھ دیا کہ جس کا انجام بڑے خونریز جنگی معرکوں کی شکل میں سامنے آیا۔ وجود مسیح کی تشریح سمجھنے لگا مخالفین مذہب کو سزائیں اس حد تک دی گئیں کہ جس کے تصور سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔" متضاد مذہب کے پیروکار قیرس (cyrus) کی نیابت مصر کے دس سال کی تاریخ وحشیانہ سزاؤں اور لرزہ خیز مظالم کی داستانوں سے لبریز ہیں"[1]

مسیحیت کی آواز امن نام نہاد مذہب کے ٹھیکے داروں اور ملاؤں نے تصور مذہب کی بھیانک تشریح کرتے ہوئے امن وامان کا قتل عام کر ڈالا، جو مسیحیت کبھی تصور فلاح کی نامور داعی تھی پانچویں صدی تک پہنچتے پہنچتے پیغام خدا کی خوفناک تصویر پیش کرنے لگی۔

رابرٹ بریفالٹ ایک مشہور مسیحی مصنف لکھتا ہے:

---

[1] کتاب مقدس، متی، ۱۷:۲۲

”پانچویں صدی سے لے کر دسویں صدی تک یورپ پر گہری تاریکی چھائی رہی جو کہ تدریجا زیادہ گہری اور بھیانک ہوتی چلی جارہی تھی۔ اس دور کی وحشت وبربریت زمانہ قدیم کی وحشت وبربریت سے کئی درجہ زیادہ بڑھی ہوئی تھی کیوں کہ اس کی مثال ایک بڑے تمدن کی لاش کی تھی جس کے نشانات مٹ رہے تھے۔ جس پر زوال کی مہر لگ چکی تھی۔ وہ ممالک جہاں پر تمدن برگ وبار لایا تھااور گزشتہ زمانہ میں اپنی ترقی کو پہنچ چکا تھا جیسے اٹلی، فرانس، مگر اب وہاں طوائف الملوکی اور ویرانی کا دور دورہ تھا“۔ (۱)

امن کا یہ قتل اور تعلیمات کی کھلی تحریف عیسائیت کے لیے ایک بدنما داغ بن گئی۔ افسوس کہ اسی عیسائیت نے آج مسلمانوں کے ناک میں دم کرر کھاہے۔

پرامن تعلیمات اور مسیحیت کی خونچکاں تاریخ

مسیحیت کی کتب مقدسہ کی روشنی میں امن کی مختلف جہات کے جائزہ کے بعد ایک خوفناک جہت مسیحیت کا تعامل و تفاعل ہے جو مسیحیت کی خوبصورت پر امن تعلیمات کے عموما بر عکس رہاہے مسیحیت کا ایک قاری جب مسیحیت کی خون آشام تاریخ کا مطالعہ کرتا ہے تو یہ خوفناک تضاد اسے اس سوچ پر مجبور کرتا ہے کہ ایک عظیم شاکر و صابر، صبر و تحمل کے پیکر، عفوو درگزر کے مدرس نبی کی عمدہ تعلیمات کا رنگ اسکے پیروکاروں پر اسقدر متناقض و متضاد کیوں نظر آتا ہے۔

اس کے کئی عوامل واسباب پر محققانہ نظر دوڑانے کی ضرورت ہے:

سب سے پہلا سبب توہوائے نفسانی وشیطانی کی تکمیل کی خواہش ہے جو بالعموم ہر پیغمبر کے خیر القرن سے دوری کے باعث امتوں میں واقع ہوتی رہی۔ جوں جوں انسانوں میں نبوت کی کرنوں کی روشنی ختم ہوتی گئی۔ خواہشات عود کرتی آیئں۔ مگر یہاں حیران کن امر ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کی پاکیزہ تعلیمات کو تو بہت جلد ہی سینٹ پال کی دیمک زدہ سوچ نے تباہی کے دہانے لگادیا۔ مختصر وقت میں ہی اس شخص نے اپنی چرب زبان اور خود کار انکشافات کے زریعے مسیحیت میں جگہ پالی اور دعویٰ کیا کہ وہی مسیحیت کا اصلی مصلح اور حقیقی مسیحیت کا علمبر دار ہے۔ مذہب کی غلط تاویلات اور تشریحات نے مسیحی عوام کو ایسا اندھا کیا کہ وہ سینٹ پال کے خود ساختہ عقیدہ کفارہ سے خود کو نجات یافتہ سمجھنے لگے۔ مسیح کی صلیب پر کسمپرسی کی موت کے باطل نظریہ کا سہارا لیکر سینٹ پال نے شریعت سے گلو خلاصی اور

(۱) ندوی، ابوالحسن علی، انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر۔ مجلس نشریات اسلام کراچی، ص ۴۲، ۴۳

اپنی دکانداری چمکانے کی آسان راہ نکال لی۔ من مانی تشریحات کے زریعے عوام کے استحصال نے مسیح کے پیش کردہ امن کے تصور کو گہنا دیا۔ چہ جائیکہ لوگوں کو تعلیمات مسیح کا مطالعہ کرنے اور اسکی تفہیم کی دعوت دی جاتی اسکے برعکس پیشوایان مذہب خود کو مسیح کا حقیقی نائب قرار دیکر یسوع مسیح کے نام کے طفیل ہی لوگوں کو بخشش کی گارنٹیاں دیتے رہے یہاں تک کہ لوگوں میں یہ عقیدہ اس قدر پختہ ہو گیا کہ پوپ کے پیش کردہ عقیدہ و نظریہ اور حکم کے برعکس چلنا گناہ کبیرہ کا مرتکب ہونا ہے۔ اور پھر پیشوایان مذہب کیطرف سے جبر واستبداد اور ظلم واستحصال کی وہ لہر اٹھی کہ الامان والحفیظ۔ اسی نقطہ نظر سے ہر جور و جبر کا ہر راہ اسطرح کھل گیا کہ جس سے خود مسیحیت بھی چلا اٹھی بھلا وہاں کوئی اور کیونکر محفوظ رہ سکتا تھا۔

ایک دوسرا بڑا اور بنیادی سبب تحریف شدہ تورات کے احکام تھے جو بنی اسرائیل کو اپنے ماسوا اقوام و مذہب کے متبعین کے ساتھ سلوک کرنے کے ضمن میں انہیں دیے گئے تھے جس کا پہلا شکار عیسائی ہوئے۔ خمیس موسیٰ کی روشنی میں یہود نے ایک ایک کر کے انہیں فنا کے گھاٹ اتار دیا۔ یہود کے ہاتھوں پسے ہوئے ان مسیحیوں میں اس ردعمل کا اظہار فطری تھا۔ کہ وہ بھی موقعہ ملنے پر ان سے خونریز ٹکراؤ کرتے اور ان سے خدا کے نام پر گن گن کر بدلے لیتے۔

اینڈریو کیرنگٹن ہچکاک کے مطابق یہود اس پر ایمان رکھتے ہیں کہ احبار ساتویں صدی قبل مسیح علیہ السلام میں ہیکل سلیمانی میں مدفون ملی۔ اس میں امت موسیٰ کے لیے قوانین مرتب کیے گیے ہیں اس میں موسیٰ علیہ السلام یہ کہتے پائے گئے ہیں۔ خدا جنگجو ہے اور داود سے منسوب ہے خدا میرے ہاتھوں کو جنگ کرنے کا درس دیتا ہے۔ یہووا وعدہ کرتا ہے کہ وہ تمام تر اقوام برباد کر دی جائیں جن سے یہود بر سرپیکار ہوں وہ کہتا ہے حومی، کنعانی، حطی قوموں کو ایک ایک کر کے برباد کر دو وہ کہتا ہے زمینیں بنی اسرائیل فتح کریں گے۔[1]

امن حقیقی کو تباہ کرنے والی نام نہاد عیسایئت اور اس کے برعکس مسلم فاتحین کا پرامن شاندار عظیم رویے پر تذکرہ ایک مسیحی مصنف ہچکاک کی زبانی کچھ یوں ہے:

تیرہویں صدی کے اواخر تک عیسائی یورپ کا مسلم فاتحین کے خلاف غم و غصہ ٹھنڈا پڑ چکا تھا۔ اسلام سے ٹکرا کر پوپ کی ناقابل تسخیر عظمت و روحانیت کا پردہ چاک ہو چکا تھا۔ اسلامی تہذیب، تمدن، شرافت نجابت و اخلاق نے عیسائیؑ صلیب برداروں کی بربریت و خود پسندی کو بھی کند کر کے رکھ دیا تھا۔ انہیں اس کردار کے مقابلے میں اپنی

(1) Brefault, Robert .The Making of Humanity .P 164

زات ہیچ نظر آئی۔ لیکن وہ نفرت جو دو ٹکرانے والی قوتوں کے مابین لابدی ہوتی ہے دیوار بن کر کھڑی ہو گئی۔ اور یہ لوگ اسلام کی سچائی اور حق پرستی کی داد نہ دے سکے وہ ایشیا کے ساحلوں سے نئی زندگی کا نیا شعور لے کر پلٹے انہیں اپنی عیسائی فکر میں ہی کیڑے دکھائی دینے لگے پادریوں کی نئی عدالتیں قایم ہوئیں اور عیسائی عوام کے فاسد خیالات کا جائزہ لیکر ناقص کو زندہ جلانے اور عذاب دیگر مارنے کا سلسلہ شروع ہوا۔عیسائیت کے مستحکم ایوان میں یہ ایک دھماکہ تھا۔کیونکہ صدیوں سے عیسائیت کے پیروکار اپنی آنکھوں پر پٹی باندھ کر پوپ کے گرد طواف کر رہے تھے۔پوپ کے عوام پاپائیت، شہنشاہیت اور فیوڈل ازم کی نئی تثلیث میں پھنسے ہوئے تھے اور ان میں حقوق کے لیے آواز بلند کرنے کی سکت نہ تھی۔ صلیبی جنگوں نے انہیں اسلام کی کشادہ دلی اور دل پزیر ہواؤں سے آشنا کیا تو وہ ہوش میں آگئے۔عیسائی مبلغ افریقہ کے آدم خوروں کو یہ درس دینے لگے کہ اگر تمہارے ایک گال پر کوئی طمانچہ مارے تو دوسرا آگے کر دو یہ سمجھے بغیر کہ عیسیٰ کا یہ قول صرف غیر سفید اقوام کے لئے ہی قابل عمل کیوں ہے۔یونانیوں اور مسلم مفکروں کے افکار سے عیسائیت لرزہ بر اندام ہو گئی۔اور ایسا نظر آنے لگا کہ پاپائیت نے اسکے خلاف سدباب نہ کیا تو اسکا اپنا وجود حرف غلط کی طرح مٹ جائے گا۔[1]

قصہ مختصر یہ تھے وہ مسیحت کے علمبردار جنھوں نے مسیحیت کی صاف ستھری اور سادہ تعلیمات کو چھوڑ کر عصیان ونافرمانی کی راہ اختیار کی اور معصوم انسانئیت کے خون سے اپنے ہاتھ رنگے اور ان مذہب کے نام نہاد ٹھیکداروں نے یورپ کے بادشاہوں کو مذہب کی آڑ میں ظل اللہ اور مامور من اللہ بناڈالا تھا یہ کہتے ہوئے کہ انہیں بادشاہت کا حق خدا نے ودیعت کیا ہے دولت کی ریل پیل دنیا جہاں کی نعمتوں کی فراوانی اور اقتدار کے نشے میں ایسے مگن ہوئے کہ انہیں خدا بھی یاد نہ رہا اور امن کے مبلغین نے عوام کا اسطرح گلا گھونٹ ڈالا کہ اپنے امن کے حقیقی مبلغ نبی کی تعلیمات سے کوسوں دور نکل گئے۔

❁ ❁ ❁

(۱) ہچکاک، اینڈریو کیر نگٹن۔ شیطانی کنیسہ، مترجم طارق اسماعیل ساگر، طاہر سنز پبلشرز۔ اردو بازار۔ لاہور۔ ۲۰۰۸، ص:۱۷۳

اسلامی اور مغربی قانون کی تعبیر و تشریح کے اصول اور مناہج

(ایک تقابلی مطالعہ)

Principles and Methodologies of Interpretation & Explanation of Islamic & Western Law (A Comparative Study)

میمونہ یاسمین *

ABSTRACT

Keeping in view the phenomenal fluctuation in human's state of affairs and its evolutionary process, the interpretation of law is an indispensable part of both divine and man-made laws. The more a law is well explained and objective and not based on personal likes and dislikes, the more it will be comprehensive and useful.

What are the principles of interpretation of Islamic and Western laws? What are their methodologies in this regard? And what is the comparison between Islamic and Western Principles of interpretation of law? The article deals with these three questions.

Answering to these questions, the study explores that the interpretation of Western law based on three methods namely: Logical or sentential interpretation Historical Interpretation, Literal Interpretation and it has five principles of interpretation which are Literal Rules, Context Rules, Golden Rules, Mischief Rules, and Rules of Ejusdem Generis.

Whereas the principles of interpretation of Islamic Law depend upon connotations along with various types. The methodology followed in the interpretation of Islamic Law is different between Hanafi Jurists and dialectical theologians. The pioneer and initial role of Muslim jurists and theologians cannot be deniable.

Keywords: *Interpretation, Jurisprudence, Explanatory, Al-Dalalat, Hukm-e-Sharieh, Authority,*

---

* اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ علوم اسلامیہ، گورنمنٹ ڈگری کالج برائے خواتین ڈھوک الٰہی بخش، راولپنڈی

تعارف

قانون ان مجموعہ قواعد واصول کا نام ہے۔ جو حکومت کی طرف سے بغرض حفاظتِ حقوق وبقاء امن عام وانتظام سلطنت شائع کیے گئے ہوں اور جن کی پابندی رعایا پر لازم ہو۔[۱]

اسلامی نقطہ نظر سے قانون وہ اُصول ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی اور اپنی وحی کے ذریعے سے اپنے بندوں کو تعلیم کیا ہو تاکہ وہ اس پر عمل کریں۔[۲] تاہم وہ اصول جو رسم ورواج یا انسانی جذبات کی وجہ سے مقرر ہو جاتے ہیں اس تعریف کے احاطے میں نہیں آتے اور نہ ہی طبعی اصول اور انسان کے مقرر کردہ اصول وقوانین اسلامی اصطلاح میں "قانون" کہے جاسکتے ہیں۔ ہالینڈ(Holland) نے "اصولِ قانون"(Jurisprudence) کی تعریف مختصر مگر جامع الفاظ میں کی ہے:

''Jurisprudence is the (Formal) Science of Positive law.''[3]

جب کہ اسلام میں "اصول قانون" کی جگہ اصول الفقہ کی اصطلاح استعمال ہوتی ہے۔ جو اپنی تعریف کے اعتبار سے بھی بہت وسعت اور جامعیت کی حامل ہے۔

مغربی قانون کے اصول تعبیر وتشریح

الف۔ قانون کی تعبیر وتشریح سے مراد

لفظ(Interpretation) سے مراد تعبیر، توضیح یا تفسیر ہے، تمام معاہدات، وصیت ناموں اور قوانین کی درست تعبیر نیک نیتی اور فہم صحیح پر مبنی ہونی چاہیے۔ اور اس کا مقصد فریق یا فریقین کا منشاء ومفہوم حاصل کرنا ہونا چاہیے۔ اگر کسی فقرہ یا لفظ سے دو مفہوم نکلتے ہوں تو پہلا مفہوم لیا جائے گا۔ سیاق وسباق کے لحاظ سے جو مفہوم قریب تر ہو، وہ لیا جانا چاہیے۔ اگر الفاظ غیر ارادی طور پر چھوٹ گئے ہوں اور مطلب ظاہر ہو رہا ہو تو الفاظ کا اضافہ کر دیا جائے گا۔ کسی ناممکن، غیر قانونی، غیر اخلاقی یا غیر قریبانہ بات یا ایسی بات جو مصلحت عامہ کے خلاف ہو، اس کے کرنے کی

---

(۱) مودودی، ابوالاعلیٰ (م ۱۹۷۹ء)، اسلامی ریاست، (اسلامک پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۷۹ء)، ص: ۴۶، ندوی، سید سلیمان، قانون بالاء، (ماہنامہ، الندوہ، اگست ۱۹۹۰ء)، نمبر ۷، ص: ۲۵/۶

(۲) محمد اسحاق بھٹی، اسلام کا سیاسی نظام، (مجلس دعوت وتحقیق اسلام، کراچی، ۱۹۸۱ء)، ص: ۳۹

(3) Holland T.E, The Elements of Jurisprudence, (Oxford University Press, London), Ed: 3rd, P.8.

نیت کا مفہوم نکالنے کی اجازت کسی صورت میں نہیں دی جائے گی، جبکہ الفاظ سے کسی اور مفہوم کا نکالنا بھی ممکن ہے۔(۱)

قانون کی تعبیر و تشریح، قانون کے معرض وجود میں آنے کے ساتھ ہی وجود میں آگئی تھی۔ کیونکہ ایک اچھا قانون اصطلاحات سے صاف، واضح اور آسانی سے سمجھ میں آنے والا ہوتا ہے۔ قانون کی تعبیر و تشریح کے لیے قانون ساز کی منشاء و مقصد معلوم کرنے کے لیے اصول وضع کیے جاتے ہیں۔ قانون کی تعبیر و تشریح کے اصول کا تعیّن کیے بغیر قانون کے اصل مقصد کو حاصل نہیں کیا جاسکتا۔

سر جان سالمنڈ تعبیر و تشریح (Interpretation) کی وضاحت اس طرح سے کرتا ہے:

> ''Interpretation or construction, means the process by which the courts seek to ascertain in the meaning of the legislation through the medium of the authoritative forms in which it is expressed''.(2)

> قانون کی تعبیر و تشریح سے مراد یہ ہے کہ عدالتیں خاص طریقے سے قانون سازی کے منشاء کو معتبر طریقے سے سمجھتی ہیں۔

قانون کی تعبیر و تشریح میں ہمیشہ کامل دستاویز سے معنی و مفہوم کا تعین کیا جانا چاہیے نہ کہ اس کے کسی خاص حصہ سے منشاء اخذ کیا جائے اگر دستاویز کا کوئی حصہ تمام مضمون دستاویز سے متضاد ہو تو اس کو نظر انداز کر دینا چاہیے۔ میکس ویل تعبیر و تشریح کے اصل مقصد کو یوں بیان کرتا ہے:

> "The rule of construction is to intend the legislature to have meant what they have actually expressed''.(3)

> ترجمہ: تعبیر و تشریح کا اصول یہ ہے کہ آئین ساز جماعت کو اس بات پر آمادہ کیا جائے کہ جو وہ بولتے ہیں۔ اس پر عمل کر کے دکھایا جائے۔

گویا کہ اُصول تعبیر و تشریح کے مطابق مجلس قانون ساز کا بیان اس کی دلیل ہونا چاہیے۔ نیز تعبیر و تشریح میں قانون کے اصولوں کی وضاحت کی جاتی ہے۔ اور قانون کے لفظ یا فقرے کی تشریح کی جاتی ہے تا کہ قانون کے اصل مفہوم اور مقاصد کو سمجھا جاسکے۔

---

(۱) تنزیل الرحمٰن، قانونی لغت (انگریزی۔اردو)، پی۔ایل۔ڈی پبلشرز، لاہور، ۲۰۰۰ء، ص: ۱۳۷

(2) Salmond, Sir John,(Glanville) Jurisprudence, (London, 1946), P.83.

(3) Maxwell (Revised by Roy Wilson & Brian Galpin). Maxwell on the Interpretation of Statutes, (Sweet and Maxwell, Ltd, London, 1962), Ed:11th,P.5

ب۔ مغربی اُصولِ تعبیر و تشریح کا ارتقائی جائزہ

مغرب میں مسیحیت کے پیروکاروں کی اکثریت ہے۔ اس کے دو بڑے فرقوں کیتھولک (Catholic) اور پروٹسٹنٹ (Protestant) کے درمیان شدید اعتقادی و عملی اختلافات تھے اور بالآخر دُنیوی معاملات میں پروٹسٹنٹ تحریک کی کامیابی نے مغرب کے دیگر شعبہ ہائے زندگی کی طرح شعبہء قانون میں عبارتوں کی تعبیر و تشریح کے نظریہ میں بھی بہت تبدیلیاں پیدا کی ہیں۔

کیتھولک عقیدے کے مطابق بائبل کی عبارتوں اور الفاظ کی تعبیر کا حق و اختیار صرف اور صرف پوپ اور اُسقف کو حاصل ہے جو زمین میں مسیح کے نائب اور خلیفہ ہیں۔ دیگر تمام مسیحیوں کا فرض ہے کہ وہ کلیسا کے فیصلوں کے آگے سرِ تسلیم خم کر دیں اور پوپ اور اُسقف کی طرف سے کی گئی بائبل کی تعبیرات کو من و عن مان لیں۔

پروٹسٹنٹ فرقے نے کیتھولک نظریات، اس کے کلی اختیارات اور اس کے جبر و مطلق العنانیت کے خلاف بغاوت کر دی۔ پروٹسٹنٹ مفکرین کا خیال تھا کہ اگر پاپائے روم اور اُسقفوں کو بائبل کی تعبیر کا حق دے دیا جائے تاکہ وہ مسیحیوں کے لیے قوانین مرتب کریں اور ان کے گناہوں کے کفارے کے لیے طریق کار تجویز کریں تو یہ غلامی کی زنجیریں مضبوط کرنے کے مترادف ہو گا۔ انہوں نے پاپائے روم کی اجارہ داری کو مکمل طور پر رد کر دیا۔ پروٹسٹنٹ تحریک کیتھولک نظریات اور صدیوں قدیم روایات کے خلاف آزادی کی تحریک تھی جو بڑی تیزی سے مقبول ہوئی۔ مارٹن لوتھر (م ۱۵۴۶ء) نے یہ نعرہ بلند کیا کہ تمام مسیحی اپنے مذہبی رہنما خود ہیں۔ فکری آزادی کی اس تحریک کے نتیجے میں اور بعض دوسرے عوامل کے باعث مسیحیت کلیسا تک محدود ہو کر رہ گئی۔ پروٹسٹنٹ تحریک نے ہر مسیحی کو یہ حق دے دیا کہ وہ اپنے ضمیر کی آواز کے مطابق بائبل کی تعبیر کرنے اور اسے سمجھنے میں آزاد ہے۔ اس تعبیر کی بنیاد صرف عقلی استدلال اور تجربہ کو قرار دیا گیا۔ یہ کلیسا کی مطلق العنانیت کے خلاف شدید ردّ عمل کا نتیجہ تھا۔ چرچ کو ریاستی امور سے بے دخل کر دیا گیا۔ دین اور دنیا میں دوری ہو گئی۔ مسیحیت کے احکام اور ریاستی قوانین دونوں الگ الگ راستوں پر چل پڑے۔[۱] یہ مغربی معاشرے کا تاریخی پس منظر ہے۔

ج۔ قانون کی تعبیر و تشریح کا مغربی منہج و طریقہ کار

مغربی مفکرین قانون کی تعبیر و تشریح کے لیے درج ذیل طریقے و منہج بیان کرتے ہیں:[۲]

---

(۱) ہربرٹ ایڈون، فلسفہ مذہب، مترجم شبیر احمد ڈار، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۶۳ء، ص:۲، ۱۸۰، ۱۷۶، ۱۴۷

(2) Salmond, Ibid, P.83

ا۔ نحوی طریقہ تعبیر(Literal Interpretation)

یہ طریقہ ء تعبیر سب سے زیادہ مستحسن سمجھا جاتا ہے اس میں اس امر پر زور دیا جاتا ہے کہ منشاء قانون، عبارتِ قانون کا پابند رہے اور عبارت کی اس طرح تشریح و توضیح کرنا کہ الفاظ سے جو معانی و مفہوم بر آمد ہو سکیں، وہی بر آمد کیے جائیں۔ اس قسم کی تشریح کے لیے الفاظ، الفاظ کی بناوٹ اور قواعد (Grammar) کو ملحوظ خاطر رکھا جاتا ہے۔ بعض دفعہ ایک ہی لفظ جب قانون کے مختلف حصوں میں استعمال کیا گیا ہو تو اس کے مختلف معنی ہو سکتے ہیں۔[1]

قانون کی تعبیر و تشریح کے قاعدہ میں نحوی طریق کار استعمال کر کے فیصلے کی اہمیت اسی طریقہ سے جانچی جاتی ہے۔ اسے قانون کی نصفت کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے۔

> "The literal rule of statutory interpretation demands that if the meaning of the statutory interpretation is plain, the courts must apply it regardless of the result"[2]
>
> ترجمہ: دراصل قانون کی آئینی تعبیر اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ اگر آئینی تعبیر کا مطلب سادہ ہے تو اس کا اطلاق ضرور کرے اس چیز کی پرواہ کیے بغیر کہ اس کا نتیجہ کیا ہو۔
>
> "Judges are not liberty to add to or take from or modify the letter of the law".[3]
>
> ترجمہ: منصف کو یہ حق نہیں کہ وہ نکات قانون میں سے کچھ نکالے، اضافہ یا تبدیلی کرے۔

نحوی طریقہ تعبیر میں اس امر کو ملحوظ خاطر رکھا جاتا ہے کہ قانون کی عبارت میں مکمل طور پر ہم آہنگی پائی جائے۔ برطانیہ میں نحوی طریقہ تعبیر کو انیسویں صدی میں کافی پذیرائی حاصل ہوئی اور آج بھی برطانیہ میں جہاں اس کی افادیت کا اعتراف کیا جاتا ہے۔ وہاں اس اصول کو مدِّ نظر رکھا جاتا ہے کہ عدالتوں کا کام قانون کی وضاحت، قانون کے مقاصد کے پیش نظر کرنی چاہیے، اور قانون کی عبارت میں تعبیر و تشریح کرتے وقت اپنی طرف سے کسی قسم کی وضاحت اور تبدیلی نہیں کی جاسکتی، انگلستان میں تعبیر و تشریح کا ایکٹ بھی نافذ ہے۔ جس کی وجہ سے وہاں کے قانون کی تعبیر و تشریح میں بہت کم الجھنیں پائی جاتی ہیں۔

نحوی تعبیر و تشریح کی اہمیت کے پیش نظر مغربی مفکرین اس کو "Golden Rule" یعنی "سنہری اصول" کے نام سے بھی موسوم کرتے ہیں اور یہ خیال کیا جاتا ہے کہ:

---

(1) PTD 662: 187 ITR98۱۹۹۲

(2) AIR- 1982 NOC1, Orissa

(3) Modern Law Review, Vol.28, 1965, P.525; AIR 1979 SC 1487

''It is very useful rule in the construction of a statute to adhere to the ordinary meaning of the words used, and to the grammatical construction, unless that is at variance with the intention of the legislature to be collected from the statute itself or lead to any menifest absurdity or repugnance, in which case the language may be varied of modified so as to avoid such inconvenience, but no further". (1)

ترجمہ: دستور سازی میں یہ ایک مفید اصول ہے کہ مستعمل الفاظ کے سادہ فہم مطلب اور اس کی نحوی تعبیر کے ساتھ اس کو منطبق کیا جائے۔ جب تک کہ یہ قانون ساز کے ارادہ سے تفاوت نہ رکھے۔ یا واضح لغویت یا ناموافقت پر مبنی نہ ہو۔ اس سلسلے میں کسی بھی قسم کی پریشانی سے بچنے کے لیے زبان میں تبدیلی یا ترمیم کی جاسکتی ہے۔ لیکن اس کا بار بار اعادہ نہ کیا جائے۔

بعض اوقات صرف عبارت قانون کے لغوی معنوں ہی کی حد تک تعبیر کی جاتی ہے اور دلیل یہ دی جاتی ہے کہ تعبیر کنندہ کا کام قانون بنانا نہیں ہے۔ میکس ویل (Maxwell) نے اپنی کتاب میں اس کو اس طرح بیان کیا ہے:

"When once the meaning is plain, it is not the province of a court to scan its wisdom or its policy. Its duty is not to make the law reasonable, but to expound it as it stands, according to the real sense of the words"(2)

ترجمہ: تعبیر و تشریح کے سارے اُصول نحوی طریقہء تعبیر کے پابند اور زیردست ہوتے ہیں۔ بنیادی اُصول تو یہ ہے کہ اگر قانونی عبارت صاف اور سادہ ہے تو قانون محتاج تعبیر نہیں ہوتا۔

۲۔ عقلی یا منطقی طریقہء تعبیر (Logical or sentential interpretation)

جب قانون کی عبارت پیچیدہ، گنجلک اور مبہم ہو تو اسے عقلی دلائل یا منطقی استدلال سے سلجھایا جاتا ہے۔ اور اس کی پیچیدگی اور ابہام کو دور کیا جاتا ہے اور یہ معلوم کرنے کی کوشش کی جاتی ہے کہ قانون وضع کرتے وقت مقننہ کی اصل نیت کیا تھی۔ سالمنڈ کے مطابق:

"Logical interpretation says Salmond, is that which departs from the letter of the law, and seeks elsewhere for

(1) Parke, B, in Becke.v. Smith (1836), Curzon, Ibid, P.257

(2) Maxwell, Ibid, P.5

some other and more satisfactory evidence of the true intention of the Legislature”.(1)

ترجمہ: منطقی تشریح قانون کے الفاظ سے مختلف ہوتی ہے اور مقننہ کے صحیح مقصد وارادہ تک پہنچنے کے لیے کسی دوسری جگہ سے زیادہ تسلی بخش شہادت تلاش کرتی ہے۔

یہ طریقہ کار اس اصول پر مبنی ہے کہ ضرورتیں اور حالات تغیر پذیر ہیں۔ جرائم بھی ہمیشہ متنوع رہتے ہیں۔ ماضی میں بنایا ہوا قانون محتاج تعبیر ہوتا ہے، لہٰذا صرف عبارتِ قانون کو پیش نظر رکھ کر اس کی تعبیر کرنا درست نہیں بلکہ عوامی نمائندوں، قانون ساز اداروں کے اراکین کی آراء، منشاء، رجحان اور وقت کے تقاضوں کو سامنے رکھ کر تعبیر کرنا زیادہ قرینِ انصاف ہو گا۔ بقول سالمنڈ:

“The duty of the judicature is to discover and to act upon the true intention of the legislature, the means or sentential legist. The essence of the law lies in its spirit, not in its letter, for the letter is significant only as being the external manifestation of the intention that underlies it. Nevertheless in all ordinary cases, the courts must be content to accept the litera legis. They must in general take it absolutely for granted that the legislature has said what it meant, and meant what it has said.”(2)

ترجمہ: عدالتوں پر فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ مقننہ کی رائے دریافت کر کے اس پر عمل درآمد کرے۔ قانون کی اہمیت اس کی روح میں ہوتی ہے، نہ کہ اس میں استعمال کی گئی زبان کی، کیونکہ زبان نیّت کا ایک ظاہری اظہار ہوتا ہے، تاہم عام صورتوں میں عدالت کو چاہیے کہ وہ الفاظ کے عام معنوں پر انحصار کریں۔ عام طور پر اس پیرائے پر عمل کرنا چاہیے کہ مقننہ کی وہی رائے تھی جو قانون میں استعمال کیے گئے الفاظ سے ظاہر ہے۔

قانون کی عقلی تعبیر کی ضرورت اس وقت مزید بڑھ جاتی ہے جب قانون کا تعلق ماضی سے ہو اور وہ موجودہ دور کے حالات سے ہم آہنگ نہ ہو تو ماضی کے قانون کی روشنی میں معاشی، معاشرتی، تاریخی اور عمرانی محرکات کے تحت تعبیر کی جاتی ہے تو اس وقت یہ "خارجی ذرائع تعبیر" کہلاتے ہیں۔

---

(1) Salmond, Ibid, P.83-84

(2) (i) Salmond, (Glanville), Ibid, P.84-85 (ii) Filzgerald, Ibid P.132-133

۳۔ تاریخی طریقہ تعبیر (Historical Interpretation)

قانون کی تعبیر و تشریح کے لیے ایک تیسری قسم تاریخی طریقہء تعبیر بھی بیان کی جاتی ہے، جس میں کسی قانون کی تشریح تاریخ کے حوالے سے کی جاتی ہے۔ کیونکہ نحوی اور عقلی طریقہء تعبیر کے اُصول بعض اوقات منشاء قانون کی مکمل طور سے عکاسی نہیں کرتے اور نہ ہی قانون کی عبارت مکمل طور پر واضح ہوتی ہے اور بعض اوقات قانون بنانے والے بھی عجلت، لاپرواہی اور غفلت کی بناء پر عبارتِ قانون میں غیر شعوری طور پر سقم چھوڑ دیتے ہیں اس صورت حال سے نمٹنے کے لیے تعبیر کنندہ، تعبیر کے عقلی اصولوں کے ساتھ ساتھ تاریخی طریقہ تعبیر کے تحت ان واقعات اور حالات کو مدّ نظر رکھتا ہے کہ جن کی بناء پر قانون ساز ادارے قانون بنانے کے لیے مجبور ہو گئے تھے۔

الغرض قانون کی تعبیر و تشریح کے لیے خواہ کوئی بھی طریقہ اپنایا جائے، صرف ایک ہی مقصد سامنے رہتا ہے کہ قانون بنانے والوں کی نیت اور قانون کی منشاء دریافت کی جائے۔ یہ امر قابل غور ہے کہ عدالت یا تعبیر کنندہ کو تعبیر و تشریح کرتے وقت اپنی ذاتی پسند یا ناپسند کو اس پر اثر انداز نہیں ہونے دینا چاہیے۔

د۔ مغربی اُصول تعبیر و تشریح

موضوعہ قانون کی تعبیر و تشریح کے لیے مغربی قانون دانوں کے اُصول یہ ہیں:

۱۔ لغوی معنی کا اصول (Literal Rule)

اگر قانون میں لغوی معنی سے ابہام پیدا ہوتا ہو تو اس سے گریز کر کے نحوی طریقہء تعبیر میں لچک پیدا کرنی چاہیے۔ کرزن (Curzon) کے مطابق:

> "We can only take the intention of parliament from the words which they have used in the Act."(1)

ہم پارلیمنٹ کی نیت کا اندازہ صرف ان الفاظ سے لگا سکتے ہیں جو قانون میں استعمال کیے جائیں۔

۲۔ اصول سیاق (Context Rule)

قانون کی عبارت کے اندرونی تضاد کو دور کرنے کے لیے اس کے مفہوم کو مجموعی طور پر سمجھا جائے گا۔ الفاظ کو ان کے سیاق میں لیا جائے گا۔ عدالت کا اولین فرض یہ ہے کہ وہ الفاظ کو ان کے سیاق و سباق کے مطابق فطری معنی دے۔(۲)

---

(1) Curzon, Ibid, P.256

(۲) احتشام، محمود، قانون کی تعبیر و تشریح، (منصور بک ہاؤس، لاہور، س۔ن)، ص ۱۴۹

۳۔ سنہری اُصول (Golden Rule)

میکس ویل کے مطابق:

"The golden rule is that the words of statute must prima facie by given their ordinary meaning''.(1)

سنہری اصول یہ ہے کہ خاص قانون کے الفاظ بادی النظر میں اپنے عام معنوں میں لیے جائیں۔

جب کوئی غیر معقول نتیجہ سامنے نہ آئے، عام الفاظ سے ان کے اصطلاحی معانی مراد لیے جائیں گے۔ اگر کسی لفظ کا لغوی طور پر کوئی معنی غیر معقول ہو تو پھر عدالت اس غیر معقول معنی کے مقابلے میں کسی معقول معنی کو ترجیح دے گی تاکہ الفاظ کے مفہوم میں پائی جانے والی غیر معقولیت (Absurdity) دور ہو۔ یہ جج کی صوابدید پر ہے کہ اگر وہ سمجھے کہ الفاظ کے عام معنی مراد لینے سے ایسا غیر معقول معنی سامنے آئے گا جسے مقننہ (مجلس قانون ساز) کا ارادہ و مقصد نہیں کہا جاسکتا تو اس صورت میں جج الفاظ کو وہ معانی دے جو ان سے مراد لیے جاسکتے ہیں۔(۲) اس اصول کے دائرہ کار کا اندازہ جی بی شا (G.B. Shaw) کے مندرجہ ذیل مقولے سے لگایا جاسکتا ہے:

"The golden rule is that there is no golden rule".(3)

سنہری اُصول یہ ہے کہ کوئی سنہری اصول نہیں ہے۔

۴۔ ضرر کا اصول (Mischief Rule)

جب کوئی ایکٹ (Act) قانون کے کسی ضرر کو دور کرنے کا ارادہ رکھتا ہو تو پھر اس ایکٹ کا مفہوم اس طریقے سے سمجھا جائے جس سے ایکٹ کا مقصد و مراد حاصل ہو اور ضرر دور ہو سکے۔(۴)

سر جان سالمنڈ اس اصول کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار اس طرح کرتے ہیں:

"A completely different approach to statutory interpretation is enshrined in the "mischief" rule. This takes its origin from Heydon's case, and requires the judges to look as the common law before the Act, and the mischief in the common law which the statute was intended to remedy ; the Act is then to be construed in

---

(1) Maxwell, Ibid, P. 6

(2) L. Loyd , Ibid, P.863

(۳) ڈھلوں، عرفان خالد، علم اصول فقہ ایک تعارف، شریعہ اکیڈمی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد، ۲۰۰۶ء، ۲/ ۱۳۲

(4) L. Loyd, Ibid, P.863

such a way as to suppress the mischief and advance the remedy”.[1]

قانون کی تعبیر و تشریح کے بارے میں ایک بالکل مختلف بات ضرر کے اصول میں محفوظ ہے۔اس نے اپنا آغاز ہیڈن کے مقدمے سے لیا ہے۔ اور منصفین سے تقاضا کرتا ہے کہ قانون بنانے سے پہلے ایک عام قانون کے طور پر اس کو دیکھا جائے اور اس بُرائی کا مطالعہ کیا جائے۔ جس کو قانون ختم کرنا چاہتا ہے۔ اس کے بعد ایسا قانون بنایا جائے جو کہ بُرائی کو ختم کرنے والا ہو اور اس کا حل منظر عام پر لائے۔

۵۔ ہم نوعیت قاعدہ یا یکساں اصول (Rule of Ejusdem Generis)

یکساں اصول کے مطابق جہاں کسی قانونی عبارت میں مخصوص الفاظ استعمال کیے گئے ہوں، وہاں عام الفاظ کے بھی وہی معنی لیے جاتے ہیں جو کہ مخصوص الفاظ کے لیے جاتے ہیں۔

میکس ویل رقم طراز ہے:

“It is however, the use of a general word following, but not preceding, other less general terms ejusdem generis which affords the most frequent illustration of the rule under consideration”.[2]

جب عام اور خاص الفاظ ایک قانون کی عبارت میں شامل ہوتے ہیں تو اس وقت وہ ایک دوسرے سے اثر پذیر ہوتے ہیں لہٰذا عام الفاظ کی تعبیر محدود ہوتی جاتی ہے اور وہ خصوصی الفاظ کے ہم نوعیت ہو جاتے ہیں ۔عام الفاظ کی اصطلاح کے بارے میں یہ تصور پایا جاتا ہے کہ اگر ایک قانون میں عام الفاظ کے بعد خاص الفاظ شامل ہوں تو عام الفاظ کی تعبیر محدود متصور ہو گی۔

لہٰذا اس قاعدہ کے مطابق جب قانون کی ایک عام دفعہ ایک خصوصی راہنما اصول فراہم کرتی ہے تو خصوصی الفاظ قانون سازی کے مقاصد کی صحیح حیثیت کو واضح کرتے ہیں۔ پروفیسر سالمنڈ ”اُصولِ ہم نوعیت“ کو قانون کی تعبیر و تشریح کے سلسلے میں سب سے اہم اصول گردانتا ہے۔[۳]

ر۔ مغربی قانون کے اصول تعبیر و تشریح کے چند اہم مفروضات:[۴]

ا۔ بادشاہ یا کسی دوسرے مقتدر کو پابند نہیں کیا جائے گا۔

---

(1) (i) Salmond, Ibid, P. 139 (1584) 3co, Rep. at 76) (ii) Curzon, Ibid , P. 257-258

(2) (i) Maxwell, Ibid, P. 326 (ii) Curzon, Ibid, P. 259

(3) Salmond, Ibid, P. 85

(۴) ڈھلوں، علم اصول فقہ ایک تعارف، ۲ / ۱۲۳۔۱۳۲

۲۔ کسی تعبیر کو ماضی سے موثر (Retrospective) نہیں کیا جائے گا۔

۳۔ مرّوج حقوق (Rights) میں مداخلت نہیں ہو گی۔

۴۔ عدالتی اختیارات ختم نہیں کیے جائیں گے۔

۵۔ دستوری حقوق یا بین الاقوامی قانون سے انحراف نہیں ہو گا۔

لیکن صریح اور واضح الفاظ اور ضروری معانی مندرجہ بالا مفروضات کو ختم کر سکتے ہیں۔

اس اصول تعبیر و تشریح کے تحت اگر کوئی لفظ مختلف مقامات پر استعمال ہو تو ہر جگہ اس لفظ کے ایک ہی معنی لیے جائیں گے۔ الغرض قانون کے طریقوں یا اصولوں سے یہ بات اجاگر ہوتی ہے کہ مغربی قانون تعبیر و تشریح میں(Golden Rule) کو سب سے زیادہ اہمیت دی جاتی ہے۔ اس اصول کی رو سے قانون کی عبارت پر توجہ دی جاتی ہے اور یہ دیکھا جاتا ہے کہ قانون بنانے والوں نے قانون کی عبارت میں کیا چیز شامل کی ہے۔ اگر لغوی معنی درست ہوں تو وہ ترجیحی بنیادوں پر فائز ہوں گئے اور اگر لفظی و لغوی معنی ابہام اور بے ترتیبی کا شکار ہوں تو نحوی طریقہ ء تعبیر کے اُصولوں کو اپنا کر قانون کا منشاء و مقصد معلوم کیا جاتا ہے۔

اسلامی قانون کے اصول تعبیر و تشریح:

الف۔ اسلامی اصطلاح"الدلالات"کی وضاحت

تعبیر و تشریح(Interpretation) کے لیے اسلامی اصطلاح، "الدلالات" مستعمل ہے۔

ادلہ شرعیہ سے حکم شرعی معلوم کرنے کا طریقہ اور منہاج جس کے لیے بعض جدید علمائے اُصول نے "دلالات" کی اصطلاح استعمال کی ہے یعنی تعبیر قانون اور تفسیر منصوص کے قواعد واحکام۔ اصول قانون کا یہ شعبہ بھی جو آج(Principles of Interpretation) کے نام سے جانا جاتا ہے اور قانونی علوم کا ایک بہت اہم اور مشکل حصہ سمجھا جاتا ہے، مسلمان فقہاء ہی کی ایجاد ہے۔ فقہائے اسلام سے قبل نہ تعبیر قانون کے طے شدہ اور منضبط اصول مدّون طور پر موجود تھے اور نہ یہ کوئی الگ شعبہ ء قانون سمجھا جاتا تھا۔[۱]

محمد مصطفےٰ الشلبی نے تعبیر و تشریحِ قانون کے لیے دو لفظ استعمال کیے ہیں: القواعد الغویۃ۔ او الدّلالات[۲]

جبکہ لفظ"الدلالۃ" کے معنی اس طرح بیان کیے گئے ہیں،"**الدلالة: كون الشی بحيث يلزم من العلم بشيء**

---

(۱) غازی، محمود احمد، علم اصول فقہ ایک تعارف، (شریعہ اکیڈمی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد، ۲۰۰۶ء)، ۲/۱۵

(۲) (i) الشلبی، محمد مصطفےٰ، اصول الفقہ الاسلامی، (دارالنہضۃ العربیۃ، بیروت، ۱۹۸۶ء) ص: ۱/ ۳۶۷ (ii) السرخی، اصول السرخی، ۱/ ۱۲۴، ومابعدھا (iii) الآمدی، م، ن، ۲/ ۳۶، ومابعدھا (iv) البزدوی، اصول فخر الاسلام، ۱/ ۲۸ ومابعدھا

آخر" [۱]

دلالات کے ضمن میں امام الغزالی رحمۃ اللہ علیہ سب سے پہلے علوم فقہ کو ایک درخت سایہ دار و ثمر دار سے تشبیہ دی ہے، جس کے ثمرات سے دنیا مستفید ہوتی ہے۔ یہ ثمرات وہ احکام شرعیہ ہیں، جن پر عمل پیرا ہو کر دنیا میں صلاح اور آخرت میں فلاح حاصل ہوتی ہے، وہ تنے اور بنیادیں، جن کے اثرات سے ثمرات پیدا ہوتے ہیں وہ ادلہ شرعیہ لعنی کتاب و سنت وغیرہ ہیں، پھر اس درخت سے پھل حاصل کرنے کے متعین اور طے شدہ طریقے ہیں، جن کو دلالات کہا جاتا ہے۔ اگر ان طریقوں کو بروئے کار نہ لایا جائے تو پھر وہ ثمرات جو مقصود و مطلوب ہیں حاصل کرنے والوں اور پھلوں سے مستفید و متمتع ہونے والوں کا وجود بھی ضروری ہے، یعنی مجتہدین و مقلدین جو احکام معلوم کریں اور احکام پر عمل کریں۔ [۲]

اسلامی فقہاء کی رائے کے مطابق شرعی نصوص کی تعبیر میں بعینہ وہی اُصول کام میں لائے جاتے ہیں جو عام عبارتوں کی تعبیر کے لیے مقرر ہیں۔ تعبیر کا مقصد یہ ہے کہ بیان کرنے والے کی مراد خواہ وہ شارع ہو یا احکام کا شارع یا کوئی دوسرا شخص ہو، دریافت کی جائے خواہ اس کے الفاظ سے یا اس کے طرز عمل سے، مثلاً شارع یہ دیکھتا ہے کہ لوگوں میں ایک خاص رسم جاری ہے اور کوئی حکم اس کے امتناع کے متعلق جاری نہیں کرتا تو یہ قیاس کر لیا جاتا ہے کہ وہ رسم اس کی منظور کردہ ہے یا اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں سے ایک شخص کوئی حدیث مجہول راوی سے بیان کرتا ہے اور اس کی صحت کی تکذیب نہیں کرتا تو یہ قیاس ہوتا ہے کہ وہ اس حدیث کی اصلیت کو تسلیم کرتا ہے۔ ایک معمولی شخص کے طرز عمل کی تعبیر کرنا صرف اصول مانع تقریر مخالف کو کام میں لانا ہے۔ [۳]

ڈاکٹر محمود احمد غازی تعبیر و تشریح کے حوالے سے بیان کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:

(vi) ابن عبد الشکور، مسلم الثبوت، الحسینیہ المصریۃ، س۔ن، ۱/۲۵۵، ومابعدھا (vii) النسفی، ابو البرکات عبد اللہ بن عمر (م ۷۱۰ھ)، کشف الاسرار شرح المنار، وحواشیہ، (دار الکتب العلمیۃ بیروت، لبنان، س۔ن)، ص:۱/۱۴، ومابعدھا (viii) الشوکانی، محمد بن علی، (۱۲۵۵ھ)، ارشاد الفحول الی تحقیق الحق من علم الاصول، (دار الکتبی، قاہرہ مصر)، ص:۸۰، ومابعدھا

(۱) الشلبی م۔ن، ۱/۳۶۷

(۲) غازی، محمود احمد، علم اصول فقہ ایک تعارف، ص:۱۵

(۳) عبد الرحیم، اصول فقہ اسلام، مترجم مولوی مسعود علی، منصور بک ہاؤس، لاہور، س۔ن، ص:۱۲۹

"اُصول فقہ کے اس شعبہ کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

ا۔ ایک حصہ وہ ہے، جس کا تعلق خاص قرآن مجید اور سنت کی تشریح و تفسیر سے ہے۔ یہ حصہ اکثر و بیشتر عربی زبان کے اسالیب، کلام عرب کے مناہج اور عربوں کے محاورہ اور روزمرہ سے بحث کرتا ہے۔

۲۔ دوسرے حصہ میں نصوص کی تعبیر و تشریح کے وہ اصول ہیں جو عالمگیر ہیں اور دنیا کے ہر قانون اور عبارت و دستاویز کی تشریح و تفسیر میں کام آسکتے ہیں۔"[۱]

ب۔ اسلامی اصول تعبیر و تشریح کی تدوین وارتقاء

نبی اکرم ﷺ کے عہد مبارک میں فقہ یا اُصول فقہ کی تدوین کی ضرورت نہیں تھی۔ صاحب شریعت خود موجود تھے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو احکام بذریعہ پیغمبر وحی نازل ہوئے۔ آپ ﷺ انھیں لوگوں تک پہنچا دیتے۔ اس کے علاوہ آپ ﷺ نے خود بھی احکام دیئے۔ آپ ﷺ کو قانون ساز ہونے کی حیثیت خود اللہ تعالیٰ نے دی۔ نبی اکرم ﷺ کی رحلت کے بعد عہد اہل عرب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں بھی تعبیر و تشریح کے اصول و قواعد مرتب کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے قرآن و سنت کی نصوص کی تعبیرات کیں، ان سے احکام اخذ کیے اور مسائل کا حل دریافت کیا۔ اس کام میں انہوں نے اصول و قواعد کو ملحوظ خاطر رکھا۔ لیکن یہ اصول و قواعد باقاعدہ مرتب و مدّون نہیں تھے۔ چند مشہور فقہاء صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر، حضرت علی، حضرت ابن عباس، حضرت ابن عمر اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔

عہد صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد تابعین اور پھر تبع تابعین کا دور آیا۔ انہوں نے قرآن و سنت کے احکام کو اپنے علاقوں میں ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے سیکھا جو وہاں موجود تھے یا جو سفر کر کے وہاں پہنچے تھے۔

تابعین اور تبع تابعین کے زمانوں میں نصوص کی تعبیر اور اخذِ احکام کے لیے اصول و قواعد پیش نظر رہے۔ فقہاء کی تعبیر اور مسائل کا استنباط، قانون سازی کا ایک اہم ذریعہ تھا۔ امام ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ (م ۹۵ھ) کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے فقہ کے ان اصولوں کو جو ان کے زمانہ تک قائم ہو چکے تھے، ایک مجموعہ کی شکل میں مرتب کیا تھا۔ اسی طرح امام حماد بن ابی سفیان رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۲۰ھ) کے پاس بھی اصول و قواعد کا ایک مجموعہ تھا[۲]۔

---

(۱) غازی، محمود احمد، علم اصول فقہ ایک تعارف، ص:۱۹

(۲) عبدالرحیم، ص:۷۵

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۵۰ھ) کی نگرانی میں چالیس فقہاء پر مشتمل ایک مجلسِ فقہی قائم تھی جو اجتہاد و استنباط احکام اور تدوین فقہ کا کام کرتی تھی۔ یہ کام اصول و قواعد کے تحت جاری تھا۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے استحسان کا اصول وضع کیا، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۷۹ھ) نے تعامل اہلِ مدینہ، مصلحت عامہ اور استدلال کے اصول دیئے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ (م۱۸۲ھ) قاضی القضاۃ یعنی چیف جسٹس تھے۔ انہوں نے نصوص کی تعبیر میں بہت کام کیا۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ (م۱۸۹ھ) نے فقہ کے اصول و قواعد کی تدوین کا کام بھی کیا۔ لیکن ان سب کا یہ کام کتابی شکل میں بعد میں محفوظ نہ رہ سکا۔ اس لحاظ سے امام الشافعی رحمۃ اللہ علیہ (م ۲۰۴ھ) پہلے شخص ہیں جن کے مرتب کردہ اصول و قواعد کتابی شکل میں ہم تک پہنچے۔ انہوں نے اصول فقہ پر ایک کتاب لکھی جس نے ”الرسالۃ“ کے نام سے تمام عالم میں شہرت پائی۔ اس کتاب میں انہوں نے قرآن و سنت کی نصوص، ناسخ و منسوخ، خبر واحد، اجماع، استحسان، قیاس اور اجتہاد وغیرہ پر سیر حاصل بحث کی ہے۔

ج۔ تعبیر و تشریح کے لیے لازمی امور

۱۔ تعبیر کنندہ (مفسر) کے لیے ضروری علوم کا لازمی حصول

شرعی نصوص کی تفسیر و تشریح کرنے والے کے لیے درج ذیل علوم کا جاننا ضروری ہے:[۱]

علم لغت، علم نحو، علم صرف، علم اشتقاق، علم معانی، علم بیان، علم بدیع، علم حدیث، علم قرأت، علم اصول دین، علم اصول فقہ، علم اسباب نزول، علم ناسخ و منسوخ، علم فقہ، وھبی علم یہ وہ ضروری علوم ہیں جن میں مہارت شرعی نصوص کی تعبیر و تفسیر کے لیے اہلیت اور جن میں عدم مہارت اس کام کے لیے عدم اہلیت تصور ہوتی ہے۔ کوئی بھی کام کے کرنے کے لیے اس شخص میں مطلوبہ قابلیت و اہلیت کا پایا جانا ضروری ہوتا ہے[۲]۔

۲۔ تعبیر بغیر علم کی ممانعت

قرآن و سنّت کی نصوص کی تعبیر و تفسیر کرنا ایسی رائے سے جائز نہیں ہے جو بغیر علم اور بلا دلیل ہو یا جو ذاتی ہو یا مخصوص طبقہ کی رائے کے مطابق ہو۔ ایسے لوگوں کے بارے میں قرآن و سنت میں سخت وعید آئی ہے جو شرعی احکام کی تعبیر اپنی خواہشات کے تحت کرتے ہیں اور پھر یہ تعبیر اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرکے عوام میں سند قبولیت حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔[۳]

---

(۱) السیوطی، جلال الدین عبد الرحمن، الاتقان فی علوم القرآن، شرکۃ مکتبہ ومطبعہ مصطفی البابی الحلبی مصر، ۲/ ۳۱۵

(۲) ڈھلوں، علم اصول فقہ ایک تعارف، ۲ / ۱۱۶

(۳) ایضاً، ۲ / ۱۱۶۔۱۱۷

۳۔ رائے کے استعمال میں احتیاط

نصوص شرعیہ کی تعبیر میں علم و دلیل کی اساس پر رائے کا استعمال جائز ہے لیکن کام کی اہمیت کے پیش نظر رائے کے استعمال میں انتہائی احتیاط چاہیے۔ کلام الٰہی اور سنت نبوی کے الفاظ کی تعبیر اور انہیں معنی و مفہوم دینا بڑی ذمہ داری کا کام ہے جس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور سلف صالحین نے بہت احتیاط برتی ہے۔ اس کام کی اہمیت اور ذمہ داری کا احساس کرتے ہوئے وہ حتی الامکان یہ کوشش کرتے تھے کہ قرآن و سنت کے الفاظ کی تعبیر میں رائے سے اجتناب کریں۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

> ”جب میں مراد الٰہی کے خلاف قرآن کے کسی حرف کی تفسیر کروں تو کون سا آسمان مجھ پر سایہ فگن ہو گا اور کون سی زمین مجھے اٹھائے گی، میں کہاں جاؤں گا اور کیا کروں گا“۔[۱]

۴۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعبیرات کی پابندی

شرعی نصوص کی تعبیر میں صحابہ کرم رضی اللہ عنہم اس سلسلے کی پہلی کڑی ہیں جن کی وساطت سے قرآن و سنت کے احکام نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہم تک پہنچے ہیں۔ نصوص شرعیہ کی تعبیر و تفسیر کا صحیح طریقہ یہی ہے کہ اس کا آغاز صحابہ رضی اللہ عنہم سے کیا جائے۔ وہ ہم سے زیادہ قرآن و سنت کے معانی و مفاہیم کو جانتے تھے۔ جلال الدین السیوطی رحمۃ اللہ علیہ (م ۹۱۱ھ) نے لکھا ہے:

> "جس شخص نے بھی صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین کے مذاہب (فکر) اور تفسیر سے عدّول (گریز) کر کے ان کے خلاف راستہ پر قدم رکھا۔ وہ اس فعل میں غلطی پر ہے بلکہ بدعتی ہے، کیونکہ صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین قرآن شریف کی تفسیر اور اس کے معنی کے ویسے ہی اعلیٰ درجہ کو جاننے والے تھے جیسے کہ وہ اس حق کو بخوبی جانتے تھے جس کے ساتھ خدائے پاک نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا تھا۔"[۲]

د۔ دلالت کے طریقے و منہج

عبد الرحیم کے مطابق مخصوص معنی ادا کرنے کے لیے الفاظ کی چار قسمیں ہو سکتی ہیں:

۱۔ بلحاظ اپنے صرفی و نحوی استعمال، مثلاً ایک لفظ مشترک ہے یا خاص یا عام

---

(۱) الذہبی، محمد حسین، التفسیر والمفسرون، دار الکتب الحدیثیۃ، ۱۳۹۶ھ ۱/ ۲۱۰

(۲) الاتقان، ۲/ ۴۳۸

۲۔ بلحاظ اپنے حقیقی استعمال کے، مثلاً وہ حقیقی معنوں میں استعمال ہوا ہے یا مجازی معنوں میں، صریح ہے یا کنایہ، لغوی طریقہ سے استعمال ہوا ہے یا اصطلاحی یا رسمی طور سے۔

۳۔ اس لحاظ سے کہ ان کے معنی کسی حد تک صاف کیے گئے ہیں اور کسی حد تک مبہم اور مشتبہ چھوڑ دیئے گئے ہیں، یعنی جو کلام وہ الفاظ بناتے ہیں، وہ ظاہر یا نص یا مفسر ہے یا نہیں۔

۴۔ بلحاظ ان مختلف چار طریقوں کے، جن سے ان کے معانی کا پتہ چلتا ہے۔[۱]

مثلاً۔ دلالۃ بالعبارۃ، دلالۃ بالاشارہ، دلالۃ بالدلالۃ، دلالۃ بالاقتضاء۔[۲]

اپنے معنی پر دلالت کے اعتبار سے لفظ کی مندرجہ ذیل دو اقسام ہیں:

۱۔ واضح الدلالت الفاظ، یعنی وہ الفاظ، جن کے معانی ومفاہیم واضح ہوں۔ مثلاً

(۱) ظاہر (۲) نص (۳) مفسّر (۴) محکم

۲۔ غامض الدلالت الفاظ، یعنی وہ الفاظ، جن کے معانی ومفاہیم پہلی قسم کے الفاظ کی طرح واضح نہ ہوں۔[۳]

مثلاً (۱) خفی (۲) مشکل (۳) مجمل (۴) تشابہ

شرعی دلائل میں تعارض (Contradiction) سے مراد یہ ہے کہ کسی خاص مسئلہ میں ایک شرعی دلیل جس حکم کی متقاضی ہو، کوئی دوسری شرعی دلیل اس کے خلاف دوسرے حکم کا تقاضا کرتی ہو۔ تو اس وقت ترجیح کا اُصول اپنایا جاتا ہے اور اس تعارض کو رفع کرنے اور متعارض دلائل میں سے کسی ایک کی ترجیح کے لیے اصول مرتب کیے گئے ہیں۔

ر۔ احکام پر الفاظ کی دلالت کے مختلف طریقے

شرعی نصوص میں وارد الفاظ اپنے معانی ومفاہیم کے لحاظ سے مختلف طریقوں سے دلالت کرتے ہیں اور علمائے اُصول کے ہاں اس کے لیے درج ذیل دو بڑے طریقے اختیار کیے جاتے ہیں:[۱]

---

(۱) عبد الرحیم، ص ۱۴۹، الشلبی، م۔ن، ص ۳۶۸-۳۶۹، صدر الشریعہ، عبد اللہ بن مسعود، التوضیح مع حاشیۃ التلویح للتفتازانی، ور محمد اصح المطابع وکارخانہ تجارت کتب، آرام باغ کراچی، ۱/ ۲۹

(۲) وھبہ الزحیلی، اصول الفقہ الاسلامی، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ، پشاور، س۔ن، ۱/ ۲۰۲

(۳) زیدان، عبد الکریم، الوجیز فی اصول الفقہ، اردو ترجمہ جامع اصول، مترجم ڈاکٹر احمد حسن، مطبع مجتبائی پاکستان، لاہور ۱۹۸۶ء)، ص:۳۳۸، مزید تفصیل کے لیے دیکھئے، صدر الشریعہ، م۔ن، ۱/ ۲۳

(الف) حنفی طریقہ (ب) متکلمین کا طریقہ

الف۔ احناف کے نزدیک دلالت کے طریقے (۲)

احناف کی علم الاصول کی کتب میں دلالت کے درج ذیل چار طریقے بیان کیے جاتے ہیں

(۱)عبارۃ النّص (۲)اشارۃ النّص (۳) دلالۃ النّص (۴)اقتضاء النّص

مالکی، شافعی اور حنبلی علمائے اصول نے اپنے معنی پر لفظ کی دلالت کے ان چار طریقوں کے علاوہ پانچویں دلالت کا اضافہ کیا ہے، جس کا نام مفہوم مخالف ہے۔ (۳)

ب۔ دلالت کے مختلف طریقے اور متکلمین کا منہج

متکلمین کے نزدیک حکم پر لفظ کی دلالت کی دو بنیادی اقسام ہیں

(۱) منطوق: "جن پر لفظ مقام بیان میں دلالت کرے"۔ (۴)

(۲) مفہوم: وہ چیز جو لفظ سے معلوم ہو لیکن محل بیان میں نہ ہو یعنی ایسی چیز کا حکم ہو جو ذکر نہیں کی گئی یا غیر مذکور چیز کی کوئی حالت بیان کی گئی ہو۔

اسلامی اور مغربی اصول تعبیر و تشریح کا ایک تقابلی جائزہ

جب سے قانون وجود میں آیا۔ اس کی تعبیر و تشریح کی ضرورت درپیش رہی ہے اور اس مقصد کے لیے رفتہ رفتہ تعبیر قانون کے اصول وضع کیے گئے۔ لیکن ان سب اُصولوں کا مقصد ایک ہی تھا۔ لیکن مغربی اور اسلامی اُصول تعبیر و تشریح میں واضح فرق پایا جاتا ہے۔ جو کہ درج ذیل نکات کے تقابلی جائزہ سے اُجاگر ہوتا ہے۔

ا۔ قطعی تعبیر

اسلام کے بعض قطعی اصول تعبیر و تشریح کو تبدیل نہیں کیا جاسکتا جیسے نص قرآنی کی نبوی تعبیر یا اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم سے تعبیر قطعی ہے۔ اسلامی قانون میں تعبیر و تشریح کا دائرہ قرآن و سنت کی صرف انہی نصوص تک محدود

---

(۱) مصطفٰی سعید، ڈاکٹر، قواعد اُصولیہ میں فقہاء کا اختلاف اور فقہی مسائل پر اس کا اثر، مترجم حافظ حبیب الرحمن، شریعہ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد، ۲۰۰۲ء، ص:۱۳۶

(۲) ایضاً، ص:۱۳۶

(۳) ڈھلوں، علم اصول فقہ ایک تعارف، ۲/۳۰۰

(۴) الزحیلی، اصول الفقہ الاسلامی، ۱/۳۶۰

ہے جو ظنی الثبوت ہیں۔ جبکہ مغربی اصول تعبیر میں تبدیلی تو دور کی بات ہے، اس کی بقاء کا انحصار بھی صرف پارلیمنٹ پر ہے جو چاہے تو اپنی مرضی سے اسے ختم بھی کر سکتی ہے۔

۲۔ حقیقی قانون ساز

اسلامی قانون، قرآن و سنت کی نصوص کی تعبیر و تشریح کا حق نہ تو کسی خاص مذہبی رہنما کو سونپتا ہے اور نہ اس حق کو عام کرتا ہے کہ ہر مسلمان نصوص شرعیہ کی تعبیر اپنے ضمیر کی آواز کے مطابق کرے بلکہ وہ اس کام کے لیے متعلقہ شخص سے مطلوبہ قابلیت کا تقاضا کرتا ہے، جب کہ مغربی قانون جج کو قانون کے الفاظ کی تعبیر کا حق دیتا ہے ۔کیتھولک عقیدے میں صرف پوپ اور اُسقف کو بائبل کی تعبیر کا حق ہے۔ پروٹسٹنٹ فرقے میں ہر مسیحی کو یہ حق ہے کہ وہ اپنے ضمیر کی آواز کے مطابق بائبل کے الفاظ کی تعبیر کرے۔[۱] پروفیسر گرے تعبیر و تشریح کی تعریف ہی اس انداز سے کرتا ہے کہ جس سے جج کی بطور تعبیر کنندہ حیثیت واضح ہو جاتی ہے۔ وہ کہتا ہے:

> It is " The process by which a judge constructs from the words of a statute book a meaning which he either believes to be that of the legislature, or which he proposes to attribute to it".[2]
>
> وہ طریقہ کار جس سے ایک جج قانون کی کتاب سے کسی لفظ کا مطلب اخذ کرتا ہے جو اس کے خیال میں قانون کے مطابق ہے یا ملتا جلتا ہے۔

مغربی قانون تعبیر و تشریح کے برعکس اسلام میں حاکمیت اعلیٰ چونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی ہے۔ لہٰذا اصلی قانون ساز صرف اور صرف وہی ہے اور اسلامی ریاست کی مقننہ کی حیثیت صرف قانون کی تعبیر اور تشریح و توضیح کرنے کی ہے، نہ کہ قانون سازی کی۔

۳۔ مفسّر کے لیے ضروری اُمور کا جاننا

قانون اسلامی کی رو سے تفسیر کنندہ کے لیے یہ لازم قرار دیا گیا ہے کہ وہ راسخ العقیدہ ہو اور واجبات دین پر کاملاً عمل کرنے والا ہو۔ جبکہ مغربی قانون میں تعبیر و تشریح کے لیے تعبیر کنندہ پر ایسی کوئی بھی شرط عائد نہیں کی گئی۔ نہ مذہباً اور نہ ہی اخلاقاً۔

---

(۱) الزحیلی، اصول الفقہ الاسلامی، ۲/۱۲۳

(2) Maxwell (Revised by Roy Wilson & Brian Galpin). Maxwell on the Interpretation of Statutes, (Sweet and Maxwell, Ltd, London, 1962), Ed: 11th, P.5.

۴۔ مذہبی عقائد کی پاسداری

اسلامی قانون میں کوئی تعبیر و تشریح قرآن و سنت کے قطعی احکام اور دین کے بنیادی عقائد و ایمانیات کے خلاف نہیں ہو سکتی۔ جب کہ مغربی قانون میں بائبل کی تعلیمات اور مسیحی عقائد کو ایسا کوئی تحفظ حاصل نہیں ہے۔ (۱)

۵۔ تعبیر کا سر چشمہ وحیٔ الٰہی

اسلامی اصولِ تفسیر و تشریح کا مقصد اول صرف قرآن اور سنت کے نصوص کی تعبیر کرنا ہے۔ جب کہ مغربی اصول تعبیر کا مقصد پارلیمنٹ کے بنائے ہوئے قانون کی تعبیر کرنا ہے۔ انھیں وحیٔ الٰہی سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ نیز اسلامی قانون میں تعبیر و تشریح کا معیار اور کسوٹی قرآن و سنت ہے جس کا منبع و مآخذ وحیٔ الٰہی ہے۔ جب کہ مغربی قانون میں تعبیر و تشریح کا معیار ملکی دستور ہے۔ جو صرف انسانی کوششوں کا نتیجہ ہے اور اس میں غلطی کا امکان رہتا ہے۔

۶۔ تعبیر و تفسیر کی مذہبی اہمیت

اسلامی قانون میں نصوص کی تعبیر کرتے وقت ذاتی رائے کے استعمال میں حد درجہ احتیاط کا تصور پایا جاتا ہے شرعی نصوص کی تعبیر و تفسیر دینی اعتبار سے نہایت اہم اور نازک کام ہے جب کہ مغربی قانون میں عبارتوں کی تعبیر و تشریح کو مذہبی تقدس و اہمیت حاصل نہیں ہے۔ (۲)

۷۔ تعبیر نص کے لیے مقاصد الشریعۃ کا جاننا

اسلامی قانون میں شارع کا مقصد قانون سازی بالکل واضح ہے۔ مغربی قانون میں پارلیمنٹ کے قانون سازی کے ارادہ کو ایک مفروضہ اور افسانہ قرار دیا گیا ہے قانون کی عبارتوں کے معنی تو دریافت کیے جاسکتے ہیں۔ مگر یہ معلوم نہیں کیا جاسکتا کہ کسی قانون کو بناتے وقت پارلیمنٹ کا کیا ارادہ تھا اور عبارت کے الفاظ سے انہوں نے کون سا معنی مراد لیا تھا۔ (۳)

تعبیر نص کے لیے قانون سازی اور شرعی احکام دینے سے قبل شارع کے مقاصد کا جاننا لازم ہے۔ علامہ ابو اسحاق الشاطبی رحمۃ اللہ علیہ (م ۷۹۰ھ) نے شریعت کے درج ذیل تین عمومی مقاصد بیان کیے ہیں:

(۱) ضروریات کا تحفظ (۲) حاجیات کی فراہمی (۳) تحسینیات کی فراہمی

---

(۱) ڈھلوں، علم اصول فقہ ایک تعارف، ۲/۱۲۴

(۲) ڈھلوں، علم اصول فقہ ایک تعارف، ۲/۱۲۴

(۳) ڈھلوں علم اصول فقہ ایک تعارف، ۲/۱۲۴

اس طرح نصوص کی تعبیر و تفسیر مقاصد شریعت اور ان اصول و قواعد کے مطابق ہوتی ہے جو دین اسلام میں ثابت شدہ ہیں اور جن پر ایمان و اعتقاد لازم و ملزوم ہے۔

۸۔ سیاسی مقتدر اعلیٰ کی حیثیت

اسلامی قانون میں ریاست کا کوئی سیاسی مقتدر اعلیٰ مثلاً بادشاہ، پارلیمنٹ، صدر یا وزیر اعظم یا جو کوئی بھی ہو، کسی قانون اور اس کی تعبیر سے ماوراء نہیں ہے۔ جب کہ مغربی قانون میں بادشاہ اور دوسرے سیاسی مقتدر اعلیٰ کو قانون کی کوئی تعبیر پابند نہیں بنا سکتی۔[۱]

۹۔ نصوص شرعیہ کی تعبیر کا حقدار

اسلامی قانون میں شرعی نصوص کی تعبیر کا حق صرف مسلمان کو ہے۔ اس میں یہ تسلیم نہیں کیا جاسکتا کہ جو شخص مسلمان نہیں ہے وہ قرآن و سنت کی نصوص کی تعبیر و تفسیر میں اس کے اصول و مقاصد کو برقرار رکھے گا جب کہ مغربی قانون میں اس اساسی شرط کا لحاظ نہیں رکھا گیا۔[۲]

۱۰۔ تاویل سے مدد لینا

اگر کسی لفظ کا ظاہری مفہوم اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم ﷺ کے شایان شان نہ ہو تو اسکی تاویل کی جاتی ہے۔[۳]

۱۱۔ تعبیر و تفسیر کے لیے واضح نص کا ہونا

دین اسلام کی تعبیری نص قرآن حکیم کی صورت میں موجود ہے۔ قرآن کریم کی نصوص قطعی اور یقینی ہیں کیونکہ یہ ایک یقینی امر ہے کہ قرآن پاک نبی اکرم ﷺ سے لے کر ہم تک ویسے ہی پہنچا ہے جیسا کہ نازل ہوا تھا اور اس کے کسی حرف اور لفظ میں بھی کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا۔ جبکہ مغربی قانون کی کوئی اصل نص نہیں ہے۔ وہ پارلیمنٹ کے موضوعہ قانون کی تعبیر پر عمل کرتے ہیں۔

۱۲۔ تعبیر نص بذریعہ اجتہاد

اسلامی ریاست میں مقننہ کی قانون سازی اس حد تک تسلیم کی جاسکتی ہے کہ کسی نئے پیش آمدہ مسئلہ کے بارے میں قرآن، سنت اور اجماع سے راہنمائی حاصل نہ ہو تو وہاں ان کی روشنی میں قیاس اور اجتہاد کے ذریعے اس

---

(1) Curzon, Ibid, P.225

(۲) ڈھلوں، علم اصول فقہ ایک تعارف، ۲/۱۲۴

(۳) ایضاً، ۲/۱۲۹

مسئلے کے متعلق ایک نئے قانون کو سامنے لایا جاتا ہے۔ پھر اسلامی ریاست کی مقننہ پر یہ بھی لازم ہوتا ہے کہ اس کے فیصلے اور اس کی تعبیر و تشریحات و توضیحات صرف منشائے ایزدی کے عین مطابق ہو۔

۱۳۔ غیر یقینی تعبیر

بعض اوقات مغربی قانون کی تعبیر و تشریح غیر یقینی (Uncertainty) کا شکار بھی نظر آتی ہے۔ جب کہ اسلامی تعبیر و تفسیر واضح ہوتی ہے۔ ایک مغربی مفکر لکھتا ہے:

> ‘‘Uncertainty may arise when the literal meaning of an Act apparently contemplates circumstances which the court finds difficult to relate with certainty to the facts of a case. Poor drafting, the complexity of the subject matter, may be responsible”.(1)

اس وقت بے یقینی کی کیفیت پیدا ہو سکتی ہے اگر کسی عمل کے اصطلاحی معنی عدالت کے نزدیک کیس کے حقائق سے یقینی مطابقت نہ رکھتے ہوں تو اس سلسلے میں مواد کی پیچیدگی کی ذمہ دار (وجہ) ہو سکتی ہے۔

تعبیر و تفسیر کے اسالیب و مناہج

مغربی قانون کے مطابق اصول تعبیر و تشریح کے درج ذیل اسلوب ہیں:

۱۔ نحوی طریقہ تعبیر ۲۔ منطقی طریقہء تعبیر ۳۔ تاریخی طریقہء تعبیر

جبکہ فقہ ء اسلامی کے تحت اصول تعبیر و تفسیر کے دو اسلوب (مناہج) ہیں:

۱۔ اسلوب احناف ۲۔ اسلوب متکلمین

۱۔ اسلوب احناف:

احناف کے ہاں نص (یعنی کسی عبارت بالخصوص قرآن مجید کی آیت یا حدیث نبوی کی عبارت) کے معانی و مطالب کی وضاحت و تفسیر اور اس سے احکام مستنبط کرنے کے لیے ”بیان کی اصطلاح“ استعمال کی ہے۔ اور بیان کی درج ذیل پانچ اقسام بتائی ہیں: (۲)

۱۔ بیان تقریر، ۲۔ بیان تفسیر، ۳۔ بیان تغییر، ۴۔ بیان تبدیل، ۵۔ بیان ضرورت

---

(1) Curzon, Ibid, P.255.

(۲) غازی، اصول فقہ، ایک تعارف، ۲ / ۱۹

۲۔اسلوب متکلمین

ان کے ہاں تعبیر و تفسیر کے دو طریقے استعمال کیے جاتے ہیں

(۱) دلالت منطوق (۲) دلالت مفہوم

خلاصہ بحث

خلاصہ کلام یہ کہ قانون کی تعبیر و تشریح سے مراد یہ ہے کہ قانون کی تشریح کرکے اس کے ابہام و پیچیدگی کو دور کیا جائے۔ مغربی قانون کے مطابق اس کے لیے تین طریقے نحوی، منطقی اور تاریخی استعمال کیے جاتے ہیں اور پھر ان تین طریقوں سے مختلف اصول تعبیر مرتب کرکے قانون کے ابہام اور قانون ساز (پارلیمنٹ) کے ارادہ و منشاء کو جانا جاتا ہے۔

یہ اسلامی فقہ میں اصول فقہ کا ایک نہایت اہم موضوع ہے اور اس کو "الدلالات" یعنی تعبیر و تفسیر کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ تعبیر و تفسیر کے ان اصولوں کے لیے قدیم علمائے اصول نے "وجوہ نظم" کا اور جدید علمائے اصول نے "الدلالات" کا عنوان اختیار کیا ہے۔ یہ وہی چیز ہے جس کو انگریز قانون کی اصطلاح میں "پرنسپلز آف انٹر پریٹیشن" (Principles of Interpretation) کہتے ہیں ان اصولوں میں عام اور خاص، امر و نہی، الفاظ و عبارت کے معانی کے لحاظ سے ان کی قسمیں (مثلاً ظاہر، نص، مفسر، محکم، خفی، مشکل، مجمل متشابہ، حقیقت، مجاز ،صریح، کنایہ وغیرہ) شامل ہیں۔[۱]

ڈاکٹر محمود احمد غازی "الدلالات" یعنی اُصول تعبیر و تفسیر کے حوالے سے مسلم فقہاء کو ان الفاظ میں خراج تحسین دیتے ہیں:

> "یہ موضوع اصول فقہ کی دراصل جان اور بنیاد ہے تعبیر قانون کے یہ اصول پہلی بار مسلمان فقہاء نے دنیا کو دیئے۔ فقہ اسلامی سے قبل رومن لاء میں تعبیر قانون کے نہایت ابتدائی تصورات ملتے ہیں جن کو نہ کوئی مکمل اور مربوط ضابطہ قرار دیا جاسکتا ہے اور نہ ہی رومن قانون دانوں نے ان کو ترقی دے کر ایسے اصول تیار کیے جیسے علمائے اصول نے اسلام کی ابتدائی تین چار صدیوں میں کر دیئے تھے۔ رومن قانون دانوں کو اس کام کا آغاز کرنے میں کم و بیش بارہ سو سال کا عرصہ لگا۔"[۲]

---

(۱) غازی، اصول فقہ، ایک تعارف، ۱ / ۵۲

(۲) غازی، علم اصول فقہ، ایک تعارف، ۲/ ۳۵

اسلام میں قانون سازی کا اختیار اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اور مقننہ کا کام قانون کی تعبیر اور تشریح و توضیح اور کسی نئے آنے والے مسئلہ کا حل قرآن، سنت اور اجماع سے بذریعہ قیاس معلوم کرنا ہے۔

مغربی قانون میں قانون کی تشریح کا حق بھی حکمران طبقے کو حاصل ہوتا ہے اور اگر کہیں عدلیہ کے ذریعے قانون کی تشریح ہوتی ہے، تو اس پر بھی کوئی بالائی قانون قدغن کے طور پر موجود نہیں ہوتا۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہو سکتا ہے کہ قانون کی تشریح آئین اور دستور کے ضابطے کی حدود کے اندر کی جاتی ہے جو بجائے خود انسانی ذہن کا تراشیدہ ہوتا ہے۔ گویا قانون کی تشریع اور تشریح دونوں انسانی صوابدید پر مبنی ہوتی ہیں۔ اس کے برعکس اسلامی قانون کی بنیادی تشریع بھی نبی آخر الزمان ﷺ کی وساطت سے وحی الٰہی کی روشنی میں کر دی گئی ہے۔ لہٰذا یہاں بھی انسانی سوچ یا اس کے محدود مفادات کی اثر انگیزی کا کوئی دخل باقی نہیں رہا جہاں تک جدید تعبیرات و تشریحاتِ قانون کا تعلق ہے جو تغیر زمانہ کے ساتھ ساتھ مسلم فقہاء، علماء اور مجتہدین کرتے ہیں ان کی تشریحی حدود بھی قرآن و سنت کے ذریعے متعین کر دی گئی ہیں۔ اس لئے اسلامی قانون کے ضمن میں انسانوں کو تشریح اور تعبیر کا حق تو حاصل ہے لیکن غیر مشروط اور لامحدود نہیں، اس پر پھر قرآن و سنت یا ان کے نظائر و مماثلات کی شرائط موجود ہیں، جن کی تفصیلات بھی کتب فقہ میں شرح و بسط کے ساتھ مذکور ہیں۔ تشریح و تعبیر قانون کا یہی اصول عہد صحابہ رضی اللہ عنہم سے آج تک اسلامی تاریخ میں رواج پذیر ہے۔ تشریح و تعبیر قانون کا طریق کار کبھی اجتہاد بیانی کی صورت میں نافذ ہوتا ہے اور کبھی اجتہاد قیاسی کی صورت میں۔ کبھی اس کے استصلاحی ضابطے استحسان، مصالح، استصحاب اور استدلال کی صورت میں نافذ ہوتے ہیں اور کبھی عرف و عادت اور ضرورت شرعی وغیرہ کی صورت میں۔ کبھی اس کی تشریح و تعبیر تقیید المطلق، تخصیص العام، استثناء و رخصت، تخیر و تغیر وغیرہ کی صورت میں ہوتی ہے اور کبھی ترجیح و تلفیق کی صورت میں۔ الغرض یہ تمام تشریعی ضابطے قرآن و سنت کی اس الہامی ہدایت کے تابع ہیں جس کی حیثیت ملکی آئین اور دستور پر بھی فائق ہے۔ اس لیے ملک کے عام قانون سے لے کر ریاست کے دستور اور آئین تک تشکیل اور تشریح قانون کے تمام مرحلے ربانی ہدایت کے بالواسطہ یا بلاواسطہ تابع ہوتے ہیں اگر کسی شخص یا طبقے کی تشریحی تحقیق اور توضیحی رائے وحی الٰہی کے احکام کے منافی ہو تو اسے بغیر تامل کے رد کر دیا جاتا ہے۔ اس لحاظ سے جو سقم مغربی قانون کے ضابطہ تشریح میں پایا جاتا ہے۔ وہ اسلامی قانون کے ضابطہ تشریح میں موجود نہیں۔[1]

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے بعد ابو بکر احمد بن علی الجصاص رحمۃ اللہ علیہ (م ۳۷۰ھ)، قاضی عبد الجبار رحمۃ اللہ علیہ (م ۴۱۵ھ)

---

(۱) القادری، محمد طاہر، اسلامی اور مغربی تصور قانون کا تقابلی جائزہ، سہ ماہی منہاج، ش: ۴، ج: ۱، اکتوبر ۱۹۸۳ء، ص: ۱۲۴

ان کے شاگرد ابو الحسن البصری رحمۃ اللہ علیہ (م ۴۳۶ھ)، فخر الاسلام علی بن محمد البزدوی رحمۃ اللہ علیہ (م ۴۸۳ھ)، شمس الائمہ السرخسی رحمۃ اللہ علیہ (م ۴۹۰ھ)، امام الغزالی رحمۃ اللہ علیہ (م ۵۰۵ھ)، اور سیف الدین الآمدی رحمۃ اللہ علیہ (م ۶۳۱ھ) دلالت کے علم کے حوالے سے بہت نمایاں رہے ہیں۔ معاصر فقہاء میں عبد الکریم زیدان نے "الوجیز فی اصول الفقہ" میں تشریح و تعبیر کے اصولوں کا احاطہ کیا ہے اور ان پر وضاحت کے ساتھ گفتگو کی ہے۔[1]

❁ ❁ ❁

(۱) فاروقی، محمد یوسف، فقہ اسلامی میں تعبیر و تشریح کے اُصول، شریعہ اکیڈمی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد، ۲۰۰۱ء، ص:۸

الحكم الشرعي لإيقاف علاج المريض الميئوس من برئه

Islamic legal orders for stoppage of remedy of a despaired patient

د. منظور أحمد الأزهري *

ABSTRACT

A patient sometimes arrives to Intensive Care Unit (ICU) of a hospital after a serious illness, to be treated with artificial ventilation. The doctors have to decide to treat him on ventilator that may last for a long period. When the state of a patient becomes out of range for physicians they declare the ultimate stoppage of the treatment & order to take the patient home. This decision is actually taken by a panel of doctors, comprising of two associate professors & one registrar, at least, according to the SOPs. At this stage, the decision of physicians astonishes the relatives because they feel embarrassment to take the patient to home while they wish his recovery or the ultimate fate. On the other hand expensive remedy of such a patient may bring the relatives to borrowing of millions in some cases. The management of the hospital also requires to empty the beds for new comers, specially the seriously injured ones who may survive if treated immediately and properly.

No doubt that respect of a human being in his illness is required ethically, but if there is no benefit of curing him instantly, people should accept the situation willingly as a matter of fate and pray to Allah for a peaceful future. The final word of the honest doctors should be acceptable for him & his family. We can briefly conclude the Islamic legal orders for such decisions that remedy itself is a permissible act for a person according to his free will. So he may take remedy or not in the opinion of majority of the jurists. In "Shafee" school of thought it is commendable. Legal order for the relatives of the patient is that, it is the right of the patient or his family to continue or stop remedy at any stage in the best interest of the patient, his family and the whole society. Third legal order in the above mentioned case is that physicians are absolutely free to take medical decisions as it is their specialty & jurisdiction. But they should be aware of importance of the dignity of man & his rights along with fear of Allah almighty in all resolutions related to the life of people and benefit of their society.

Keywords: *Treatment, Ventilation, Legal orders, Medical Decisions, Jurisdiction.*

---

* أستاذ الشريعة المشارك، معهد الدراسات الدينية والبحوث، جامعة هائ تك،تاكسيلا،باكستان

إن الإنسان من أحب خلق الله تعالى إليه جل شأنه و قد كرمه بكرامات عظيمة حيا وميتا وخلق الموت والحياة له بمقادير عليا لا يعلمها إلا هو، ومن هنا لا دخل لبشر عموما في موت وحياة الإنسان، ولكن التطور العلمي أدى إلى تقديم بعض التسهيلات الطبية للمرضى الذين لا يرجى برؤهم حسب رأي الاطباء ، ومنها الإنعاش القلبي والرئوي لمريض قد يكون جذع دماغه مات أو مرضى السرطان أو الوليد الخديج أو الحامل أو الجنين المصابين بمرض لا يرجى برؤه، فهل يوقف علاجهم حتى يأتي أمر الله تعالى؟ و في ذلك من حرج وتكاليف باهظة وإهدار حقوق المرضى الآخرين المحتاجين لسريع العلاج.

إنّ هذه المسألة من المسائل الطبية الفقهية المعاصرة التي ما زالت موضع اهتمام الباحثين و مثار الجدل بين فقهاء الأمصار والأقطار، ومن الأمور المستجدة التي تحتاج إلى بيان الحكم الشرعي لها.ولا يخفى أن الحفاظ على حرمة الحياة البشرية مقصد شرعي عظيم ويدعو الشرع الكريم إلى صون النفس البشرية إلى أبعد مدى ما يكون بإمكان البشر من خلال الرعاية الطبية والحماية النفسية للمريض، ومن قواعد الطب الأولى أن يبذل الطبيب أعلى درجات الرعاية الطبية للمريض مهما كانت حالته على أمل الشفاء ، وبه يحلف حين أداء اليمين الطبي منذ أزمنة الطبيب اليوناني أبقراط ،فعلى ذلك يبدو من الواجب الأخلاقي لزوم استمرار العلاج بقدر مستطاع لكل ذي قدرة وإمكانية دون حرج إذ الشفاء والمرض والحياة والموت بيد الله تبارك وتعالى، يحكم ما يشاء ويفعل ما يريد، وعلى البشر بذل أقصى جهده لإنقاذ الحياة؛ لأن من أحيا نفسا فقد أحيا الناس جميعا، وقد يحكم الأطباء بقرب موت الإنسان بناء على علمهم وخبرتهم في الطب، ويخبرون عن عدم جدوى العلاج المزيد، وينصحون برفع أجهزة الإنعاش عن المريض، ونقله من المستشفى، الأمر الذي يجعل الحليم حيران لعدة أسباب، منها:

١. وقوع أهل المريض فى الحرج وهم يأملون شفاء ذويهم أو استمرار العلاج حتى يأتي قدرالله تعالى.
٢. التكاليف الباهظة في المستشفيات الخاصة بالذات والتي قد تؤدي أهل المريض إلى الإستدانة الهائلة.
٣. إحتياج إدارة المستشفى إلى تخلية المكان للمرضى الجدد اللذين قد يكونون أحوج إلى العلاج السريع لإنقاذ حياتهم بتعويض الفشل العارض فى بعض الأعضاء، أو إرجاع النشاط الزائل إليها، أودفع المضرة اللاحقة أو تزويد الجسد بالمساعدات الطبية المؤقتة العاجلة لإعادة نظامه إلى مساره المعتاد.

لقد دعت هذه الأوضاع المختصين في الطب والشريعة لإدلاء الإهتمام بالمسألة والخوض فيها بالجدية للخروج بقرارات صائبة في مثل هذه المواقف الحرجة، ويبدو من الإطلاع على بعض البحوث والمناقشات حول الموضوع أن معظمها منصبة على حالات المتوفين دماغيا مع أن نسبتها ضئيلة (١٥-١٠%تقريبا) من جميع الحالات التي تقتضي إتخاذ القرار لإيقاف علاج المرضى الذين لا يرجى برؤهم

حسب رأي الأطباء؛ لأن موت الدماغ هو الموت الحقيقي في ضوء الطب الحديث على أنّ علماء الإسلام يرون ضرورة توقف جميع أجهزة الجسد البشري للتحقق من حياته أو موته والحكم عليه بذلك، لأنّ الغيبوبة الدماغية قد تطول مع أنّ الجسم حيّ و قد وجدت بعض الحالات أنّ الناس جهزوا تدفين إنسان فقام من السرير معلنا حياته من جديد.

وقد أجابت هيئة كبار العلماء بالمملكة السعودية على سؤال وزارة الصحة عن نزع أجهزة الإنعاش عن المريض الذي لا يرجى برؤه بما يلي:

"لا يجوز شرعا عَد الإنسان ميتا إلا إذا توقفت جميع أجهزته عن العمل بما في ذلك القلب والرئتان والدماغ، وقرر الأطباء المسلمون العدول أن هذا التوقف نهائي لا رجعة فيه، أما إذا توقف أحد أجهزة البدن أو بعضها وبقي البعض الآخر يعمل سواء أكان التوقف هو جذع الدماغ أو غيره، فإن الإنسان يُعد معه حيا، وربما جاز عده محتضرا، ولا يمكن أن يعد ميتا، ما دام فيه عضو يعمل، وعليه فلا يجوز أخذ شيء من أعضاء الإنسان الذي توقف دماغه عن العمل، ولم تتوقف جميع أجهزته الأخرى كالقلب والرئتين، إلا ما يجوز أخذه من الإنسان الحي بشروطه، والله أعلم ".[١]

و يظهر من هذه الفتوى أنّها ركزت على تحديد حالة الموت والحياة للجسد ومنع التصرف فيه حتّى التحقق من موته أو حياته ولم تتعرض إيقاف العلاج من عدمه للمريض الميئوس من برئه.

و أصدر مجمع الفقه الاسلامي المنبثق من منظمة المؤتمر الاسلامي قرارا حول هذا الموضوع في دورته المنعقدة بعمان–الأردن– سنة ١٩٨٦م بما يلي:"يعتبر الشخص ميتا وتترتب عليه جميع الأحكام المقررة شرعا للوفاة إذا تبينت فيه إحدى العلامتين التاليتين:

١. إذا توقف قلبه وتنفسه توقفا تاما وحكم الأطباء أن هذا التوقف لا رجعة عنه.
٢. إذا تعطلت جميع وظائف دماغه تعطلا نهائيا وحَكَم الأطباء الإختصاصيون الخبراء بأن هذا التعطل لا رجعة فيه وأخذ دماغه في التحلل. وفي هذه الحالة يجوز رفع أجهزة الإنعاش المركبة على الشخص وإن كان بعض الأعضاء لا يزال يعمل آليا بفعل الأجهزة المركبة."[٢]

قد اعتبر هذا القرار الإنسان ميتا بوجود إحدى العلامتين المذكورين والحقيقة أنّ الموت اسم لمفارقة الروح الجسد تماما ومازال موضوع إيقاف العلاج يحتاج إلى النظر ، و صدر قرار جامع من المجمع الفقهي

---

(١) فتوى اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والإفتاء بالمملكة العربية السعودية، المنشورة آليابرقم ٦٦١٩، ١٩٨٣م

(٢) قرار مجمع الفقه الإسلامي التابع لمنظمة المؤتمر الإسلامي،دورة عمان ١٩٨٦م،قرارات المجمع، ط.دارالقلم، دمشق،١٩٩٨ص:٣٦

برابطة العالم الإسلامي في دورته العاشرة بمكة المكرمة بهذا الصدد حيث جاء فيه:

"المريض الذي ركبت على جسمه أجهزة الإنعاش يجوز رفعها إذا تعطلت جميع وظائف دماغه تعطلا نهائيا، وقررت لجنة من ثلاثة أطباء إختصاصيين خبراء أن التعطل لا رجعة فيه وإن كان القلب والتنفس لا يزالان يعملان آليا بفعل الأجهزة المركبة، لكن لا يحكم بموته شرعا إلا إذا توقف التنفس والقلب توقفا تاما بعد رفع هذه الأجهزة".[(١)]

وحدة الأمّة:

ومن المعلوم أن الأجهزة الإسعافية تقوم بمساندة الأعضاء لا تشغيلها من عدمه ولا يعني رفع أجهزة الإنعاش فقط إيقافا للعلاج مطلقا كما يبدو في ظاهر الأمر، بل هناك حالات عديدة أخرى تدخل في موضوع إيقاف العلاج لمن لا يرجى برؤه كما يلي:

١. موت جذع الدماغ
٢. الوليد الخديج الذي ولد قبل إكمال ستة أشهر
٣. الحامل والجنين(الذي أكمل١٢٠ يوما) المصابان بمرض لا يرجى برؤهما منه
٤. الجنون الدائم
٥. مرض الموت (كالسرطان المنتشر في الجسد أو سرطان الدم أو مريض الايدز...الخ)
٦. المحكوم بالإعدام الذي ابتلي بمرض لا يرجى برؤه منه

ويمكننا تقسيم الموضوع الذي نحن بصدده إلى التالي:

١. علاج من لايرجى برؤه من مرض عضال
٢. إنعاش من لا يرجى برؤه
٣. قتل الرحمة أو الإنتحار
٤. الرعاية الطبية من أخلاقيات مهنة الطب
٥. تمنى الموت ممن لا يرجى برؤه (أو ما يسمى بالحق في الموت)
٦. العقم الذي لا يرجى برؤه
٧. الإستدانة لعلاج من لا يرجى برؤه

أولا: علاج من لا يرجى برؤه:

إن شرع الإسلام أرشدنا إلى احترام البشر ومؤانسته ورعايته إذا مرض بكل ما نستطيع ونملك ، فقد ذكر الفقهاء الكرام وجوب التداوى إذا تيقن دفعه للهلاك، ووجوب عصب الفصد والجرح اليسير

---

(١) قرار المجمع الفقهي برابطة العالم الإسلامي المنشور آليا برقم:٢، الدورة العاشرة، مكة المكرمة ١٩٨٧م

ووجوب حسم يد السارق بعد القطع في رأي الجمهور إلا الشافعية لعدم وجوب التداوى أصلا، وذكروا أيضا وجوب قطع الطرف إذا خيف سريان المرض إلى بقية الجسد، وجواز إلقاء النفس من السفينة المحترقة خروجا من الموت المحقق إلى الموت المحقق،وذلك للحفاظ على النفس البشرية وهو أحد المقاصد الشرعية المعروفة.

ويتبين من النظائر المذكورة أن محاولة حفظ النفس واجبة إلى أقصى الغايات ومن أخلاق ديننا الحنيف إحترام المحتضرين على وجه الخصوص، فالطبيب المسلم يبذل جهده الجهيد لإنقاذ نفس الإنسان، وإذا عجز عن علاجه أعلن ذلك لمصلحة المريض وأهله ومجتمعه ومن هنا ينبغي لكل هؤلاء احترام رأي الطبيب إذ أنه مؤتمن في عمله ومشورته، فإذا قرر طبيبان أو أكثر إيقاف علاج المريض فهو الرأي، ونحن نقبل شهادة اثنين عدلين في جلّ المعاملات حتى قي عقوبة القتل والسرقة وبقية الشهادات في المعاملات المالية والجنائية وغير ذلك.

ونستدل على ما قلنا بما يلي:

أ: ما حدث بعد غزوة أحد من علاج الجرحى، فمنهم من كان يعالج في المسجد النبوي الشريف تحت رعاية اللجنة الطبية الرسمية ولما كان من نزيف بعض الصحابة لا يتوقف أمره النبي ﷺ ليعالج في أهله للحصول على الرعاية الخاصة له وسيأتي تفصيله بعد قليل.

ب: إن التكاليف الباهظة لعلاج العناية المركزة بالمستشفيات قد تؤدي الأهل إلى الإستدانة التي يمكن أن تصل إلى الملايين وهذا ما لا يقرره الشرع بحال ، بل يؤمر المرء بالإنفاق حسب قدرته المالية، وقال تعالى: ﴿لِيُنفِقْ ذُو سَعَةٍ مِّن سَعَتِهِ وَمَن قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهُ فَلْيُنفِقْ مِمَّا آتَاهُ اللَّهُ﴾ (١).

ج: إن المستشفيات أماكن العلاج الطارئ المؤقت، وإذا طالت مدة علاج أحد المرضى فالبيت له أفضل لما كان فيه من عناية الأهل والأولاد والأقارب، ورعايتهم وحنانهم حاصلة للمريض لرفع معنويته، أما إذا أعلن الأطباء عدم جدوى العلاج في المستشفى فينبغي أن ينقل المريض إلى البيت ليستمر علاجه فيه ما أمكن، ولتترك أماكن المستشفى فارغة للمرضى الجدد الذين قد يحتاجون إلى علاج سريع.وقد قال النبي ﷺ لسعد بن معاذ حين عودته من غزوة أحد:

((خل يا أبا عمرو الدابة فخلى سعد الفرس فتبعه الناس، فقال: أبا عمرو! إن الجراح في أهل دارك فاشية وليس منهم مجروح إلا يأتي يوم القيامة جرحه كأغزر ما كان، اللون لون الدم والريح ريح المسك، فمن كان مجروحا فليقر في داره، وليداو جرحه ولا يبلغ معي بيتي عزيمة مني، فنادى فيهم سعد:

---

(١) سورةالطلاق،الآية:٧

عزيمة من رسول الله ﷺ ألا يتبع رسول الله ﷺ جريح من بني عبد الأشهل فتخلف كل مجروح فباتوا يوقدون النيران و يداوون الجرحى)).[(١)]

فلايصح إصرار أهل المريض إبقاءه في المستشفى لمدة قد تطول إلى شهور وسنين ولو كانوا يصرفون الأموال الطائلة بلا جدوى وقد منع الله تعالى من الإسراف والتبذير وحذر الناس بقوله جل شأنه: ﴿إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُواْ إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِرَبِّهِ كَفُورًا﴾ [(٢)].

د: إن الإنعاش القلبي والرئوي بالأجهزة الأتوماتيكية قد يؤدي إلى كسر أضلاع المريض من شدة حركتها بينما دماغه لا يستجيب لتحريك أعضائه الرئيسية طبيعيا ولو حصل ذلك فذاك ظلم على من لا يقدر على دفعه ولا بيانه لأحد وهو أحوج إلى الدعم الطبي والنفسي والأخلاقي في هذا الحال.

هـ: للمريض أن يقبل تناول الدواء أو ليرفض كما صدر من النبي ﷺ في مرض الموت إذ قال بعض من حوله كما ورد في الحديث الصحيح عن أم المؤمنين عائشة رضي الله عنها قالت: ((**لَدَدْناهُ في مرضِهِ فجعلَ يشيرُ إلينا أنْ لا تَلُدُّوني . فقلنا : كراهية المريض للدَّواء . فلما أفاقَ قال : ألم أنْهَكُمْ أنْ تَلُدُّوني . قلنا : كراهية المريض للدواء . فقال : لا يبقى أحدٌ في البيتِ إلا لُدَّ . وأنا أنظرُ إلى العباسِ فإنه لم يشهدكم)).**[(٣)]

فقد زعموا أن نهيه عن لدِّه –وهو جعل الدواء في فم المريض بغير رضاه – كان كما يكره المريض أخذ الدواء ، وقال الحافظ ابن حجر العسقلاني رحمه الله :

" وإنما أنكر التداوي؛ لأنه كان غير ملائم لدائه؛ لأنهم ظنوا أن به ذات الجنب فداووه بما يلائمها، ولم يكن به ذلك كما هو ظاهر في سياق الخبر كما ترى ، والله أعلم"[(٤)]

والشاهد فيه أنّ المريض أو وليّه مختار في أخذ الدواء أو الامتناع عنه، وكذلك من تولّى أمر علاجه من الأطباء.

ثانيا: حكم إيقاف الإنعاش الطبي:

إذا وصل المريض إلى وحدة العناية المركزة من شدة المرض جعلوا له أجهزة الإنعاش الرؤي

---

(١) الامام الصالحي الشامي، سبل الهدى والرشاد، ط.المجلس الأعلى للشئون الإسلامية، مصر، ١٩٩٥، ص:٣٣٥/٤

(٢) سورةالإسراء،الآية:٢٧

(٣) البخاري ،مُحَمَّد بن اسماعيل ، صحيح البخاري ، باب مرض النبي ووفاته، ح: ٤٤٥٨، دار ابن الكثير، دمشق، بيروت، سنة النشر: ١٤١٤هـ / ١٩٩٣م، ص: ١٦١٩

(٤) ابن حجر العسقلاني،فتح الباري شرح صحيح البخاري،دار الكتب العلمية،بيروت، ١٩٨٥، ٤٩٦/٨

والقلبي نظرا لخطورة الحالة، وقد يجدي هذا الإنعاش في إنقاذ حياة الإنسان وقد لا يجدي إذا تفاقم الأمر، وعجز الأطباء عن فعل أي سعي مزيد، وقد يموت جذع الدماغ نهائيا مع أن التنفس جار والقلب يتحرك بفضل أجهزة الإنعاش، وفي هذه الحالة يقرر الأطباء إيقاف الإنعاش والعلاج الطبي للمريض لظهور عدم جدواهما، والأمر في الحقيقة متروك للجنة الطبية المتكاملة التي تقرر هذا الإجراء وهم أهل الإختصاص وقرارهم مقبول شرعا كبقية الأحكام الإجتهادية حسب الإختصاص، ولا مانع من تنفيذ هذا القرار وقد كان رسول الله ﷺ وكّل أمر تأبير النخل إلى الصحابة الكرام قائلا: "أنتم أعلم بأمور دنياكم كما جاء في حديث رافع بن خديج(١).

مشيرا إلى احترام الإختصاصات المختلفة وتشجيعا لأهل المهنة والحرفة ولنا فيه أسوة حسنة.

ثالثا: حكم قتل الرحمة:

شاعت في الغرب ظاهرة قتل المريض المستعصى المرض إشفاقا عليه ورحمة ليموت مرتاحا، وسنت له السنن، وشرعت له الشرائع، وأقيمت له الجمعيات التعاونية، وقد برأت المحاكم في البلاد الغربية المختلفة من إتهام القتل من قاموا بقتل ذويهم في حالة المرض الذي لا يرجى برؤهم منه، وجرى ذلك في بداية القرن الماضي، وقام المشرع الغربي الآن بوضع القوانين التي تسمح بإختيار طريقة الموت لكل الناس، وتكتب وتوثق الوصية من أجل ذلك، وظهر بتتبع الحالات المذكورة أن هذا الفعل من أساليب القتل وهو نوعان: الإيجابي الإختياري والسلبي اللا إختياري.

أما الأول: فيتم بإعطاء المريض جرعة قوية من الدواء المنوم أو غيره كالمورفين بناء على طلبه أو طلب أهله فيموت في راحة، والثاني: الأمر بإيقاف أجهزة الإنعاش والعلاج من المريض الذي لا يرجى برؤه، ولا يحل قتل النفس ألبتة بإعطاء المريض جرعة قاتلة مهما كانت حالته بل تهدّؤ روعته وتصبر مهجته؛ لأن القتل محرم لقوله تعالى: ﴿**وَلاَ تُلْقُواْ بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ**﴾ (٢) وقوله تعالى: ﴿**وَلاَ تَقْتُلُواْ أَنفُسَكُمْ إِنَّ اللّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا**﴾ (٣)

(١) قال قدم رسول الله ﷺ المدينة، وهم يأبرون النخل، ((فقال : ما تصنعون ؟ قالوا : كنا نصنعه . قال : لعلكم لو لم تفعلوا كان خيرا ، فتركوه ، فنفضت ، فذكروا ذلك له ، فقال : إنما أنا بشر ، إذا أمرتكم بشيء من دينكم فخذوا به ، وإذا أمرتكم بشيء من رأيي فإنما أنا بشر وفي رواية أنس : أنتم أعلم بأمر دنياكم.)) مسلم،صحيح مسلم،كتاب الفضائل ، داراحياء الكتب العربية ،رقم الحديث (٢٣٦٢)

(٢) سورة البقرة،الآية:١٩٥

(٣) سورة النساء،الآية:٢٩

ونهى النبي ﷺ عن قتل الإنسان نفسه وتوعد المرتكب بوعيد شديد كما روي عن أبي هريرة رضي الله عنه عن النبي ﷺ قال:

((من تردى من جبل فقتل نفسه فهو في نار جهنم يتردى فيه خالدا مخلدا فيها أبدا ومن تحسى سما فقتل نفسه فسمه في يده يتحساه في نار جهنم خالدا مخلدا فيها أبدا ومن قتل نفسه بحديدة فحديدته في يده يجأ بها في بطنه في نار جهنم خالدا مخلدا فيها أبدا))[١].

فالإنتحار محرم بكل الأشكال ومن أعان على ذلك كان شريكا في المعصية لقول النبي ﷺ

((مَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً فَلَهُ أَجْرُهَا وَأَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا بَعْدَهُ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَنْقُصَ مِنْ أُجُورِهِمْ شَيْءٌ وَمَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةً سَيِّئَةً كَانَ عَلَيْهِ وِزْرُهَا وَوِزْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ بَعْدِهِ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَنْقُصَ مِنْ أَوْزَارِهِمْ شَيْءٌ)).[٢]

ويرى شيخ الأزهر الراحل جاد الحق علي جاد الحق – رحمه الله – أنّه لا يجوز قتل المريض الميئوس من برئه بأيّ حال من الأحوال؛ لأنّ نفسه مصونة شرعا.[٣]

وقال خلفه شيخ الأزهر الدكتور مُحَّد سيد طنطاوي – رحمه الله – " أنّ قتل المريض الميئوس من شفائه ليس قرارا متاحا من الناحية الشرعية للطبيب أو الأسرة، غير أن الأمر قد يختلف مع حالات الوفاة المخية "وفاة جذع المخ" حيث يجوز للطبيب في هذه الحالة – فقط – وقف الأجهزة الطبية عن المريض ليتوقف قلبه إذا تأكد أن عودته للحياة مستحيلة."[٤]

وحرّمت لجنة فتوى الأزهر الشريف قتل المريض بدعوى الرحمة والشفقة فقالت "إنّ الآجال محددة بعلم الله سبحانه ولا يدري أحد ولا يستطيع تحديد متى يموت وقد قال تعالى: ﴿ **وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ**﴾"[٥].

١. و قالوا في تأويل ﴿ **إِنَّ اللَّهَ عِندَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ** ﴾، عن مجاهد قال : جاء رجل قال: أبو جعفر أحسبه أنا ، قال : إلى النبي ﷺ فقال: إن امرأتي حبلى ، فأخبرني ماذا تلد ؟ وبلادنا محل جدبة

---

(١) صحيح البخاري ، باب شرب السم والدواء به وبما يخاف منه والخبيث، رقم الحديث: (٥٧٧٨)

(٢) صحيح مسلم ،كتاب الزكوة باب الحث على الصدقة ولو بشق تمرة، رقم الحديث (١٠١٧)

(٣) الشيخ جاد الحق علي جاد الحق (ت:١٩٩٨ مصر)، بحوث و فتاوى اسلامية في قضايا معاصرة،٣٧/٣،ط.دارالحديث بالقاهرة،٢٠٠٥

(٤) أعمال المؤتمر السنوي الثالث والعشرين لكلية طب عين شمس بالقاهرة ٢١ – ٢٤ شباط ٢٠٠٠

(٥) سورة لقمان،الآية:٣٤

، فأخبرني متى ينزل الغيث ؟ وقد علمت متى ولدت ، فأخبرني متى أموت ، فأنزل الله : ﴿ **إِنَّ اللَّهَ عِندَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ** ﴾ إلى آخر السورة ، قال : فكان مجاهد يقول : هن مفاتح الغيب التي قال الله: ﴿ **وَعِندَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لاَ يَعْلَمُهَا إِلاَّ هُوَ** ﴾ .(١)

وأما النوع الثاني من هذا الفعل، وهو إيقاف العلاج عن المريض، أو الإمتناع عنه ابتداء فلا يعتبر قتلا لتقرير الأطباء الأمناء بعدم جدوى العلاج، وهذا الأمر متروك لدين القائمين بهذا العمل، وأهل المريض بأن يقوموا بخدمة المريض بأقصى قدر ممكن وأن لا يهملوا رعايته حتى يقضي الله أمر كان مفعولا. وقد أجمع علماء مجمع الفقه على رفع أجهزة الإنعاش ممن مات دماغه موتا طبيعيا دون رجعة حسب المعايير العلمية، وقد سبق قراره.(٢)

ولكن التحقق من الموت أمر واجب، وقد جرى عليه الناس منذ قرون، ولا أحد يعلم مقادير الواحد الأحد الفرد الصمد، فكم من مريض على شفا حفرة الموت رجع سالما وكم من صحيح سليم لقى الله عز وجل وهو لايحتسب.

وانتهى المجلس الأوروبي للإفتاء والبحوث إلى تحريم قتل الرحمة ، وجاءت قراراته كما يلي(٣):

وبعد أن اطلع المجلس على المواقف القانونية المختلفة التي تتخذها الدول الغربية من القتل الرحيم بصورة متباينة ما بين مؤيد ومعارض، قرر المجلس ما يلي:

١. تحريم قتل الرحمة الفعال المباشر وغير المباشر وتحريم الانتحار والمساعدة عليه ذلك أن قتل المريض الميئوس من شفائه ليس قرارا متاحا من الناحية الشرعية للطبيب ولأسرة المريض أو المريض نفسه وللمسألة تأصيل.

٢. يحرم على المريض قتل نفسه ويحرم على غيره أن يقتله حتى لو أذن له في قتله، فالأول انتحار والثاني عدوان على الغير بالقتل وإذنه لا يحل الحرام ولذلك تأصيل شرعي.

٣. لا يجوز قتل المريض الذي يخشى انتقال مرضه إلى غيره بالعدوى، حتى لو كان ميئوساً من شفائه (كمرض الايدز مثلا) كذلك لها تأصيل.

٣ . وبالنسبة لتيسير الموت بإيقاف أجهزة الإنعاش الصناعي عن المريض الذي يعتبر في نظر الطبيب «ميتا» أو «في حكم الميت» وذلك لتلف جذع الدماغ أو المخ الذي به يحيى الإنسان ويحس ويشعر وإذا كان عمل الطبيب بمجرد إيقاف أجهزة العلاج فلا يخرج عن كونه تركا للتداوي فهو

---

(١) سورة الأنعام،الآية:٥٩، الطبري، مُحَمَّد بن جرير ،الامام، تفسير الطبرى، دارالمعارف، مصر ،١٦٠/٢٠

(٢) أنظر قرار مجمع الفقه في صفحة ١٣٩ من هذا المقال

(٣) أعمال الدورة الحادية عشرة المنعقدة في العاصمة السويدية استوكهولم في ١-٧ يوليو ٢٠٠٣م

أمر مشروع ولا حرج فيه وبخاصة إن هذه الأجهزة تبقي عليه هذه الحياة الظاهرية المتمثلة في التنفس والدورة الدموية . وإن كان المريض ميتا بالفعل فهو لا يعي ولا يحس ولا يشعر نظرا لتلف مصدر ذلك كله وهو المخ. وبقاء المريض على هذه الحالة يتكلف نفقات كثيرة دون طائل ويحجز أجهزة قد يحتاج إليها غيره مما يجدي معه العلاج، والله أعلم.

ولا تقبل الكنيسة أيضا فكرة القتل الرحيم حيث قال البابا يوحنا بولس الثاني في تعريف هذا القتل: "كل عمل أو كل إهمال يؤدي إلى الموت بذاته أو بالنية بهدف إلغاء كل ألم"(١).

وقال : "حتى وإن لم يكن السبب هو الرفض الأناني لتحمّل أعباء حياة المريض المتألّم، يجب القول في القتل الرحيم إنه ضرب من "الشفقة الزائفة"، لا بل إنه "انحراف" مقلق لمعنى الشفقة، "فالرحمة" الحقيقية تقوم على التضامن مع عذاب الغير، ولكنها لا تميت من لا نقوى على تحمل عذابه. ويمسي اللجوء إلى القتل الرحيم أشد خطورة عندما يمارسه آخرون في حق إنسانٍ لم يطلب منهم ذلك البتّة، ولم يوافق قط عليه. وأمّا ذروة التحكّم والظلم ففي ما يدَّعيه البعض، من أطباء ومشترعين، من سلطة التقرير في من يجب أن يعيش ومن يجب أن يموت ، ولا تبرر "حرية اختيار" المريض القتلَ الرحيم. ولرفض هذا الحقّ تعتمد الكنيسة على قيمة الحياة البشرية المقدسة والتي لا يمكن التلاعب بها".(٢)

رابعا: حكم الرعاية الطبية:

إن من أخلاقيات الإسلام الرحمة والشفقة مع كل الخلق وخاصة إذا ابتلى بمحنة ما فيحتاج إلى رعاية الآخرين أكثر، وقد أمر الله تعالى بالمعاملة اللينة الحسنة مع كل خلقه سبحانه وسماه عيال الله(٣) وأرشد النبي الكريم ﷺ إلى حسن المعاملة بعمله الشريف مع كل الناس ومع المرضى خاصة؛ لأنهم يحتاجون إلى المؤاساة والشفقة والرعاية أكثر فجاء في الحديث أن النبي ﷺ قال:

((مَنْ نَفَّسَ عَنْ مُؤْمِنٍ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ الدُّنْيَا نَفَّسَ اللَّهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ)) (٤).

ولا شك أن المريض يحتاج إلى الدعم النفسي إلى جانب الرعاية الطبية وقد أمرنا الرسول ﷺ بأن ندخل على المريض لعيادته ونحاول تخفيف معاناته بحسن الكلام والتشجيع والتصبير ورفع معنويته

---

(١) إنجيل الحياة، عدد ٥٢

(٢) المرجع السابق، عدد ٦٦

(٣) البيهقي ، شعب الإيمان، مكتبة الرشد للنشر والتوزيع بالرياض بالتعاون مع الدار السلفية ببومباي بالهند، الطبعة: الأولى، ١٤٢٣ هـ برقم: ٧٤٤٨

(٤) صحيح مسلم ،كتاب الذكر والدعاء والتوبة والاستغفار، باب فضل الاجتماع على تلاوة القرآن وعلى الذكر عن أبي هريرة برقم: ٣٦٩٢

فقال : ((**إذا دخلتم على المريض فنفسوا له في أجله فإن ذلك لا يرد شيئا ويطيب نفسه**)) [١].

فما أعظم هذه النصيحة للناس عموما وللطبيب خاصة؛ لأنه أكثر دخولا على المريض من غيره فليسمع إلى شكواه جيدا لينفس عن كربته بطيب الكلام وأمل الشفاء العاجل....إلخ. وخاصة إذا لم يرج برؤ المريض، ولا يؤيسه الطبيب والممرض من رحمة الله تعالى بل يمنيه الشفاء بإذن الله تعالى، ويلطف له مصيبته، ويهون عليه كربته، وهذا ما تعلّمهم كليات الطب حين أداء اليمين الطبي حيث جاء فيه:

" أقَسِمُ باللهِ العَظِيمْ ... أن أراقبَ الله في مِهنَتِي وأن أصُونَ حياة الإنسان في كافّةِ أدوَارهَا، في كل الظروف والأحَوال بَاذِلاً وسْعِي في استنقاذها مِن الهَلاكِ والمرَضِ والألَمَ والقَلق . وأن أَحفَظ لِلنّاسِ كَرَامَتهُم، وأسْتر عَوْرَتَهُم ، وأكتمَ سِرَّهُمْ ، وأن أكونَ عَلى الدوَام من وسائِل رحمة الله ، باذلا رِعَايَتي الطبية للقريب والبعيد ، للصالح والخاطئ ، والصديق والعدو ، وأن أثابر على طلب العلم ، أُسَخِره لنفعِ الإنسَان...لا لأذاه. وأن أُوَقّرَ مَن عَلَّمَني ، وأُعَلّمَ مَن يَصْغرَني ، وأكون أخاً لِكُلِّ زَميلٍ في المِهنَةِ الطُبّيّة مُتعَاونِينَ عَلى البرِّ والتقوى. وأن تكون حياتي مِصْدَاق إيمَاني في سِرّي وَعَلانيَتي ، نَقيّةً مِمّا يُشينهَا تجَاهَ الله وَرَسُولِهِ وَالمؤمِنين . والله على ما أقول شهيد". [٢]

خامسا: تمنّى الموت ممن لا يرجى برؤه أو مسألة الحق في الموت:

قد يئس المريض من حياته، ويلحق به الوساوس ويرى نفسه عبئا على غيره كما يراه الآخرون كذلك، فيتمنى الموت ويتمنون له كذلك، لكن الشرع الإسلامي المتين يرشده إلى الصبر وعدم الضجر والملال، بل الإعتماد والثقة واليقين بالله ذي الجلال حتى يصل إلى شاطئ الأمان في كلتي الحالتين: إما الشفاء وإما اللحوق بالرفيق الأعلى، وقد قال الله تبارك وتعالى: ﴿ **وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الأَمَوَالِ وَالأنفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ**﴾ [٣].

وقال رسول الله ﷺ :

((عجبا لأمر المؤمن إن أمره كله له خير، إن أصابته ضراء فصبر فهو خير له وإن أصابته السراء فشكر فهو خير له)) [٤].

---

(١) جامع الترمذي، أبواب الطب،بابٌ عن أبي سعيد الخدري برقم: ٢٠١٣

(٢) أعمال المؤتمر العالمي الأول عن الطب الإسلامي، وزارة الصحة، الكويت، ١٩٨١م

(٣) سورة البقرة،الآية: ١٥٥

(٤) صحيح مسلم، كتاب الزهد والرقاق،باب المومن أمره كله خير، رقم الحديث: ٢٩٩٩

و جاء إرشاد المرضى الذين قد يئسون من حياتهم ويتمنّون الموت بأنه لا يجوز لهم ذلك عملا بقول الله تعالى: ﴿**وَلاَ تَيْأَسُواْ مِن رَّوْحِ اللهِ إِنَّهُ لاَ يَيْأَسُ مِن رَّوْحِ اللهِ إِلاَّ الْقَوْمُ الْكَافِرُونَ**﴾.[١]

وفي الحديث النبوي الشريف:

((لا يتمنين أحدكم الموت من ضرّ أصابه، فإن كان لابد فاعلا فليقل: اللهمّ أحيني ما كانت الحياة خيرا لي وتوفني إذا كانت الوفاة خيرا لي))[٢].

والصبر مطلوب في مثل هذه الحالات والأجر مقصود ومشهود وأكد عليه النبي ﷺ بقوله:

((ما من مصيبة تصيب المسلم إلا كفّر الله بها عنه حتى الشوكة يشاكها)) [٣].

أما الحق في الموت كما جاء في الفكر الغربي بأن يكتب الإنسان وصيته كيف يموت في حالة المرض المستعصي العضال، فهل يوضع على الجهاز التنفسي والإنعاش القلبي إلى آخر اللحظة أو يترك ليموت طبيعيا مع إعطاء بعض المسكنات غيرالضارة، والحقيقة أن هذا الأمر من اختصاص الأطباء إذا رأوا نزع أجهزة الإنعاش من المريض وتركه بدون علاج اصطناعي لما علموا من موت جذع الدماغ أو غير ذلك فالقول قولهم ، والأمانة مع المهارة والرحمة مرجوة مطلوبة في اتخاذ مثل هذا القرار مع مراعاة مصلحة المريض وأهله والمجتمع.

قد نبعت هذه الفكرة من تصورهم هل الإنسان يملك نفسه أو لا يملك؟ فهم يعتبرون الإنسان مالكا لنفسه يفعل به كيف يشاء؟ فله الحق في الحياة والموت كما يشاء، ولكن الشرع الإسلامي الحنيف أخبرنا بأن الجسد ملك لله تعالى ككل شيئ في الكون فلا يجوز للإنسان أن يتصرف فيه خارج حدود الله تعالى، بل يفعل ما يؤمر به وينتهي مما ينهى عنه. وقد ورد قوله ﷺ في قزمان الذي أبلى يوم أحد بلاء شديدا ، فلما اشتدت به الجراح نحر نفسه ، فقال: ﷺ **((هو من أهل النار))** [٤] أي ليس له أن يتصرف في نفسه كهذا، بل يصبر ويحتسب ويترك أمره لله تعالى في تقرير مصيره فلا يقول إلا ما يرضى الله.

سادسا: حكم العقم الدائم وإيقاف علاجه:

قد يصبح العقم مرضا دائما ولا يصلح الزوجان لإنجاب الأولاد لكن تمنى الحصول على الذرية

---

(١) سورة يوسف،الآية:٨٧

(٢) صحيح البخاري،كتاب المرضى،باب تمني المريض الموت برقم (٥٦٧١) ،٧/ ١٢١،و صحيح مسلم،كتاب الذكر والدعاء والتوبة والاستغفار، باب كراهة تمني الموت لضر نزل به برقم: (٢٦٨٠)

(٣) صحيح البخاري،كتاب المرضى، باب ما جاء في كفارة المرض برقم: (٥٦٤٠)

(٤) ابن قيم الجوزية ،شمس الدين ابى عبدالله ، زاد المعاد في هدي خير العباد، فصل في غزوة أحد، فصل فيما اشتملت عليه هذه الغزوة من الأحكام والفقه،مؤسسة الرسالة، ١٤١٨هـ ، ص: ١٩٠

لا يزال قائما، فإلى ما يصير الأمر؟ هل يختارون التسليم والرضا لله رب العالمين وهو خالق كل شيئ؟ نعم هو الأفضل. وقد ذكرت مسألة الذرية في قوله تعالى:﴿ **لِلَّهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ يَخْلُقُ مَا يَشَاء يَهَبُ لِمَنْ يَشَاء إِنَاثًا وَيَهَبُ لِمَن يَشَاء الذُّكُورَ. أَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَإِنَاثًا وَيَجْعَلُ مَن يَشَاء عَقِيمًا إِنَّهُ عَلِيمٌ قَدِيرٌ**﴾ [(١)]. أم يحاولون الحصول على الأولاد بطرق غير عادية؟

وقد ذكر العلماء والفقهاء الكرام بعد بحث مستفيض أن طرق الإنجاب الصناعية (طفل الأنبوبة) سبعة، علما بأن خمسا منها لا تحل للزوجين المسلمين واثنتان منها جائزتان هما:

١: أن تؤخذ نطفة من زوج وبيضة من زوجة ويتم التلقيح خارجيا ثمّ تزرع اللقيحة في رحم الزوجة.

٢: أن تؤخذ بذرة الزوج وتحقن في الموضع المناسب من مهبل زوجته أو رحمها تلقيحا داخليا.[(٢)]

والأمر متروك لدين الزوجين أن يختارا ما يحل لهما من الأسلوبين الاثنين المذكورين فقط للحصول على طفل الأنبوبة إرضاء لرغبتهم في الأولاد. أما التعقيم الدائم بإيقاف صلاحية الإنجاب فلا يجوز شرعا وللإيقاف المؤقت للإنجاب ضوابط شرعية جاءت في فتوى مجمع الفقه الإسلامي الدولي في دورته الخامسة التي عقدت في الكويت عام ١٤٠٩هـ ، وجاء فيها:

١- لا يجوز إصدار قانون عام يحدُّ من حرية الزوجين في الإنجاب

٢- يَحْرُمُ على الرجل والمرأة استئصالُ القدرةِ على الإنجاب، وهو ما يعرف بالإعقام أو التعقيم، ما لم تَدْعُ إلى ذلك الضَّرورةُ بمعاييرها الشرعية ويجوز التحكم المؤقَّت بالإنجاب ، بقصد المباعدة بين فترات الحمل ، أو إيقافه لمدة محدودة من الزمان إذا دعت إليه حاجةٌ معتبرةٌ شرعاً بحسب تقدير الزوجين عن تشاورٍ بينهما وتراضٍ ، بشرط أن لا يترتب على ذلك ضرر ، وأن تكون الوسيلة مشروعة ، وأن لا يكون فيها عدوان على حمل قائم.[(٣)] ولا يعتبر العقم ولا إيقاف علاجه عيبا في استمرار عقد النكاح على ما ذكره العلماء[(٤)]،أما العقم الجنائي فيلزم به الدية الكاملة على الجاني لإنقطاع النسل.

---

(١) سورة الشورى،الآية: ٤٩-٥٠

(٢) قرار مجمع الفقه الإسلامي الدولي في دورة مؤتمره الثالث بعمان الاردن في ٨-١٣صفر ١٤٠٧هـ قرارات المجمع،ص:٣٥

(٣) قرار مجمع الفقه الإسلامي الدولي في دورة مؤتمره الخامس بالكويت في ١-٦ جمادى الأولى ١٤٠٩ هـ ، مجلة مجمع الفقه الإسلامي، ٧٤٨/١

(٤) زاد المعاد، ١٨٢/٥

سابعا:حكم الإستدانة لعلاج من لا يرجى برؤه:

تطورت طرق العلاج المختلفة بفضل الله تعالى من خلال التقنيات الحديثة وظهرت علاجات متنوعة لم تكن متوفرة في الزمن الماضي ولم تبق الأمراض بدون علاج إلاّ قليلا،فيبدأ المرء علاجه من القرية إلى المدينة ثمّ إلى المدن الكبرى، وإن لم يحصل الشفاء حاول السفر إلى الخارج بالبلاد المجاورة أو البعيدة ولا يتعب من بحث الشفاء إن عاجلا أو آجلا، وهذا هو الطلب الصادق الذي يقربه من حصول المراد على أن تحمل النفقات الهائلة لايكون في مقدرة كثير من الناس، وفي المستشفيات الخاصة بالذات في بلادنا،فهل يجوز للمريض أو أهله الإستدانة لعلاج مرض لايرجى برؤه منه؟

عن عائشة رضي الله عنها عن النبي ﷺ أنه قال : "إن هذا الدين متين، فأوغلوا فيه برفق ، ولا تبغضوا إلى أنفسكم عبادة الله، فإن المنبت لا أرضا قطع، ولا ظهرا أبقى" [١] هی نصيحة لكلّ أتباع الدين الحنيف و ترشدنا النصوص الواردة في موضوع الإستقراض بأنه يجب أن يكون في نطاق ضيق وفي حدود التحمّل إن لزم الأمر؛ لأنّه همّ بالليل وذلّ بالنهار و﴿**لاَ يُكَلِّفُ اللّهُ نَفْسًا إِلاَّ وُسْعَهَا**﴾ [٢]،فلا يليق بالإنسان السويّ أن تجرفه العواطف إلى ما لا تحمد عواقبه، ولما كان المؤمن يؤذن شرعا بإدخار قوته لمدة سنة كاملة فليكن استقراضه الإضطراري في حدود ما يمكن أداؤه في هذه المدة إذا كان لا بدّ فاعلا، وعلى كلّ حال لايغيب عن الأنظار إنّ الشفاء بيد الله تعالى الذي يعلم السرّ وأخفى، و﴿**لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا مَا آتَاهَا سَيَجْعَلُ اللَّهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُسْرًا**﴾ [٣]

ومن ناحية عملية قمنا بزيارة ميدانية لمستشفى القوات المسلحة بمصانع المعدات الثقيلة بتاكسيلا والتقنيا بنائب رئيس المستشفى السابق الدكتور عامر ودود، وشرح لنا كيفية إيقاف العلاج للمرضى الميئوس من برئهم فقال:نقسم هؤلاء المرضى عموما إلى فئات ثلاث، ونعالج الحالات المطمئنة والتالية لها، وهی ما لولا تمّ علاجهم لماتوا جميعا، ونترك علاج من لا يرجى برؤه بناء على تقرير أستاذين مشاركين أو كبير المسجلين مع أستاذ مشارك وهذا هو المعمول به في المستشفى حسب اللائحة.

فالمراد أنّ طبيبين من الأساتذة الكبار يقرران مصير علاج المرضى الميئوس من برئهم،فإذا كتب الإثنان منهم عدم جدوى العلاج لأحد المرضى يوقف علاجه بأجهزة الإنعاش، وينصح بنقله إلى البيت مع الأدوية اللازمة لتسكين المريض.

---

(١) الشاطبي،ابو اسحاق ابراهيم بن موسیٰ ، الموافقات،دار ابن القيم و دار ابن عفان۔ سنة النشر: ١٤٢٤هـ، ٢٠٠٣م (٢/٢٣٦)

(٢) سورة البقرة،الآية:٢٨٦

(٣) سورة الطلاق،الآية:٧

خلاصة الكلام:

إنّ احترام البشر وإمداده واجب في حالة الصحة والمرض، ولكن إذا ثبت عدم جدوى العلاج المزيد فليكن الصبر والرضا نصب عين الإنسان المؤمن، وقد أمرنا بأن نستعين بالصبر والصلاة في حالة المشكلة سواء كانت في صورة المرض أو غير ذلك، والقول النهائي في موضوع إيقاف العلاج من عدمه هو قول الطبيب التقيّ الأمين.

ونخلص إلى القول بأنّ الحكم الشرعي حول موضوع ايقاف العلاج من المريض الذي لا يرجى برؤه يتمحور في ثلاثة محاور: أولها:الحكم الشرعي للتداوي ، والثاني: الحكم للمريض وأهله ، والثالث: الحكم للطبيب ، ونرجو الله تعالى أن يخرج المجمع الفقهي المؤقر بقرار صائب شامل حول هذا الموضوع الهام، أمّا ما يراه علماؤنا الكرام من الحكم الشرعي للتداوي فهو الإباحة عند جمهور الفقهاء ومنهم الإمام مالك،رحمه الله،(١) و الإستحباب حسبما يراه الشافعية(٢)، ولايصح أن يعتبر التداوي خلاف التوكّل على الله(٣)، بل هو المسير من قدر الله إلى قدر الله تعالى.والحكم الشرعي للمريض وأهله أنّ من حقّ المريض التداوي أو تركه حسبما يراه مناسبا هو وأهله دون إهمال أو حرج.وعلى الطبيب أن يراقب الله تعالى في عملية ايقاف العلاج من المريض الذي لا يرجى برؤه من مرض عضال،فيحاول قدر جهده إنقاذه من المصيبة مراعيا حق الله تعالى وحقّ المريض وحق المرضى الآخرين حتى يتخذ قراره في ايقاف علاج المرض من عدمه على ما يرضى الله عزّوجلّ، فلا يستعجل في الأمر ولا يباطئ بل يسبر غوره جيّدا حتى يتمّ على يديه ما فيه خير للمريض وأهله والمجتمع كلّه، والله وليّ التوفيق.

مشروع القرار حول إيقاف علاج المريض الميئوس من برئه:

أ: يحق للمريض الميئوس من برئه وأهله الإستمرار في العلاج و تركه حسبما يرونه مناسبا دون حرج أو إحراج إذ لا ضرر ولا ضرار.

ب: يجوز للأطبّاء الأمناء إصدار قرار لإيقاف علاج المريض الميئوس من برئه مع مراعاة مصلحة المريض ولأهله والمرضى الآخرين.

ج: أمّا وقف الإنعاش وتحديد وفاة المريض فهو من اختصاص لجنة الأطباء الأساتذة الماهرين، وعلى أهل المريض احترام هذا القرار.والله تعالى اعلم.

❁ ❁ ❁

---

(١) المباركفورى ،مُحَمَّد عبد الرحمن بن عبد الرحيم ، تحفة الأحوذي،ط.مطبعة المدني بالقاهرة،١٩٠/٩

(٢) النووي، المجموع شرح المهذب،ط.المكتبة العالمية بالقاهرة،٩٦/٥

(٣) الغزالي، إحياء علوم الدين، ط.دار الشعب بمصر ،د.ت، ٢٨٣/٣

فقه الدعوة من الحوار النبوي ومدى استفادتها في المعاملات

Dawah reflections in the dialogues of the Holy Prophet (S.W.A) & its impacts in the Social Life

د. طاهرصديق*

ABSTRACT

The article includes scientific material, about preaching lessons of Holy Prophet's (S.W.A) dialogues as Analytic derivative study (selected Ahadith from Bukhari and Muslim) to get to know how to handle The Holy Prophet (S.W.A) in different positions, -an orator, an imam a leader a husband a merchant, a president of state, a father a preacher, a teacher and other positions that appeared in the Ahadith of dialogue.

The dialogues are divided in to two parts,The principles of Islam, and (ebadaat) including worship in all working sections, which are the rights of Allah, like Prayer, Zakat (charity), pilgrimage, Fasting etc.

Relationship between two individuals or a group of public in the community which are very diverse may not be counted as in the field of politics, trade, media family, and all kinds of relationships with others, including Muslims and non-Muslims and fraternal relations and the hostile relations etc.This article includes Preaching lessons of dialogue of Holy Prophet (S.W.A) in the relationship between the two individuals, or a group of public in the community, buying, selling, family factors and so forth of meters .It is proved through research that the prophetic dialogues are full of lessons in the area of preaching, and it is possible to make use of dialogue in the age of information technology and media to do the dialogues with other nations.The article about the preaching lessons has been completed in the light of Quran and Sunnah. It is proved through research that successful second person during dialogue is the one who asks, interviews and discusses to access right reward.

The article concludes that dialogue is perhaps most effective method to ensure interfaith harmony, reduce hatred and misconceptions, and enhance mutual trust and cooperation between the nations and followers of religions

Keywords: *Muslim Nation, Dialogue, Understanding, Mutual Respect, Differences*

---

* الأستاذ المساعد بأكاديمية الدعوة، الجامعةالإسلاميةالعالمية، إسلام آباد

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على أشرف الأنبياء والمرسلين وعلى آله وصحبه أجمعين أما بعد! فإن موضوع فقه الدعوة من الموضوعات الحية والمثارة في العصر الراهنوكما إن للدعوة الإسلامية أساليب متنوعة، منها أسلوب الحوار. وقد ازدادت أهمية أسلوب الحوار من أن أقيمت لها الندوات والموتمرات وبالتالى هو وسيلة للمفاوضات . ولا ينكر أهميتها البالغة في التأثير على الأذهان والقلوب، وفى إثبات الحق بتبادل الأراء والأفكار، ومن هنا اهتم به العلماء والدعاة ورجال الإعلام في العصر العولمة.

وقد قام بعض المثقفين بالاهتمام بموضوع فقه الدعوة من الأحاديث والآثار والسيرة النبوية، والقصص القرآنية، والجدير بالذكر أن العلماء والباحثين ألفوا كتباً وبحوثاً حول فقه الدعوة من نواحى شتى.إن الدين الإسلامي الحنيف دين كامل ونظام شامل لجميع شؤون الحياة الفردية والاجتماعية من العقيدة والعبادات والمعاملات.فإن كلمة"المعاملات" تسخدم للأمور والشؤون التى يواجها الفرد في حياته لقضائها مع الأفراد الآخرين بصفة فردية أو اجتماعية، مثل البيع والشراء والزواج والإعارة والتعليم والتدريس وما إلى ذلك من الأمور والشؤون الفردية والاجتماعية.وهي كلمة يستخدمها الفقهاء ويضعونها مع العبادات، أي العبادات والمعاملات، والعبادات كالصلاة الصوم والزكاة والحج، والأمور التي تتعلق بذات البارئ تعالى، أما المعاملات، فهي الأمور التي تدور بين الأفراد، في هذه الحياة الدنيا. قال الشاطبي:" وَأَصْلُ الْعِبَادَاتِ رَاجِعَةٌ إِلَى حَقِّ اللَّهِ، وَأَصْلُ الْعَادَاتِ رَاجِعَةٌ إِلَى حُقُوقِ الْعِبَادِ[١]. وتعلمنا السيرة النبوية والأحاديث أهمية المعاملات بين أفراد المجتمع وأثرها على البشرية وثوابها وعقابها،كما إن العبادات لها علاقة وطيدة بحقوق الله وأما المعاملات فهي تتعلق بحقوق العباد، ومن أجل أهمية حقوق العباد في المعاملات وما يتعلق بها تم اختيار الحوار النبوي في المعاملات لاستخلاص الدروس الدعوية منها. فعلى الداعية أن يبين أسلوب الحياة وفق الشريعة الإسلامية مبينا منهج النبوي في العلاقة بين الأفراد والسياسة والاجتماع وما إلى ذلك من الأمور.فإن البحث هنا يدور حول موضوع فقه الدعوة من حوارات النبي ﷺ مع ذكر بعض النماذج من الأحاديث التي تشمل على الحوار في المعاملات من الصحيحين .

الفقه لغة:

العلم بالشيء والفهم له، والفطنة، وغلب على علم الدين لسيادته، وشرفه، وفضله على سائر أنواع العلم. والفقه في الأصل: الفهم، يقال: أوتي فلان فقها في الدين: أي فهما فيه [٢].

كما إن القرآن كريم جاء باستخدام كلمة الفقه مع عدة الاشتقاقات ، منها على سبيل المثال: **﴿وَلَكِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَا يَفْقَهُونَ﴾ [١]﴿قَالُوا يَا شُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِيرًا مِمَّا تَقُولُ﴾[٢]﴿لِيَتَفَقَّهُوا فِي**

---

(١) الشاطبي،إبراهيم بن موسى بن مُحَمَّد ، الموافقات، مكتبة دار ابن عفان، الطبعة: الطبعة الأولى ١٤١٧هـ ، ٢١٣/١

(٢) ابن منظور،مُحَمَّد بن مكرم الأفريقي ، لسان العرب، دار صادر ، بيروت،الطبعة الأولى ، ١٢٧/٤

الدِّينِ﴾[٣]**﴿وَلَكِنْ لَا تَفْقَهُونَ تَسْبِيحَهُمْ﴾** [٤] يُقَالُ:فَقِهَ الرجلُ بِالْكَسْرِ،يَفْقَهُ فِقْهاً إِذَا فَهِم وعَلِم،وفَقُهَ بِالضَّمِّ يَفْقُهُ:إِذَا صَارَ فَقِيهاً عَالِمًا [٥]

الفقه اصطلاحا:

لقد عرفه العلماء بعدة التعريفات منها:

"هو العلم بالأحكام الشرعية العملية المكتسب من أدلتها التفصيلية والأحكام الشرعية مالا تدرك لولا خطاب الشارع وفي التوضيح والفقه معرفة النفس مالها وما عليها ويزاد عملا ليخرج الاعتقاديات والوجدانيات فيخرج الكلام والتصوف ومن لم يزد أراد الشمول" [٦].

و يعرف بقوله: "وهو الإصابة والوقوف على المعنى الخفي الذي يتعلق به الحكم وهو علم مستنبط بالرأي والاجتهاد ويحتاج فيه إلى النظر والتأمل ولهذا لا يجوز أن يسمى الله تعالى فقيها؛ لأنه لا يخفى عليه شيئ" [٧].

ويقول الآمدي في القاعدة الأولى في تحقيق مفهوم أصول الفقه وموضوعه وغايته وما منه استمداده:" وقيل: هو العلم ، والأشبه أن الفهم مغاير للعلم إذ الفهم عبارة عن جودة الذهن من جهة تهيئته لاقتناص كل ما يرد عليه من المطالب، وإن لم يكن المتصف به عالما كالعامي الفطن.وأما العلم فسيأتي تحقيقه عن قريب، وعلى هذا فكل عالم فهم وليس كل فهم عالما.... وفي عرف متشرعين : الفقه مخصوص بالعلم الحاصل بجملة من الأحكام الشرعية الفروعية بالنظر والاستدلال. [٨].

---

(١) سورة المنافقون، الآية: ٧

(٢) سورة هود ،الآية: ٩١

(٣) سورة التوبة ، الآية: ١٢٢

(٤) سورة الإسراء، الآية: ٤٤

(٥) ابن الأثير،مجد الدين ابن الأثير،النهاية في غريب الحديث والأثر،المكتبة العلمية ، بيروت، ١٣٩٩هـ ، ٤٦٥/٣

(٦) البركتي،المفتي مُحَمَّد عميم الإحسان المجددى، التعريفات الفقهية،دار النشر،الصدف:٤١٣/١

(٧) الجرجاني، علي بن مُحَمَّد بن علي، التعريفات، الطبعة الأولى ، ١٤٠٥هـ تحقيق إبراهيم الأبياري، دار الكتاب العربي بيروت ،٢١٣/١

(٨) الآمدي ، أبو الحسن سيد الدين علي، الإحكام في أصول الأحكام، القاعدة الأولى،التحقيق: عبد الرزاق عفيفي ،المكتب الإسلامي، بيروت ،لبنان ،٦/١

الدعوة لغة:

لها عِدَّةُ معاني، منها:

١- النِّداءُ، مثال: دَعَوْتُ الرجلَ، أيْ: ناديته ودَعا الرَّجُلُ دَعْواً: نادَاهُ وصاحَ بِهِ[(١)].

٢- الحَثُّ على قَصْدِ شيءٍ ما، مثال: دعوتُ إلى إفطارٍ.

٣- الدعوةُ إلى أمْرٍ يُرادُ إثباتُهُ أوالدِّفاعُ عنْهُ سواءً أكانَ حَقّاً أمْ باطلاً، مثال:﴿ **وَيَا قَوْمِ مَا لِي أَدْعُوكُمْ إِلَى النَّجَاةِ وَتَدْعُونَنِي إِلَى النَّارِ**﴾ [(٢)].

يتضح من هذه المعاني اللغوية أن كلمة الدعوة تحمل معاني عديدة في اللغة، منها إمالة الشيء إلى شخص بصوت وكلام، والدعوة إلى الوليمة أو الطعام، والنداء بصوت أو بآلة مكبرة والحثّ على قصد الشيء وهناك معان أخرى، منها الطلب، والتمني.والذي يعنينا من هذه المعاني اللغوية هو الحثّ؛ لأن الداعية يحثّ المدعوين على الفكرة التي يريدها، والدِّين الذي يدعو إليه.

أما كلمة الدعوة في الاصطلاح فتطلق ويُقصد بها معنيان:

١ - الإسلام. ٢ - نشر الإسلام بين الناس.

أما المعنى الأول ألا فهو الإسلام والدين الحنيف ، عرف العلماء العديد من التعريفات التي تدل على هذا المعنى بالدق والشمول، فيقول الدكتور أحمد أحمد غلوش[(٣)]: الدعوة هي " النظام العام ، والقانون الشامل لأمور الحياة ، ومناهج السلوك للإنسان ، التي جاء بها مُحَمَّد ﷺ من ربه، وأمره بتبليغها إلى الناس، وما يترتب على ذلك من ثواب أو عقاب في الآخرة"[(٤)].

لقد أورد العلماء التعريفات العديدة للدعوة ويراد بها"الإسلام" "والدين الحنيف" بجميع مقتضياته وأما الموضوع الذي يدور البحث حوله فهو يقتضي المفهوم الثاني وهو نشر الإسلام وإبلاغ تعليماته، الدعوة إذاً نشر الإسلام وتبليغ الأخلاق الحسنة والأمر بالمعروف والنهي عن المنكر وما إلى ذلك. وإن الآيات القرآنية الكثيرة والأحاديث النبوية العديدة تدل على هذا المعنى.

ومن بعض التعريفات التي ركزت على هذا المعنى للدعوة منها:

---

(١) الزبيدي،محمّد بن محمّد بن عبد الرزّاق الحسيني،تاج العروس من جواهر القاموس، باب دعو، دار الهداية،٥١/٣

(٢) سورة الغافر، الآية:٤١

(٣) هو دكتور عالم باحث داعية كاتب مصري، عين عميدابكلية الدعوة بجامعة الأزهر الشريف، وكان عميدا للكلية الشريعة هناك. له إسهام كبير في تأليف الكتب القيمة، والبحوث والمقالات العلمية كما احتل مناصب كبيرة في المجتمع المصري، راجع : موقع الدكتور أحمد أحمد غلوش على الشبكة العنكبوتية

(٤) الدكتور أحمد أحمد غلوش، الدعوة الإسلامية أصولها ووسائلها ، دار الكتاب اللبناني، بيروت، ١٩٨٧م ص:١٢

١- " إن الدعوة هي قيام من له أهلية النصح والتوجيه السديد من المسلمين في كل زمان ومكان بترغيب الناس في الإسلام اعتقادًا ومنهجًا، وتحذيرهم من غيره بطرق مخصوصة"[١].

٢- " مجموعة القواعد والأصول التي يتوصل بها إلى تبليغ الإسلام للناس وتعليمه وتطبيقه"[٢].

٣- الدعوة هي: "الحث على فعل الخير واجتناب الشر والأمر بالمعروف والنهي عن المنكر والتحبيب بالفضيلة، والتنفير عن الرذيلة، واتِّباع الحق ونبذ الباطل"[٣].

٤- "صرف أنظار الناس وعقولهم إلى عقيدة تفيدهم، أو مصلحة تنفعهم، وهي أيضا ندبة لإنقاذ الناس من ضلالة كادوا يقعون فيها، أو من مصيبة كادت تحدق بهم"[٤].

علم فقه الدعوة:

هو علم يبحث في كيفية الدعوة إلى الله دعوة صحيحة واعية معتمدة على دراسة فنون الشريعة المختلفة وعلوم أخرى كالإدارة وعلم الاجتماع وعلم النفس وغيرها ، ولذا فهو علم مهم وواسع وشامل ودقيق [٥].

"وهو استنباط، وفهم تاريخ الدعوة، وأسبابها، وأركانها، وأساليبها، ووسائلها، وأهدافها، ونتائجها، استنباطا وفهما على ضوء الكتاب، والسنة، وفهم السلف الصالح، يُمَكِّن الدعاة إلى الله تعالى من عرضها بأحسن طريقة، وأكثر ملاءمة لمن توجه إليهم الدعوة في مختلف بيئاتهم، ومتباين ألسنتهم، ولغاتهم، ومتعدد أجناسهم"[٦].

إن الفقه عبارة عن العلم والفهم والإدراك والمعرفة ويعني فقه الدعوة هنا العلم بماهية الدعوة إلى الله كما إنه العلم بقواعد وأحكام لتطبيقها على واقع الناس في حياتهم الفردية والاجتماعية، وبموضوعها وبطرق كسب ذلك العلم.

---

(١) الدكتور ابو بكر زكرى، الدعوة إلى الإسلام، مكتبة دار العروبة ، القاهرة ، ص: ٨

(٢) البيانوني،الدكتور مُحَمَّد أبو الفتح، المدخل إلى علم الدعوة، مؤسسة الرسالة، بيروت، ١٤١٥ هـ ، ص:١٩

(٣) إبراهيم بن عبد الله المطلق،التدرج في دعوة النبي ، وزارة الشئون الإسلامية والأوقاف والدعوة والإرشاد، مركز البحوث والدراسات الإسلامية، الطبعة: الأولى، ١٤١٧هـ، ١/ ٢٠

(٤) الآلوري،آدم عبد الله،تاريخ الدعوة إلى الله بين الأمس واليوم ، مكتبة وهبة،القاهرة ،ط:٣،١٤٠٨هـ ،ص:١٧

(٥) علي بن نايف الشحود ،الخُلاصَةُ،في فِقْهِ الدَّعْوَةِ ، ماليزيا بهانج ، دار المعمور،ط:١،١٤٣٠هـ ، ص:١/٥

(٦) الدكتور علي عبد الحليم محمود،فقه الدعوة إلى الله: المكتبة الشاملة٢٠١٥ م ،١ / ١٨

معنى الحوار:الحوارُ لغةً : ذكر أهل اللغة عدة معان لكلمة الحوار يرى الفيروزآبادي في القاموس المحيط بأن الحور، نقصان[١].

جاء في الحديث الشريف "الحور بعد الكور"[٢] أي النقص بعد الزيادة [٣]وهو الرجوع ، قال ابن منظورٍ : " ... وهم يَتَحاوَرُون أَي يتراجعون الكلام. والمحاوَرَةُ مراجعة المنطق والكلام في المخاطبة وقد حاوره والمَحُورَةُ من المحاوَرةِ مصدر كالمَشُورَةِ من المشاوَرَة كالمَحْوَرَةِ ... "[٤]

وقال راغب الأصفهاني: " المحاورةُ والحِوَارُ: المرادّةُ في الكلام ، ومنه التحاورُ"[٥].

أما كلمة الحوار فهي ما وردت في القرآن الكريم إلا أن مشتقاتها قد استخدمت في بعض الآيات على سبيل المثال قال تعالى: ﴿ **فَقَالَ لِصَاحِبِهِ وَهُوَ يُحَاوِرُهُ أَنَا أَكْثَرُ مِنكَ مَالاً وَأَعَزُّ نَفَراً** ﴾[٦].

الحوار اصطلاحا:

ليس هناك فرق جوهرى بين المعانى اللغوية والاصطلاحية للحوار وإنما إضافة المفهوم لتيسير التفيهم للقارئ مع مراعاة كلمة الحوار كفن من فنون الدعوة والإعلام وهو مراجعة الكلام بين طرفين مختلفين، مع تقديم الحجج والبراهين لإقناع أحدهما برأي الآخر، أو لتقريب وجهات النظر ولايكون بين الطرفين ما يدل على الجدال والخصومة.أن يتناول الحديث طرفان أو أكثر عن طريق السؤال والجواب، بشرط وحدة الموضوع أو الهدف، فيتبادلان النقاش حول أمر معين، وقد يصلان إلى نتيجة وقد لا يقنع أحدهما الآخر ولكن السامع يأخذ العبرة ويكوّن لنفسه موقفا [٧].

أهمية الحوار في الحديث الشريف

إن كتب الأحاديث والسيرة والتاريخ مليئة بالحوار التي دارت بين النبي ﷺ وبين المخلوق من الأصحاب والأعداء والكفار والأعراب والزوجات–أمهات المؤمنين– والخدم والصغار والوفود والملوك وما

---

(١) الفيروز آبادي، مجد الدين أبو طاهر القاموس المحيط، مؤسسة الرسالة للطباعة والنشر والتوزيع، بيروت ، لبنان ،ط، ١٤٢٦هـ. مادة حور:١/٣٨٠

(٢) أحمد بن حنبل الشيباني، المسند، مسند عبد الله بن سرجس: ، رقم الحديث:٢٠٧٨١ التحقيق: شعيب الأرنؤوط، عادل مرشد، وآخرون مؤسسة الرسالة الطبعة الأولى، ١٤٢١ هـ ،٣٧٦/٣٤

(٣) الفيومي، أحمد بن مُحَّد المقري، المصباح المنير، دراسة و تحقيق يوسف الشيخ مُحَّد، المكتبة العصرية،١/٢٨٠

(٤) ابن منظور،مُحَّد بن مكرم الأفريقي المصري لسان العرب ، ١٣/ ٥٢٢

(٥) راغب الأصفهاني،أبو القاسم الحسين،المفردات في غريب القرآن،دار القلم، الدار الشامية دمشق بيروت، الطبعة: الأولى ١٤١٢هـ ، ص:٢٦٢

(٦) سورة الكهف ، الآية: ٣٤

(٧) النحلاوي، عبدالرحمن ،أصول التربية الإسلامية وأساليبها،الطبعة الثانية،دار الفكر، ١٩٩٥م، ص: ٢٠٦

إلى ذلك، كما نجد مجموعة كبيرة من الأحاديث تشمل على الأجوبة والأسئلة خاطب فيها النبي ﷺ الناس وأجابوه فيها، وسألهم ثم أجابهم نجد في السنة المطهرة بأن الرسول الكريم ﷺ قام بالحوار مع جميع أصناف المدعوين من مسلمهم وكافرهم، صديقهم وعدوهم.

فقه الدعوة من الحوار النبوي فيما يتعلق بالمعاملات:

إن كلمة"المعاملات" تسخدم للأمور والشؤون التي يواجهها الفرد في حياته لقضائها مع الأفراد الآخرين بصفة فردية أو اجتماعية، مثل البيع والشراء والزواج والإعارة والتعليم والتدريس وما إلى ذلك من الأمور والشؤون الفردية والاجتماعية.وهي كلمة يستخدمها الفقهاء ويضعونها مع العبادات، أي العبادات والمعاملات، والعبادات كالصلاة والصوم والزكاة والحج، والأمور التي تتعلق بذات البارئ تعالى، أما المعاملات، فهي الأمور التي تدور بين الأفراد، في هذه الحياة الدنيا. قال الشاطبي:" وأصل العبادات راجعة إلى حق الله، وأصل العادات راجعة إلى حقوق العبادِ"[(١)].يقول ابن عابدين: "وبالمعاملات ما كان المقصود منها الأصل قضاء مصالح العباد كالبيع والكفالة والحوالة ونحوها"[(٢)].

أما عند المالكية فالمعاملات هي:"شرع لجلب بقاء الإنسان كالإذن في المباحات المحصلة للراحة من الطعام واللباس والمسكن والوطء وشبه ذلك."[(٣)] أما الشافعية فيقول العلامة شمس الدين الغزي في شرح ألفاظ التقريب:"ولما فرغ المصنف من معاملة الخالق، وهي العبادات أخذ في معاملة الخلائق"[(٤)]فالمراد الخلائق"[(٤)]فالمراد عندهم أن أحكام الشريعة فيما يتعلق بتنظيم شؤون الخلائق فيما بينهم تعتبر تنظيم معاملات الناس، أما الحنابلة فقد قسموا الفقه إلى قسمين العبادات والمعاملات وقد بوب مُحَمَّد بن مُحَمَّد المختار الشنقيطي[(٥)]في شرح زاد المستقنع بـ: "تقسيم الفقه ووجه تقديم فقه العبادات على فقه المعاملات"

---

(١) الموافقات، ٢١٣/١

(٢) ابن عابدين، مُحَمَّد أمين بن عمر ، رد المحتار على الدر المختار: دار الفكر، بيروت، ط٢، ١٤١٢هـ، ٥٠٠/٤

(٣) ابن فرحون، إبراهيم بن علي اليعمري ، تبصرة الحكام في أصول الأقضية ومناهج الأحكام،مكتبة الكليات الأزهرية،الطبعة الأولى، ١٤٠٦هـ،١٣٨/٢

(٤) شمس الدين الغزي، مُحَمَّد بن قاسم ، فتح القريب المجيب في شرح ألفاظ التقريب، دار ابن حزم للطباعة والنشر والتوزيع، بيروت، لبنان، الطبعة: الأولى، ١٤٢٥ هـ،١٦٢/١

(٥) هو الدكتور أبو عبد الله مُحَمَّد بن محمّد المختار الشنقيطي عضو هيئة كبار العلماء السعودية والمدرس بالحرمين الشريفين، من أهم مؤلفاته: أحكام الجراحة الطبية والآثار المترتبة عليها رسالة الدكتوراه،القدح في البينة في القضاء رسالة الماجستير ،معالم تربوية لطالبي أسنى الولايات الشرعية اقتباسات من بعض دروس الشيخ ومحاضراته، وشرح لبلوغ المرام شرح غير مكتمل ، وشرح زاد المستقنع في اختصار المقنع، انظر: موقع هيئة كبار العلماء واللجنة الدائمة للبحث والإفتاء بالمملكة العربية السعودية

وقال فيها:" وأما المعاملات فهناك معاملات تتعلق بالمال، وهناك معاملات تتعلق بالنكاح والزواج، وهناك معاملات تتعلق بالجناية والاعتداء على المال، أو على العرض، أو على النفس والأطراف ومعاملات تتعلق بكيفية الفصل بين الناس من القضاء والشهادات والإقرار ونحو ذلك"[١].

يتضح من الاستعراض السابق أن المقصود من المعاملات تحقيق مصلحة من مصالح دنيوية، أو تنظيم علاقة بين أفراد المجتمع.ولكن العبادة لا تصح إلا بالنية الخالصة وأن تكون لوجه الله، أما المعاملات فتصح بدون النية كرد الأمانة وإرشاد الطريق، والنظافة والطهارة وما إلى ذلك، وبالنية تصبح المعاملات يثاب عليها الإنسان.

إن هناك حوارات تدور حول الأمور الفردية والمعاملات الشخصية والحوارات الأخرى تدور حول المعاملات الاجتماعية، فالمعاملات الاجتماعية: المقصود منها مصالح العباد والخلائق لتنظيم شؤونهم الخاصة فيما بينهم فيتسخلص الدروس الدعوية من الحوارات المختارة من الصحيحين التي تتعلق بالمعاملات مع ذكر النماذج من الأحاديث المختارة.

بيان مكانة المرأة في المجتمع، وأن النبي ﷺ ينسى ويغضب، والاهتمام بالحاجات، والمعاملات مع الأعداء

أحاديث الدراسة

١- **عن أُمِّ هَانِئٍ بِنْتِ أَبِي طَالِبٍ، قَالَتْ: ((ذَهَبْتُ إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ عَامَ الْفَتْحِ فَوَجَدْتُهُ يَغْتَسِلُ، وَفَاطِمَةُ ابْنَتُهُ تَسْتُرُهُ، قَالَتْ، فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ؛ فَقَالَ: مَنْ هذِهِ فَقُلْتُ: أَنَا أُمُّ هَانِئٍ بِنْتُ أَبِي طَالِبٍ؛ فَقَالَ: مَرْحَبًا بِأُمِّ هَانِئٍ فَلَمَّا فَرَغَ مِنْ غُسْلِهِ، قَامَ فَصَلَّى ثَمَانِيَ رَكَعَاتٍ، مُلْتَحِفًا فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ، فَلَمَّا انْصَرَفَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ زَعَمَ ابْنُ أُمِّي أَنَّهُ قَاتِلٌ رَجُلاً قَدْ أَجَرْتُهُ، فُلاَنَ بْنَ هُبَيْرَةَ؛ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: قَدْ أَجَرْنَا مَنْ أَجَرْتِ يَا أُمَّ هَانِئٍ، قَالَتْ أُمُّ هَانِئٍ: وَذَاكَ ضُحًى))**[٢] .

٢- **عن عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ رضي الله عنه قَالَ: فَلَمَّا سَلَّمَ قِيلَ لَهُ يَا رَسُولَ اللهِ أَحَدَثَ فِي الصَّلاَةِ شَيْءٌ قَالَ: وَمَا ذَاكَ قَالُوا: صَلَّيْتَ كَذَا وَكَذَا فَثَنَى رِجْلَيْهِ وَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ وَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ، ثُمَّ سَلَّمَ فَلَمَّا أَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهِ، قَالَ: إِنَّهُ لَوْ حَدَثَ فِي الصَّلاَةِ شَيْءٌ لَنَبَّأْتُكُمْ بِهِ، وَلكِنْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ أَنْسى كَمَا تَنْسَوْنَ، فَإِذَا نَسِيتُ فَذَكِّرُونِي، وَإِذَا شَكَّ أَحَدُكُمْ فِي صَلاَتِهِ فَلْيَتَحَرَّ الصَّوَابَ فَلْيُتِمَّ عَلَيْهِ، ثُمَّ لِيسَلِّمْ**

---

(١) الشنقيطي، مُحَمَّد بن مُحَمَّد المختار، شرح زاد المستقنع، نقلاً عن المكتبة الشاملة، عام:٢٠١٤، ٩/١

(٢) البخاري، الجامع الصحيح،كتاب الصلاة، باب الصلاة في الثوب الواحد ملتحفًا به، رقم الحديث: ٣٥٧، صحيح مسلم، كتاب الحيض، باب تستر المغتسل بثوب ونحوه، رقم الحديث: ٣٣٦

ثُمَّ يَسْجُدْ سَجْدَتَيْنِ(١).

٣- عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمنِ، أَنَّهُ سَأَلَ عَائِشَةَ، كَيْفَ كَانَتْ صَلاَةُ رَسُولِ اللهِ ﷺ فِي رَمَضَانَ فَقَالَتْ: مَا كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَزِيدُ فِي رَمَضَانَ وَلاَ فِي غَيْرِهِ عَلَى إِحْدَى عَشْرَةَ رَكْعَةً، يُصَلِّي أَرْبَعًا فَلاَ تَسَلْ عَنْ حُسْنِهِنَّ وَطُولِهِنَّ، ثُمَّ يُصَلِّي أَرْبَعًا فَلاَ تَسَلْ عَنْ حُسْنِهِنَّ وَطُولِهِنَّ، ثُمَّ يُصَلِّي ثَلاَثًا قَالَتْ عَائِشَةُ: فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ أَتَنَامُ قَبْلَ أَنْ تُوتِرَ فَقَالَ: يَا عَائِشَةُ إِنَّ عَيْنَيَّ تَنَامَانِ وَلاَ يَنَامُ قَلْبِي(٢).

٥- عن أَبِي هُرَيْرَةَ ﷺ قَالَ: لَمَّا فَتَحَ اللهُ عَلَى رَسُولِهِ ﷺمَكَّةَ، قَامَ فِي النَّاسِ فَحَمِدَ اللهَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ، ثُمَّ قَالَ: إِنَّ اللهَ حَبَسَ عَنْ مَكَّةَ الْفِيلَ، وَسَلَّطَ عَلَيْهَا رَسُولَهُ وَالْمُؤْمِنِينَ فَإِنَّهَا لاَ تَحِلُّ لأَحَدٍ كَانَ قَبْلِي، وَإِنَّهَا أُحِلَّتْ لِي سَاعَةً مِنْ نَهَارٍ، وَإِنَّهَا لاَ تَحِلُّ لأَحَدٍ بَعْدِي، فَلاَ يُنَفَّرُ صَيْدُهَا، وَلاَ يُخْتَلَى شَوْكُهَا، وَلاَ تَحِلُّ سَاقِطَتُهَا إِلاَّ لِمُنْشِدٍ، وَمَنْ قُتِلَ لَهُ قَتِيلٌ فَهُوَ بِخَيْرِ النَّظَرَيْنِ: إِمَّا أَنْ يُفْدَى وَإِمَّا أَنْ يُقِيدَ فَقَالَ الْعَبَّاسُ: إِلاَّ الإِذْخِرَ، فَإِنَّا نَجْعَلُهُ لِقُبُورِنَا وَبُيُوتِنَا؛ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: إِلاَّ الإِذْخِرَ فَقَامَ أَبُو شَاهٍ، رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ الْيَمَنِ؛ فَقَالَ: اكْتُبُوا لِي يَا رَسُولَ اللهِ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: اكْتُبُوا لأَبِي شَاهٍ(٣).

٦- عن عَائِشَةَ، قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ سُحِرَ، حَتَّى كَانَ يَرَى أَنَّهُ يَأْتِي النِّسَاءَ وَلاَ يَأْتِيهِنَّ قَالَ سُفْيَانُ (أَحَدُ رِجَالِ السَّنَدِ) وَهذَا أَشَدُّ مَا يَكُونُ مِنَ السِّحْرِ إِذَا كَانَ كَذَا فَقَالَ: يَا عَائِشَةُ أَعَلِمْتِ أَنَّ اللهَ قَدْ أَفْتَانِي فِيمَا اسْتَفْتَيْتُهُ فِيهِ أَتَانِي رَجُلاَنِ فَقَعَدَ أَحَدُهُمَا عِنْدَ رَأْسِي، وَالآخَرُ عِنْدَ رِجْلَيَّ، فَقَالَ الَّذِي عِنْدَ رَأْسِي لِلآخَرِ: مَا بَالُ الرَّجُلِ قَالَ: مَطْبُوبٌ قَالَ: وَمَنْ طَبَّهُ قَالَ: لَبِيدُ ابْنُ أَعْصَمَ، رَجُلٌ مِنْ زُرَيْقٍ، حَلِيفٌ لِيَهُودَ، كَانَ مُنَافِقًا قَالَ: وَفِيمَ قَالَ: فِي مُشْطٍ وَمُشَاقَةٍ قَالَ: وَأَيْنَ قَالَ: فِي جُفِّ طَلْعَةٍ ذَكَرٍ تَحْتَ رَعُوفَةٍ، فِي بِئْرِ ذَرْوَانَ قَالَتْ: فَأَتَى النَّبِيُّ ﷺ الْبِئْرَ حَتَّى اسْتَخْرَجَهُ فَقَالَ: هذِهِ الْبِئْرُ

---

(١) الجامع الصحيح، كتاب الصلاة، باب التوجه نحو القبلة حيث كان، رقم الحديث: ٤٠١، صحيح مسلم ،كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب السهو في الصلاة والسجود له، رقم الحديث:٥٧٢

(٢) الجامع الصحيح، كتاب التهجد، باب قيام النبيﷺ بالليل في رمضان وغيره، رقم الحديث:١١٤٧ صحيح مسلم ،صلاة المسافرين وقصرها،باب صلاة الليل وعدد ركعات النبي ﷺ في الليل و أن الوتر ركعة وأن الركعة صلاة صحيحة رقم الحديث: ٧٣٨

(٣) الجامع الصحيح، كتاب اللقطة، باب كيف تعرّف لقطة أهل مكة، رقم الحديث:٢٤٣٤، صحيح مسلم ،كتاب الحج، باب تحريم مكة وصيدها وخلاها وشجرها ولقطتها، رقم الحديث:١٣٥٥

الَّتِي أُرِيتُهَا وَكَأَنَّ مَاءَهَا نُقَاعَةُ الْحِنَّاءِ، وَكَأَنَّ نَخْلَهَا رُؤُوسُ الشَّيَاطِينِ قَالَ: فَاسْتُخْرِجَ قَالَتْ: فَقُلْتُ أَفَلاَ، أَي، تَنَشَّرْتَ فَقَالَ: أَمَا وَاللهِ فَقَدْ شَفَانِي، وَأَكْرَهُ أَنْ أُثِيرَ عَلَى أَحَدٍ مِنَ النَّاسِ شَرًّا[١].

٧- **عن الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ، قَالَ: لَمَّا صَالَحَ رَسُولُ اللهِ ﷺ أَهْلَ الْحُدَيْبِيَةِ، كَتَبَ عَلِيٌّ بَيْنَهُمْ كِتَابًا، فَكَتَبَ: مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَقَالَ الْمُشْرِكُونَ: لاَ تَكْتُبْ مُحَمَّدٌ رَسُول اللهِ، لَوْ كُنْتَ رَسُولاً لَمْ نُقَاتِلْكَ، فَقَالَ لِعَلِيٍّ: امْحُهُ فَقَالَ عَلِيٌّ: مَا أَنَا بِالَّذِي أَمْحَاهُ فَمَحَاهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ بِيَدِهِ، وَصَالَحَهُمْ عَلَى أَنْ يَدْخُلَ هُوَ وَأَصْحَابُهُ ثَلاَثَةَ أَيَّامٍ، وَلاَ يَدْخُلُوهَا إِلاَّ بِجُلُبَّانِ السِّلاَحِ فَسَأَلُوهُ: مَا جُلُبَّانُ السِّلاَحِ فَقَالَ: الْقِرَابُ بِمَا فِيهِ**[٢].

مما يستخلص من دروس دعوية من الحوارات المذكورة أعلاه:

يتضح من الحوار الأول أهمية المرأة في المجتمع، فإن النبي ﷺ أقر بأهمية أم هانئ في المجتمع، كما أقر بأجرتها للعدو، والجدير بالذكر أن العلماء اختلفوا في أمان المرأة. يقول القاضي مُحَمَّد بن عبد الله أبو بكر المالكي: " اختلف العلماء في أمان المرأة ، وفي هذا رد على أشهب، وذلك أنه يرى إجارة المرأة المشرك لا تجوز، إلا أن يجيزها الإمام، وجوزها ابن القاسم. وأما الأيمّة قال بعضهم هذا دليل على جواز أَمَانِ المرأة، وأنّها إذا أَمَّنَتْ مَنْ أَمَّنَتْ حرمَ قَتْلُه وحُقِنَ دَمُهُ، وأنّها لا فرقَ بينها وبين الرَّجُل"[٣]ومن ثم فإن الحوار الذي دار بينه وبين أم هانئ يدل على أنه لا يمنع الحوار والمكالمة مع النساء القريبات كبنت العم، إذا كان الحوار وفق أحكام الشريعة.

من فقه الدعوة في الحوار الثاني والثالث أن على الداعية أن يبين حقيقة الدين ومكانة النبي ﷺ فيعطيه حقه من المكانة دون إفراط وتفريط، محذراً من الغلو فيه وإخراجه من صفات الألوهية،والشاهد عليه ((**إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ أَنْسى كَمَا تَنْسَوْنَ، فَإِذَا نَسِيتُ فَذَكِّرُونِي**))وفي الحوار الثاني: وفي نفس الوقت يقوم الداعية بالتنبيه لخطورة جفائه، عدم توقيره وطاعته، وعلى الداعية أن يتحلى بالتواضع والاعتراف بقدر نفسه وعدم رفع النفس فوق المشروع.

---

(١) الجامع الصحيح،كتاب الطب،باب هل يستخرج السحر،رقم الحديث: ٥٧٦٥، صحيح مسلم ،كتاب السلام، باب السحر، رقم الحديث:٢١٨٩

(٢) البخاري،الجامع الصحيح،كتاب الصلح، باب كيف يكتب هذا ما صالح فلان بن فلان، رقم الحديث:٢٦٩٨، صحيح مسلم ،كتاب الجهاد والسير،باب صلح الحديبية في الحديبية، رقم الحديث:١٧٨٣

(٣) ابن العربي ،القاضي مُحَمَّد بن عبد الله أبو بكر ،المسالك في شرح موطأ مالك، دار اللغرب الإسلامي، الطبعة: الأولى، ١٤٢٨ هـ ،٨٩/٣

وفي الحوار الثالث سأل الصحابي عن ما وقع في الصلاة، فيعلمنا الحوار بين الصحابة والرسول الكريم ﷺ أن المتعلم والطفل والابن والمدعو قد يبين خطأ الداعية ويقوّمه، فهنا أفضل الخلق بالتحقيق يعترف نسيانه ويعيد صلاته ويمدح من ينبهه.

عناية كتابة النقاط المهمة لحفظها واستفادتها عند الحاجة من صفات الداعية كما على المدعو أن يعي ما يدور في الحوار وإذا وجد شيئاً غامضاً، عليه أن يسأل ويركز على الغموض لإبرازها، و توضيحها، فيتضح من الحوار أن أبا شاه طلب كتابة أهم نقاط المسألة،كما طلب ابن العباس استثناء الإذخر من أجل أشد حاجته و ذكر الحاجة أيضاً، فأقر النبي ﷺ وترك الإذخر للاستفادة.

قد يتأثر الداعية أو شخصية عظيمة من الآثار السيئة من المرض والسحر فعليه أن يعالج نفسه، ولا يخفي؛ ما به من الأذى ولا يقوم بنشر الشر؛ لأن الشر يأتي بالشر وقد يزداد الشر، فعندما سألت عائشة رضي الله عنها عن نشره، والشاهد في الحوار السادس، قال: ((**أَمَا وَاللهِ فَقَدْ شَفَانِي، وَأَكْرَهُ أَنْ أُثِيرَ عَلَى أَحَدٍ مِنَ النَّاسِ شَرًّا**)).

على المسلم المخلص والمدعو المخلص أن لا يقبل ولا يتحمل أن ينقص مكانة النبي ﷺ مهما كانت الأوضاع لذا لم يقبل عليٌ رضي الله عنه أن يمحو اسم النبي من الكتاب، ((**فَقَالَ لِعَلِيّ: امْحُهُ فَقَالَ عَلِيٌّ: مَا أَنَا بِالَّذِي أَمْحَاهُ**))وذلك يدل على أهمية العقيدة، وحب النبي ﷺوالحماس لمكانته وشخصيته وأنه أحب الخلق وأولاهم.

عناية الداعية بمراعاة أحوال المدعوين ونشاطهم

إن الداعية الناجح يراعي أحوال المدعوين ونشاطهم، ولا يملهم بالكلام في الوقت الذي لا يقبلون إليه، ثم إن المدعو أحياناً يعاني إلى مرض من الأمراض الجسدية أو يشعر بالجوع والعطش، أو يعاني مشاكل أخرى. فعلى الداعية أن يركز على حل تلك المشاكل والظروف. إن المدعوين يمرون بأحوال مختلفة كل حال تستدعى من الدعوة ما يناسبها، فإن حالة الحرب تستدَعي من التركيز على موضوعات معينة ما لا يستدعيه حال السلم، كما أن حال الأمن والرغد تستدعي التذكير بالنعم والأمر بالشكر والتحذير من كفران النعم، فينبغي للداعية مراعاة أحوال الناس وظروفهم, فلا يملهم ولا يقنطهم ولايحدثهم حال انصراف قلوبهم .. وإنما عليه أن يغتنم وقت تهيئتهم لتبليغ الدعوة فيهم أبلغ مدى. إن مراعاة حال المدعو ضرورة تتوقف عليها نجاحات الداعية، والفرق بين الداعية وغيره أن الداعية يتبع الحكمة ويراعي المدعو لعله يوافق من قلبه قبولاً ومن ذهنه فهماً ومن عاطفته ميلاً واستجابة.إن النبي ﷺكان يعتني بمراعاة أحوال المدعوين، وكان يعايش معهم و يعرف ظروفهم، ويحل مشاكلهم، ويخاطب كل واحد حسب طبيعته.

أحاديث الدراسة:

١- عن عَلِيٍّ ﷺ قَالَ: ((كَانَتْ لِي شَارِفٌ مِنْ نَصِيبِي مِنَ الْمَغْنَمِ، يَوْمَ بَدْرٍ.. فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ مَا رَأَيْتُ كَالْيَوْمِ قَطُّ، عَدَا حَمْزَةُ عَلَى نَاقَتَيَّ فَأَجَبَّ أَسْنِمَتَهُمَا، وَبَقَرَ خَوَاصِرَهُمَا فَطَفِقَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَلُومُ حَمْزَةَ فِيمَا فَعَلَ فَإِذَا حَمْزَةُ قَدْ ثَمِلَ مُحْمَرَّةً عَيْنَاهُ فَنَظَرَ حَمْزَةُ إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ ثُمَّ صَعَّدَ النَّظَرَ، فَنَظَرَ إِلَى رُكْبَتِهِ، ثُمَّ صَعَّدَ النَّظَرَ، فَنَظَرَ إِلَى سُرَّتِهِ، ثُمَّ صَعَّدَ النَّظَرَ، فَنَظَرَ إِلَى وَجْهِهِ؛ ثُمَّ قَالَ حَمْزَةُ: هَلْ أَنْتُمْ إِلاَّ عَبِيدٌ لأَبِي فَعَرَفَ رَسُولُ اللهِ ﷺ أَنَّهُ قَدْ ثَمِلَ، فَنَكَصَ رَسُولُ اللهِ ﷺ عَلَى عَقِبَيْهِ الْقَهْقَرَى وَخَرَجْنَا مَعَهُ))[١] .

٢- عن عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ ﷺ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ:((إِيَّاكُمْ وَالدُّخُولَ عَلَى النِّسَاءِ فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الأَنْصَارِ، يَا رَسولَ اللهِ أَفَرَأَيْتَ الْحَمْوَ قَالَ: الحَمْوُ الْمَوْتُ))[٢] .

٣- عن صَفِيَّةَ، زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ((أَنَّهَا جَاءَتْ رَسُولَ اللهِ ﷺ تَزُورُهُ فِي اعْتِكَافِهِ، فِي الْمَسْجِدِ،... مَرَّ رَجُلاَنِ مِنَ الأَنْصَارِ فَسَلَّمَا عَلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ فَقَالَ لَهُمَا النَّبِيُّ ﷺ عَلَى رِسْلِكُمَا، إِنَّمَا هِيَ صَفِيَّةُ بِنْتُ حُيَيٍّ فَقَالاَ: سُبْحَانَ اللهِ، يَا رَسُولَ اللهِ وَكَبُرَ عَلَيْهِمَا فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ إِنَّ الشَّيْطَانَ يَبْلُغُ مِنَ الإِنْسَانِ مَبْلَغَ الدَّمِ، وَإِنِّي خَشِيتُ أَنْ يَقْذِفَ فِي قُلُوبِكُمَا شَيْئًا))[٣].

٤- عن عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ الأَنْصَارِيِّ ﷺ وَهُوَ حَلِيفٌ لِبَنِي عَامِرِ بْنِ لُؤَيٍّ، وَكَانَ شَهِدَ بَدْرًا قَالَ: ((إِنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ بَعَثَ أَبَا عُبَيْدَةَ بْنَ الْجَرَّاحِ إِلَى الْبَحْرَيْنِ يَأْتِي وَقَالَ: أَظُنُّكُم قَدْ سَمِعْتُمْ أَنَّ أَبَا عُبَيْدَةَ قَدْ جَاءَ بِشَيْءٍ قَالُوا: أَجَلْ يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ: فَأَبْشِروا وَأَمِّلوا مَا يَسُرُّكُمْ فَوَاللهِ لاَ الْفَقْرَ أَخْشى عَلَيْكُمْ، وَلكِنْ أَخْشى عَلَيْكُمْ أَنْ تُبْسَطَ عَلَيْكُمُ الدُّنْيَا كَمَا بُسِطَتْ عَلَى مَنْ كَانَ قَبلَكُمْ، فَتَنَافَسُوهَا كَمَا تَنَافَسُوهَا، وَتُهْلِكَكُمْ كَمَا أَهْلَكَتْهُمْ))[٤].

---

[١] الجامع الصحيح،فرض الخمس،باب فرض الخمس،رقم الحديث: ٣٠٩١، صحيح مسلم ، كتاب الأشربة،باب تحريم الخمر وبيان أنها تكون من عصير العنب ومن التمر والبسر و الزبيب،وغيرها مما يسكر،رقم الحديث:١٩٧٩

[٢] الجامع الصحيح، كتاب النكاح، باب لا يخلون رجل بامرأة إلا ذو محرم والدخول على المغيبة، رقم الحديث: ٥٢٣٢، صحيح مسلم ،كتاب السلام، باب تحريم الخلوة بالأجنبية والدخول عليها رقم الحديث:٢١٧٢

[٣] الجامع الصحيح، الاعتكاف، باب هل يخرج المعتكف لحوائجه إلى باب المسجد، رقم الحديث: ٢٠٣٥، صحيح مسلم، السلام، باب بيان أنه يستحب لمن رؤي خاليا بامرأة، رقم: ٢١٧٥

[٤] البخاري، الجامع الصحيح،كتاب الجزية، باب الجزية والموادعة مع أهل الحرب، رقم الحديث: ٣١٥٨، صحيح مسلم ،كتاب الزهد والرقائق، رقم الحديث:٢٩٦١

٥- عن الْمِسْوَرِ بْنِ مَخْرَمَةَ ﷺ قَالَ: ((قَسَمَ رَسُولُ اللهِ ﷺأَقْبِيَةً، وَلَمْ يُعْطِ مَخْرَمَةَ مِنْهَا شَيْئًا، فَقَالَ مَخْرَمَةُ[١]: يَا بُنَيِّ انْطَلِقْ بِنَا إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺفَانْطَلَقْتُ مَعَهُ، فَقَالَ: ادْخُلْ فَادْعُهُ لِي، قَالَ فَدَعَوْتُهُ لَهُ فَخَرَجَ إِلَيْهِ وَعَلَيْهِ قَبَاءٌ مِنْهَا، فَقَالَ: خَبَأْنَا هذَا لَكَ قَالَ: فَنَظَرَ إِلَيْهِ، فَقَالَ: رَضِيَ مَخْرَمَةُ))[٢].

٦- عن جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ ، يَقُولُ: ((مَرِضْتُ مَرَضًا، فَأَتَانِي النَّبِيُّ ﷺ يَعُودُنِي....فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، كَيْفَ أَصْنَعُ فِي مَالِي، كَيْفَ أَقْضِي فِي مَالِي؟ فَلَمْ يُجِبْنِي بِشَيْءٍ، حَتَّى نَزَلَتْ آيَةُ الْمِيرَاثِ))[٣].

٧- عن عَائِشَةَ قَالَتْ:((دَخَلَ عَلَيَّ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَعِنْدِي جَارِيَتَانِ تُغَنِّيَانِ بِغِنَاءِ بُعَاثَ، فَاضْطَجَعَ عَلَى الْفِرَاشِ وَحَوَّلَ وَجْهَهُ، وَدَخَلَ أَبُو بَكْرٍ، فَانْتَهَرَنِي، وَقَالَ: مِزْمَارَةُ الشَّيْطَانِ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ فَأَقْبَلَ عَلَيْهِ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَقَالَ: دَعْهُمَا فَلَمَّا غَفَلَ غَمَزْتُهُمَا فَخَرَجَتَا، وَكَانَ يَوْمَ عِيدٍ يَلْعَبُ فِيهِ السُّودَانُ بِالدَّرَقِ وَالْحِرَابِ، فَإِمَّا سَأَلْتُ النَّبِيَّ ﷺ وَإِمَّا قَالَ: تَشْتَهِينَ تَنْظُرِينَ فَقُلْتُ: نَعَمْ فَأَقَامَنِي وَرَاءَهُ، خَدِّي عَلَى خَدِّهِ، وَهُوَ يَقُولُ: دُونَكُمْ يَا بَنِي أَرْفِدَةَ حَتَّى إِذَا مَلِلْتُ قَالَ: حَسْبُكِ قُلْتُ: نَعَمْ قَالَ: فَاذْهَبِي))[٤] .

مما يستخلص من دروس دعوية من الحوارات المذكورة أعلاه:

إن مجموعة من الحوارات المذكورة تدل على أهمية فقه الواقع في مواجهة الأمور الدعوية فنرى الداعية الأعظم ﷺ يعالج القضايا بأساليب شتى في تلك الحوارات. ففي الحوار الأول عندما ذهب إليه علي ﷺ فعرف من وجهه، أن عليا جاء ليشتكي فقال علي:((فَعَرَفَ النَّبِيُّ ﷺ فِي وَجْهِي الَّذِي لَقِيتُ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: مَا لَكَ))هذا من ناحية ومن ناحية أخرى عندما خاطب النبيﷺ حمزة وجعل يلومه، أما حمزة فكان محمرة العينين من أثر السكر فعرف النبي ﷺ أثر الشرب من وجهه، ثم رد حمزة رداً فقال: ((هَلْ أَنْتُمْ إِلاَّ

---

[١] مخرمة هو والد المسور، وهو ابن نوفل الزهري، كان من رؤساء قريش ومن العارفين بالنسب وأنصاب الحرم، وتأخر إسلامه إلى الفتح، وشهد حنينا وأعطي من تلك الغنيمة مع المؤلفة، ومات سنة أربع وخمسين وهو ابن مائة وخمس عشرة سنة. انظر الذهبي، شمس الدين أبو عبد الله مُحَمَّد، سير أعلام النبلاء، مؤسسة الرسالة، بدون سنة، ٣/٣٩٠

[٢] الجامع الصحيح، كتاب الهبة، باب كيف يقبض العبد والمتاع، رقم الحديث:٢٥٩٩، صحيح مسلم ،كتاب الزكاة باب إعطاء من سأل بفحش وغلظة، رقم الحديث:١٠٥٨

[٣] الجامع الصحيح،كتاب المرضى،باب عيادة المغمى عليه ، رقم الحديث:٥٦٥١، صحيح مسلم ،كتاب الفرائض، باب ميراث الكلالة،رقم الحديث: ١٦١٦

[٤] الجامع الصحيح،كتاب العيدين، باب الحراب والدرق يوم العيد، رقم الحديث:٩٤٩، ٩٥٠، صحيح مسلم ،كتاب العيدين، باب الرخصة في اللعب الذي لا معصية فيه، رقم الحديث:٨٢٩

عَبِيدٌ لأَبِي فَعَرَفَ رَسُولُ اللهِ ﷺ أَنَّهُ قَدْ ثَمِلَ، فَنَكَصَ رَسُولُ اللهِ ﷺعَلَى عَقِبَيْهِ الْقَهْقَرَى))(١), فمن حكمة الدعوة أن يترك الشخص المدعو الحبيب عند هذه الأوضاع حتى يفيق.إن المدعوين مختلفين في هذا الحوار وكان أسلوب مخاطبتهما مختلف أيضاً.

نرى في الحوار الثاني تعظيم الأمر في نفس المدعو التي يدعى إليها أو ينهى عنها، لقد شبه النبي ﷺ الحمو بالموت، لسد الذرائع إلى الوقوع في المعصية، والحمو هو قريب الزوج؛ لأن دخوله على النساء ليس مستغرب عند الناس، أي أنه قد يتساهلون فيه، وقد حذر النبي ﷺ عن هذه القرابة فما بال الآخرين. كما دل الحديث على خطورة الخلوة بالنساء والدفاع عن أنفسهن، وعدم الخلوة بغير المحرم (٢).

دل الحوار الثالث عن إزالة الشك وعدم وقوع وساوس الشيطان، حتى لا يبقى أي شك أو ظن قد يظن به المدعو، فقام ﷺ بإخبار الصحابة عن زوجه, وذلك سدا للذريعة ، ودفعاً لما يؤدي إلى التهمة((فَقَالَ لَهُمَا النَّبِيُّ ﷺ: عَلَى رِسْلِكُمَا، إِنَّمَا هِيَ صَفِيَّةُ بِنْتُ حُيَيٍّ فَقَالاَ: سُبْحَانَ اللهِ، يَا رَسُولَ اللهِ وَكَبُرَ عَلَيْهِمَا)) قال ابن حجر رحمه الله تعالى في شرح الحوار: "أن النبي ﷺ لم ينسبهما إلى إنهما يظنان به سوءا لما تقرر عنده من صدق إيمانهما ولكن خشي عليهما أن يوسوس لهما الشيطان ذلك لأنهما غير معصومين فقد يفضى بهما ذلك إلى الهلاك فبادر إلى إعلامهما حسما للمادة وتعليما لمن بعدهما"(٣).

من حق الداعية أن يدرأ ويدفعَ عن نفسه التهمَ والشبه . علمنا النبي ﷺ بقوله ((يَا فُلَانُ ! هَذِهِ زَوْجَتِي فُلَانَةُ)) أراد أن يدرأ عن نفسه ما قد يطرأ في نفس الرجل من اتهام له بما ليس فيه . فالرسول ﷺ أراد أن يعلم الرجل مجرد خطورة الظن السيء فيه ، فأخبره أولا : أنها زوجته، ثم حذره من كيد الشيطان ودسائسه والظن السيء أكذبُ الحديث ، وهو من أخطر الآفات (٤)، ويشتد خطرُه إذا كان ظناً في الله أو في رسوله ﷺ وفي هذا الحديث بيان لهذا الخطر ، قال الإمام الجصاص رحمه الله: "إذا ظن بالمسلم سوءاً من غير سبب يوجبه فهذا محرم؛ لأن سوء الظن بالمسلمين الذين ظاهرهم العدالة محظور مزجور عنه"(٥).

---

(١) القهقرى: وَهُوَ الْمَشيُ إِلَى خَلْف مِنْ غَيْرِ أَنْ يُعيد وجْهه إِلَى جِهة مَشْيه. قِيلَ: إِنَّهُ مِنْ بَابِ القَهْر.انظر:ابن الأثير، النهاية في غريب الحديث والأثر، ١٢٩/٤

(٢) ابن حجر، أحمد بن علي بن حجر العسقلاني، فتح الباري، في شرح كتاب النكاح، باب لا يخلون رجل بامرأة إلا ذو محرم والدخول على المغيبة، رقم الحديث: ٥٢٣٢، والنووي، شرح النووي على مسلم

(٣) ابن حجر، هدي الساري ، دار المعرفة ، بيروت،١٣٧٩هـ ،٢٧٩/٤

(٤) قال تعالى:﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا يَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضًا أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَنْ يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ تَوَّابٌ رَحِيمٌ﴾ سورة الحجرات، الآية :١٢

(٥) الجصاص، أحمد بن علي أبو بكر الرازي ، أحكام القرآن: ، الطبعة : الطبعة الأولى، ١٤١٥هـ/١٩٩٤م، دار الكتب العلمية بيروت، لبنان، ٥ / ٢٨٨

إن الداعية المخلص يقوم بمراعاة أحوال المدعوين وظروفهم، ويعرف طبائعهم، نرى في الحوار الرابع أنه ﷺرأى الصحابة في صلاة الصبح فسألهم قبل أن يسألوه عن أبي عبيدة ابن الجراح، ثم بشرهم، وأعطاهم، وقال: ((فَوَاللهِ لاَ الْفَقْرَ أَخْشى عَلَيْكُمْ)).

نجد في الحوار الرابع أيضاً التحذير من التنافس في الدنيا والانشغال بها؛ لأن النبي ﷺقال: ((فَوَاللهِ لاَ الْفَقْرَ أَخْشى عَلَيْكُمْ ، وَلٰكِنْ أَخْشٰى عَلَيْكُمْ أَنْ تُبْسَطَ عَلَيْكُمُ الدُّنْيَا)) قال ابن حجر رحمه الله: "وفيه أن المنافسة في الدنيا قد تجر إلى هلاك الدين"(١)"لأن المال مرغوب فيه فترتاح النفس لطلبه، فتمنع منه، فتقع العداوة المقتضية للمقاتلة، المفضية إلى الهلاك"(٢).

من أساليب الدعوة القسم للتأكيد و تعظيم الأمر من أهم ما يستخدمه الداعية في دعوته ودل الحوار على التأكيد بالقسم؛ لقوله ﷺ: ((فَوَاللهِ لاَ الْفَقْرَ أَخْشى عَلَيْكُمْ)) .

إن الداعية يعترف الخطأ و السهو إذا وقع منه، ومن ثم يصلح هذا السهو، وذلك يؤدي إلى تزويد الحب والقرابة بين الداعية والمدعو، ويترك الأثر البالغ في قلب المدعو، نرى في الحوار الخامس اعتراف السهو في توزيع المال، ثم أعطى مخرمة سهمه، ورضي مخرمة.

إن الحوار لا يكتمل إلا بالسؤال والجواب فكان السؤال والجواب من أساليب الدعوة في حوارات النبي ﷺ ففي الحوار السادس سأل الصحابي عن الميراث، فنتيجة لسؤاله نزل الوحي، وهذا أعظم الإحسان على الأمة، وفي الحوار السابع نرى حسن معاشرة الداعية مع الأهل والزوج، وازدياد العلاقة الودية بينهما، وحسن الخلق من أعظم الصفات التي لابد أن يتصف بها الداعية ولاسيما مع الأهل والأولاد والأزواج، يقول القاضي عياض في شرح الحوار: "وفيه جواز نظر النساء إلى فعل الرجال، مثل هذا، لأنه إنما يكره لهنَّ من النظر إلى الرجال ما يكره للرجال فيهن من تحديق النظر لتأمل المحاسن، والالتذاذ بذلك، والتمتع به، وفيه ما كان عليه – عليه السلام – من حسن الخلق، وكرم العشرة مع الأزواج، وجميع الخلق"(٣).

إن هناك حوارات النبي ﷺ التي تتعلق بالشؤون التربوية وتركز على تربية المدعو وتثقيفه خلال السؤال والجواب والمحاورة، ولقد جُمعت الحوارات الخاصة في المعاملات التي تتضمن التعليم والتربية والتثقيف والتوعية.كما نجد الحوارات في البخاري ومسلم المتفق عليها في المعاملات بين الأفراد لتعليمهم باستخدام أسلوب القَسم وإظهار المعجزة، وإنكار المنكر، والترغيب والترهيب والاهتمام بالمعاملات المتعلقة بالمجتمع

---

(١) المصدر السابق:٣٦٣/٦

(٢) المصدر السابق:٢٤٥/١١

(٣) القاضي عياض بن موسى ،شرح صحيح مسلم، إكمال المعلم بفوائد مسلم،التحقيق الدكتور يحيى إسماعيل، دار الوفاء للطباعة ، مصر،الطبعة الأولى،١٤١٩ هـ،٣٠٩/٣

وعلاج المرضى،وإكرام الضيف، وإطعام الطعام، والشؤون العامة، وأما هنا فنكتفي إلى هذا الحد تجنباً من الإطالة.

الخاتمة:

استُخرجتْ بعض الفوائد والدروس الدعوية وفق أساليب البحث المعروفة في الأوساط العلمية وثبت خلال البحث:

١-أن الحوار أهم أسلوب من أساليب الدعوة فلابد أن يعتني به الداعية إلى الله في ضوء هدي النبي ﷺأن الداعية هو كل مسلم، يدعو إلى الخير وينهى عن الشر حسب علمه ومرتبته، ومسؤوليته في المجتمع. وذلك التزاما بمنهج النبي ﷺ في دعوته.

٢-أن الداعية يقوم بجلب المصالح وتكثيرِها، ودرءِ المفاسدِ، حسب فهم الداعية وحكمته وفقهه، وفي البحث مواطن كثيرة يستفيد منها الداعية.

٣-أن العقيدة مبدأ من مبادئ الدين يليها المبادئ الأخرى، ومنها العبادات بجيمع أقسامها، وهي كلها من حقوق الله تبارك وتعالى، وأن المعاملات نصف الدين اهتم بها النبي ﷺ منذ الطفولة إلى آخر لحظة من حياته ﷺ كما إن هناك الآلاف من الأحاديث في أسلوب الحوار تُعلم الإنسانية حسن الخلق والمعاملات الحسنة بين الأفراد والمجتمعات من الصدق، وإيفاء العهد وإعطاء حقوق الآخرين، وإغاثة المحتاجين وإكرام ذي الشيبة المسلم وما إلى ذلك من حقوق العباد،أن حقوق العباد وهي المعاملات بين الناس ليست أقل أهمية من العبادات، فلا بد أن يعتني بها الداعية والمدعو، ليكون المجتمع مجتمعاً إسلاميا، عدلاً، سليما من الظلم والعدوان والتشريد.

مقاومة الاستبداد بين الشعرين:العربي والأردي

Renitency of Despotism in Modern Arabic & Urdu Poetry

د. عبيد الرحمن السيالكوتي*

ABSTRACT

A huge part of the poetic and prosaic production of all the major literatures contains such example that have been written in the form of poetry defending the rights of despoiled people and challenging the power and despotism of the rulers. These workings are worth of study because they contain a sublime human message, a concessionary thinking, a moral depth and a fascinating impact on the hearts/minds of the public at large. These messages were accepted by the common people and won their hearts because it was a literature of meaningful message and determination and not a literature of adulation and humiliation.

in the twentieth century, the Urdu literature honored with the presence of big names such as Faiz Ahmed Faiz, Habib Jalib, and Ahmed Faraz, Their rose their voice with all its strength against the manifestations of all kinds of despotism especially the political despotism in their societies and countries and enriched the literature of despotism. In the Arabic literature, poetry of renitency to despotism grew stronger, became handsome and improved headed by Ahmed Mater from Iraq, Mohamed Mehmood Al-Zubairy from Yemen, and others. Among the incentives of this research work, one is the beauty, strength and steadfastness of the literature Renitence despotism. It is a literature that attained immortality and survival and thus fitted with every time and place because the tragedy is repeated in the same form and the message appears with the same force. For example, the Urdu poems that were written in the times of dictatorship in seventies and eighties of the twentieth century are still valid and suit our environment and as narrated and sung with the same power and interest. This research work aims at the for the points of convergence and similarities between Arab and Urdu poets in the field of political poetry in general and the Poetry of Renitency to Despotism in particular and compare the technical and thematic characteristics of the poetry the poets of both the languages have been made besides describing the individual and common features that they have.

Keywords: *Renitency, Despotism, Dictatorship, Fazi, Jalib, Zubairi, Matar*

---

* عضو هيئة التدريس بكلية اللغة العربية بالجامعة الإسلامية العالمية بإسلام آباد

مفهوم الاستبداد وتاريخه

الاستبداد[١]مأساة إنسانية قديمة ولها تاريخ موغل في القدم، تظهر بألوان عديدة وتتكرر بأشكال مختلفة، وتعاني منها الإنسانية منذ قديم الزمان وما زالت تعاني في العصر الحديث وإن خفَّت حدة الظاهرة في العصر الحاضر بفضل الأنظمة الديمقراطية وتقارب الأمم والاتصال السريع والوعي السياسي اليقظ لدى الشعوب والأفراد. والاستبداد "هو أحد أشكال الحكم يتولى السلطة العليا فيه ملك أو جماعة صغيرة بمقتضى دستور أو بدونه، ويتميز بالسلطة غير المحدودية أو الاستبدادية"[٢]. والحكومة الاستبدادية هي الحكومة التي لا تخضع في ممارستها لسلطة القانون أيا كان مصدره، فالمحدد الأول والأخير لوسيلة الحكم وعلاقة السلطة بالفرد هو الحاكم صاحب السيادة الوحيد. فلا توجد في ظل الحكومة الاستبدادية حريات حقيقية لأن الاستبداد يؤدي إلى إنقاص بل إهدار الحريات"[٣].

ومن فطرة الله في الكون والخلق أنه لا يوجد استبداد وإلا تظهر معه المقاومة، لأن النفوس لا تقبل الجور والضيم فتثور عليه ولذلك اقترنت المقاومة بالاستبداد منذ بداية التاريخ البشري. وكما نعرف أن "الشعر ارتبط منذ بداياته بتصوير معاناة الإنسان والتعبير عن مكنونات وجدانه والكشف عن مستور خلجاته"[٤]، فيجد الدارس لجميع الآداب الكبرى أن قدرا كبيراً من المادة الأدبية كان وليد التقلبات السياسية والتغيرات الحكومية، وكذلك شأن الأدبين العربي والأردي فنشأ كم كبير منهما في قصور الحكم وفي صحبة الملوك والخلفاء والوزراء والأمراء وإثر حروب ومعارك واشتباكات. ففي حين تروي لنا كتب الأدب قصصا كثيرة عن اكتساب الشعراء المرتزقين هبات وعطايا من الملوك ثمن تملقهم ومبالغتهم في مدحهم تروي لنا كذلك قصص شعراء ذهبوا ضحية شعرهم لاختلاف الرأي ومعارضتهم للسلاطين والملوك، لأنهم –على العكس من الشعراء المتواردين على أبواب الملوك والخلفاء والوزراء –لم يبيعوا كلمتهم

---

(١) تتضمن كلمة "الاستبداد"في المعاجم اللغوية والموسوعات السياسية المختلفة مدلولات متقاربة مثل الحكم بلا زمام والقوة المطلقة وسلب الحرية وغصب الحقوق الفردية واحتكار شيء وغيرها، انظر: ابن منظور، مُحَمَّد بن مكرم ، أبو الفضل جمال الدين، لسان العرب، دار صادر، بيروت، لبنان. الطبعة الثالثة، ١٤١٤ هـ،٨١/٣ و مجموعة من الباحثين، الموسوعة الفقهية، إصدار وزارة الأوقاف والشؤن الإسلامية بدولة الكويت. ط٣، ١٤٢٥هـ، ١٦٦/٣ وكذلك: لويس معلوف، المنجد في اللغة والأعلام، المطبعة الكاثوليكية، بيروت، لبنان، ط٢١، ١٩٧٣، مادة (ب دد)، ص: ٢٨

(٢) بدوي، أحمد زكي، معجم مصطلحات العلوم الاجتماعية، مكتبة لبنان، بيروت، ط١٩٩٧م، ص:٣

(٣) الخطيب، نعمان أحمد، الوسيط في النظم السياسية والقانون الدستوري، دار الثقافة للنشر والتوزيع، عمان، الطبعة السابعة، ١٤٣٢هـ/٢٠١١م، ص:٢١٣

(٤) العطوي، مسعد بن عيد، تأملات في الشعر العربي المعاصر، عالم الكتب الحديث، إربد، أردن، ط ٢٠١٤م، ص:٥

وفنهم وحريتهم بثمن بخس بل أدركوا كرامة فنهم فاتخذوه سلاحا لإعلاء كلمة الحق ضد الاستبداد والظلم والجبر غير مبالين بما ألقى عليهم من ألوان التعذيب من النفي والقتل والأسر والضرب وغيرها.

ونظرا إلى أهمية هذه التيار الشعري المناهض للطغيان ودوره العظيم في التوجيه الفكري لدى الشعوب تستهدف هذه الدراسة إبراز ما يلي من النقاط المهمة:

التمهيد، وفيه مفهوم الاستبداد وتاريخه

١- من أساب ظهور المقاومة الشعرية

٢- الشعر الأردي المقاوم وريادته

٣- المقاومة في الشعر العربي المعاصر وريادته

٤- تقسيم موضوعات الشعر المقاوم إلى أربعة أنواع

النوع الأول: الموضوعات المتعلقة بمعاناة ضحايا الاستبداد

النوع الثاني: الموضوعات والقضايا المتعلقة بالقوة المستبدة

النوع الثالث: الموضوعات والقضايا المتعلقة بالقوات المساعدة للاستبداد

النوع الرابع: الموضوعات والقضايا المتعلقة بالشعوب التي تعاني مأساة الاستبداد

٥- بعض خصائص شعر المقاومة

٦- الخاتمة

٧- النتائج

أولا: من أسباب ظهور المقاومة الشعرية

في النصف الثاني من القرن العشرين وبعد تحرر معظم البلاد الإسلامية وإقامة حكومات محلية بعد انصراف الاستعمار وتحولها إلى الحكومات المستبدة تكاتف شعراء العرب وشعراء الأردية مع الحركات الشعبية ضد الاستبداد والديكتاتورية وأسهموا في إيقاظ الوعي الإنساني العام لدى جميع الطبقات ونفخوا فيها روح الحماس وألهبوا نار الغيرة، وهذا وفر لنا بابا مستقلا باسم أدب "مقاومة الاستبداد" أو "أدب الثورة" أو "شعر اجتماعي" أو "شعر سياسي" كما شاع في الأدب العربي أو كما عرف في الأدب الأردي باسم"*مزاحمتی ادب*" (أدب المعارضة أو الأدب المقاوم). ولعل المصطلح الأردي يناسب الغرض أكثر من المصطلح العربي الذي فيه نوع من الاتساع، فقد يحتمل "الأدب السياسي" شعرا غير شعر المقاومة بما فيه شعر مديح الحكام وشعر الوقائع والأحداث والمناسبات السياسية وغيرها. ويجب ألا يغفل عن بالنا أن أدب المقاومة بصفة عامة قد يعنى به"الأدب الذي يصور مقاومة الشعوب للاحتلال والاستعمار"(١) إلا

---

(١) نواف نصار، المعجم الأدبي، دار ورد للنشر والتوزيع، أردن، ط١، ٢٠٠٧م، ص:١١

أن المقاومة عندما تكون ضد الاستبداد المحلي أو ديكتاتورية الحكام فحينئذ يستخدم في الأدب العربي مصطلح "الأدب السياسي" أو "أدب الثورة" تعبيرا عن هذا النوع من المقاومة التي تتخذ من مظالم الحكومة ومخازي الحكام موضوعه الأساسي، وتستخدم كلمات مثل "شعر سياسي" أو "شعر اجتماعي" لهذا اللون الشعري.

ثانياً: الشعر الأردي المقاوم وريادته

سرى عدد كبير من شعراء الأردية ركبا متحدا قاصدا نحو هدف واضح وواعيا بوعورة الطريق ومخاطره ومستعدا لأي تضحية من أجل مقاومتهم، وبفضلهم أصبح المقاومة الشعرية الأردية للاستبداد سجلا مفتوحا يصف مظاهر الاستبداد ومآسيه بدقة، ومجهرا قويا يزيل الستار عما دبر من مكايد ضد الشعوب المستكينة في عصور الاستبداد، ووصفة ناجحة تشخص مواضع هذا الداء العضال وتصف علاجا لقمعه والتخلص منه. ولا يتنازع اثنان في أن الريادة في الشعر الأردي المقاوم لثلاثة شعراء كبار، على رأسهم الشاعر الرومانسي ذي النغمة الهادئة فيض أحمد فيض[١] والشاعر الثوري صاحب الصرخة الاحتجاجية المتعالية حبيب جالب[٢] وشاعر الشبان أحمد فراز[٣]. وحوى شعرهم موضوعات عديدة تتعلق بالشعب الباكستاني الذي عانى مأساة الاستبداد في فترات متتالية كما كشف عن جوانب عديدة لمدى مسئولية الشعب نفسه في جر وبال الاستبداد على نفسه وأناروا درب الكفاح وطريق الأمل أمامه.

وأول ما يلمحه الدارس خلال دراسة الشعر الأردي المقاوم مظاهر الخوف المسيطر والذعر المنتشر والقسر السائد على أجواء البلاد بكل شدتها، وتتجلى صور عديدة تنبئ عن الأحوال النفسية والفكرية والأمنية والعملية التي سادت خلال عصور الاستبداد. ورسم شعراء المقاومة صورا محزنة لمعاناة شعبهم خلال فترة الاستبداد، إذ يجرب المستبد كل أساليب الظلم المبتكرة لتخويف معارضيه وكبح صوت الحرية، ويحاول إعادة أذهان شعبه الحر إلى زمن الرق وينزل عليه من أجل ذلك كل هوان، فجاء نعيهم

---

(١) ولد عام ١٩١١م بمدينة سيالكوت، تعلم في مدينته العلوم مبادئ العلوم الدينية واللغة العربية، وحصل على شهادة بكالوريوس الشرف في اللغة العربية فضلا عن ليسانس الشرف ثم حصل على شهادتى الماجستير في اللغة العربية واللغة الإنجليزية. وتوفي سنة ١٩٨٤م. إشفاق حسين،"فيض احمد فيض، شخصيت اور فن" (فيض أحمد فيض: الشخصية والفن)، بالأردية، اكادمى ادبيات پاكستان اسلام آباد، (أكاديمية الأدب بباكستان، بإسلام آباد)، ط٢، سنة ٢٠٠٨م، ص:١٣ وما بعدها (باختصار)

(٢) طاهر أصغر، "جالب بيتى"، بالأردية، (سيرة جالب بلسان جالب)، الناشر: جنگ پبلشرز، لاهور، باكستان، ط ١٩٩٣م، ص: ١٢٩

(٣) مجموعة من الباحثين، "*انسائیکلو پیڈیا ادبیات عالم*"، بالأردية، (موسوعة الآداب العالمية)، إصدار: اكادمى ادبيات پاكستان اسلام آباد، (أكاديمية الأدب بباكستان، بإسلام آباد)، ط١، ٢٠١٣م، ص:٨٠٩

على هذه الأحوال التي حلت بالوطن بنغمة حزينة مشتركة رسمت لنا قساوة الأوضاع في العهود الاستبدادية فجزعوا وشكوا دون أن يفلت من أيديهم خيط الأمل أو يغلبهم نوع من اليأس كما نجد كل شاعر مقاوم ينسى همومه الشخصية الذاتية ويدخل المعترك السياسي بسلاح الشعر ودرع القصيدة يهاجم عدوه المستبد ويدافع عن شعبه المستغيث المستكين ويعبر عن تطلعات الشعب وآماله ويصور المعاناة المزدوجة للشعب. ويتألم لما يرى ويحزن لما يشاهد فلا يملك نفسه إلا ويصرخ في وجه المستبد يتحداه بكل قوة وشدة. والتوافق المعنوي والتشابه الصوري بين شعراء المقاومة جلي باد لا يحتاج البحث عنه إلى جهد كثير.

ثالثاً: المقاومة في الشعر العربي المعاصر وريادته

أما الأدب العربي فمصطلح "أدب المقاومة" معروف فيه تعبيرا عن كفاح وجهاد الشعراء والأدباء ضد القوى المستعمرة والمحتلة، أما مقاومة الاستبداد المحلي فإلى الآن لم يظهر ولم يستقر له مصطلح مستقل وعادة يطلق على هذا اللون من الأدب "الأدب السياسي" بمفهومه الواسع الذي يضم كل ما فيه من شعر المناسبات ومدح الحكام والاختلاف عنهم وغيرها من الموضوعات، ولا يعني غياب المصطلح أو عدم الاتفاق عليه غياب الشعر العربي في هذا الباب، بل ما طبع منه هو كثير، وما لم يظهر بعد هو كثير كذلك، ومن المنشور ما طبع فورا ومنه ما أجل نشره من أجل الاتقاء من مخاطر معلومة.

وهناك ثلاثة شعراء عرب كانوا على رأس قائمة الشعراء الذين عرفوا بلهجتهم الثورية وشعرهم المقاوم في الأقطار العربية الثلاث مصر في الفترة بعد انصراف الاستعمار، ويعتبر الشاعر اليمني أبو الأحرار محمد محمود الزبيري[(١)] أعلى صوت ثوري ضد الاستبداد الذي حل بأرض اليمن، قضى حياة مليئة بكفاح سياسي مصحوبة بمقاومة شعرية مؤثرة. وقف معظم شعره لقضيته الكبرى، حرية بلاده وشعبه، فأوجد لنفسه مكانة متميزة في الشعر العربي اليمني[(٢)]، وهو رائد الحركة الإصلاحية اليمنية وداعية السلام والحرية

---

(١) محمد بن محمود الزبيري، سياسي، شاعر ثائر، من صنعاء، ولد سنة ١٩١٠م، له ديوانان، "ثورة في الشعر" و"صلاة في الجحيم"، وكتب أخرى صدرت بعد وفاته، واغتيل سنة ١٩٦٥م. محمد خير رمضان يوسف، معجم المؤلفين المعاصرين في آثارهم المخطوطة والمفقودة وما طبع منها أو حقق بعد وفاتهم، (النسخة الإلكترونية)،مكتبة الملك فهد الوطنية، الرياض، المملكة العربية السعودية، ص:٧٠٨

(٢) هيئة المعجم، معجم البابطين لشعراء العربية في القرنين التاسع عشر والعشرين، مؤسسة جائزة عبد العزيز سعود البابطين للإبداع الشعري، الكويت، ط١، ٢٠٠٨م، ٨٣/١٩

والعدالة في تاريخ اليمن المعاصر(١) وعلق اسمه بذاكرة التاريخ مقرونا بأول معارضة لحكم الإمامة في اليمن ثم انقلاب ١٩٤٨م وبأول عمل صحفي حر في اليمن ثم انقلاب ١٩٥٥م(٢)، وأخيرا كمم فمه بعد ما قتلته يد مجهولة، وأذاب الزبيري حقا حياته في شعره كما ذاب شعره في حياته حتى لا يمكن الفصل بينهما(٣). وأخرج اليمن من عزلتها وأزمتها بشعره وبكلمته، رافضا كل أنواع العروض والمغريات لأنه يؤمن بأنه: البسيط

ولــــيسَ يُجْــــدي دَفِينــــا، أنَّ حفرَتَـــــه
مُزدانـــــة طَفَحَـــــت بالعِطـــــر والعُــــود(٤)

والشاعر الشاب الشهيد هاشم الرفاعي(٥) (١٩٣٥م -١٩٥٩م) من أولئك الشعراء الذين لم يمنحهم القدر فرصة كافية وطويت صفحة حياتهم بسرعة مثل الشابي فقد اغتيل وهو في السن الرابعة والعشرين من عمره. وكان في تجاربه الشعرية الدينية يحاول استنهاض العزائم حتى تعود الأمة الإسلامية كما كانت في عهدها الذهبي قوة عزيزة المنال لها صوتها وهيبتها ومكانتها''(٦). وديوانه "جراح مصر" هو ذلك العمل الشعري الذي يفصح عن اختلاجات الشاعر في العهد الذي عاشه والمأساة التي حلت بمعارضي الحكومة ومطالبيها بحرية الرأي عن التعبير، ويقال إن الشاعر قالها سريا ولم ينشرها باسمه في حياته وكان أخوه هو الذي نشرها بعد قتله ولم يفعلوا ذلك إلا خوفا بتنكيل الحكام به وإلحاق أضرار بأسرته. ويضم الديوان المذكور عشر قصائد تصف الأوضاع في ذلك العهد وتصور المأساة التي ابتلى بها الشعب المصري في تلك الفترة. وخير ما يلخص فكره الشعري هو بيته: الكامل

---

(١) المقحفي، إبراهيم أحمد، معجم البلدان والقبائل اليمنية، دار الكلمة للطباعة والنشر التوزيع، صنعاء، الجمهورية اليمنية والمؤسسة الجامعية للدراسات والنشر والتوزيع، بيروت. ط١٤٢٢هـ ، ٧٣٦/١

(٢) الزركلي، خير الدين، الأعلام، دار العلم للملايين، بيروت، ط١٥، مايو ٢٠٠٢م، ٩١/٧. وانظر: المقحفي، إبراهيم أحمد، معجم البلدان والقبائل اليمنية، ص: ٧٣٦

(٣) الزبيري، مُحَمَّد محمود، مقدمة ديوان الزبيري، دار العودة، بيروت، لبنان، ط ١٩٨٦م ص: ١٣

(٤) المرجع السابق، ص: ٢٨٨

(٥) سيد بن جامع بن هاشم بن مصطفى الرفاعي، كان ينتمي إلى أسرة دينية وعلمية. انظر: معجم المؤلفين، تراجم مصنفي الكتب العربية، تأليف عمر رضا كحالة، مؤسسة الرسالة، بيروت. ط١/ سنة ١٤١٤هـ ، ص:٥١/٤ وانظر: هيئة المعجم، معجم البابطين، ٤٦٥/٢١ وانظر: الرفاعي، هاشم، ديوان هاشم الرفاعي، جمع وتحقيق: مُحَمَّد حسن بريغش، مكتبة المنار، الزرقاء، الأردن، ط٢، ١٤٠٥هـ، ص: ١٦

(٦) د. صابر عبدالدايم، الأدب الإسلامي بين النظرية والتطبيق، دار الشروق، القاهرة، مصر، ط١، ١٤٢٢هـ، ص: ٣٢٣

كُـــــلُّ الَّـــــذي أَدرِيــــــهِ أن تَجَرُّعِـــــى
كَـــأْسَ الْمَذَلَّـــةِ لَـــيْس فِي إِمْكَـــانِي[١]

والشاعر أحمد مطر[٢] أشد صوت ثوري مدوي في العالم العربي منذ أربعة عقود باستمرار يرسم معاناة الشعوب العربية بأدق تفاصيلها ويهجو الأنظمة الحاكمة المستبدة بلهجة صارخة وساخرة وصور بالغة في الهجاء والنقد، صاغ من شعره سيفه الذي يشق به صدر الطغاة المستبدين. شعره تلك المرآة الصافية التي تعكس لنا صورا واضحة لمآسي الاستبداد القابع على الأراضي العربية دون تغيير وتحريف. دفع ثمن جرأته فنُفِي من الكويت ولما ضاقت به أرض البلاد العربية أمن له العيش بلندن حيث يقيم منذ ثلاثة عقود أخيرة[٣]، عمل في مجال الصحافة واستقال لشعوره باختناق نفسه في أجوائها الضيقة. والحرية هي الفكرة الوحيدة التي تسود دواوينه كلها، وذلك سمي حقا "شاعر الحرية" وسماه آخرون بـ"ملك الشعراء".

ولكشف خبايا الاستبداد ورزاياه أكثر في شعره استخدامه لصور ساخرة وعبارات بالغة في الهجاء وتناوله لقضايا لم يجرؤ أحد غير مطر على إثارتها والتنبيه إليها، فهناك من سماه "شاعرا ساخرا" دون أن يحط هذا اللقب من قيمة شعره. فالحكم على الشاعر أحمد مطر بالمبالغة في النقد والاستهزاء بالحكام لا يخلو من الصدق لوجود عشرات بل مئات الأمثلة الشعرية لذلك غير أنه لا يمكن للقارئ إهمال هذه الصور والتهاون بها بمجرد هذا الحكم لأنها صورتفيض بالحقائق المؤلمة التي لا يمكن لأحد رفضها والهروب منها، وتحاول الحكومات المستبدة دائما إخفائها وخاصة فيها غير قليل من القضايا التي لم يجرؤ أحد غير مطر في إثارتها والتنبيه إليها.

ولا يستقيم أمر الأفراد والمجتمعات في رأي أحمد مطر إلا بمعيار العدل، ولا يمكن التعويض عن خسارة العدل بأي مظهر من مظاهر التقى والصلاح:

لنْ تَقوَى عِندي بالتَّقوى– ويَقينُكَ عندي بُهتانْ
إن لم يَعتَدِلِ الميزانْ – شَعْرَةُ ظُلمٍ تَنسِفُ وَزنَكَ
لو أنَّ صلاتَكَ أطنانْ– الإيمانُ الظالمُ كافر

---

(١) الرفاعي، ديوان هاشم ، قصيدة "رسالة في ليلة التنفيذ"، ص:٣٦٠

(٢) أحمد مطر، شاعر عراقي معاصر، ولد في البصرة في مطلع الخمسينيات من القرن الماضي، وهو مستقر حاليا في لندن بعد سلسلة النفى التي واجهها بسبب شعره المعارض الذي تميز به حتى الآن. الوحش، مُحَّد موسى، موسوعة أمراء الشعر العربي، دار دجلة للنشر والتوزيع، ط٢٠٠٨م، ص: ١٠٩

(٣) المرجع السابق

والكُفرُ العادِلُ إيمانْ- هذا ما كتب الرحمنْ[١]

رابعاً: تقسيم موضوعات الشعر المقاوم إلى أربعة أنواع:

وتشابهت آراء شعراء المقاومة العرب والأرديين في قضايا عديدة وتقاربت أساليبهم وحتى كلماتهم في بعض الأحيان تعبيرا عما يتعلق بهذه القضايا. ويمكن تقسيم الموضوعات والقضايا التي دار شعر المقاومة العربي والأردي حولها إلى أنواع أربعة رئيسة وهي كما يلي:

النوع الأول: الموضوعات والقضايا التي تتعلق بمعاناة ضحايا الاستبداد، أفرادا وجماعات وقبائل في العهود الاستبدادية.

النوع الثاني: الموضوعات والقضايا التي تتعلق بالقوة المستبدة كانت فردا أو طائفة كالجيش المحتل المستبد أو أسر معينة أو طبقات معينة.

النوع الثالث: الموضوعات والقضايا التي تتعلق بالقوات التي تمد الاستبداد بعونها وهي تتمثل في أفراد وجماعات وأحزاب وطبقات ومؤسسات.

النوع الرابع: الموضوعات والقضايا التي تتعلق بالشعوب المسكينة التي تعاني مأساة الاستبداد لحقبة قصيرة أو طويلة.

النوع الأول: الموضوعات المتعلقة بمعاناة ضحايا الاستبداد

وأكثر الشعراء المقاومون من تصوير ما عاناه ضحايا الاستبداد في العهود الاستبدادية ووصفوا مرارة العيش التي ذاقوها على يد المستبدين الطغاة. ويدخل بنا هذا النوع من الشعر في غياهب السجون والزنزانات والمعتقلات وغيرها من أماكن التعذيب حيث رسم الشعراء أحوال المعذبين القاسية في شكل أبيات كثيرة وقصائد كاملة، كما تجلت مآسي المفقودين الذين اختطفتهم القوات الأمنية التابعة للطغاة المستبدين فذهبت آهاتهم سدى في الأجواء دون أن يعثر على أثر لهم. كشف أحمد مطر في قصيدة عن حقيقة تزييف أسباب موت الذين تختطفهم أيد سرية لاشتباهات ثم يعثر على جثثهم مرماة في شوارع أو غابات أو تكشف تقارير طبية مزيفة عن أسباب موتها، والقصيدة عبارة عن طالب يدرس في كلية الطب وذهب ضحية لطبعه المتجسس فاختطفه رجال الأمن وبعد أيام عثر عى جثته بأثر رفسات وجروح بندقية:

وبعد يوم واحد أفرج عن جثته بحالة أمنية:

في رأسه رفسة بندقية في صدره قنبلة بندقية في ظهره صورة بندقية[٢]

---

(١) مطر، أحمد، لافتات ٥، قصيدة "هات العدل"، منتدى سور الأزبكية، لندن، ط ١٩٩٤م، ص:٥٦

(٢) مطر، أحمد، لافتات ٢، قصيدة "الطب يضر بصحتك"، ص: ١٩

غير أن التقرير الذي أصدر من المستشفى كان يرفض هذا الواقع وكان ينص على أنه مات بسبب سكتة قلبية. وعلى هذا المنوال ذهب المئات والآلاف ضحايا للجرائم التي ترتكبها الهيئات الأمنية وظلت آهات المنكوبين تذهب سدى دون صدى. ومن تلك القضايا قساوة الأحوال التي ذاقها اللاجئون والمتشردون بسبب قهر الاستبداد فضاقت عليهم الأرض بما رحبت. وأشد ما يتأثر بالاستبداد ممن يتأثر به طبقات العمال والفلاحين والفقراء فجاء في شعر مقاومة الاستبداد تفصيل وفير لمآسيهم. وصف الشاعر هاشم الرفاعي مشاعرهم أدق وصف في قصيدتيه، أحدهما "غرام لاجئ" وثانيهما "وصية لاجئ" وهي عبارة عن خلجات لاجئ متشرد، يقول:

مَأســـــاتنا مأســـــاة ناس أبــــــرياء
وحكايـــة يغلـــي بأســـطرها شـــقاء
حملـــت إلى الآفـــاق رائحـــة الـــدماء
وجـــريمتي كانـــت محاولـــة البقـــاء[(١)]

وتجلت معاناة اللاجئين والمنفيين عند شعراء المقاومة في قصائد متعددة، فمثلا قصيدة (بن باس) لأحمد فراز عبارة عن حكاية شاعر حظي بالعودة إلى وطنه الحبيب بعد ما عانى عذاب الغربة فترة طويلة فمشى يسافر إلى الوطن ولما اقترب من البوابة المركزية الداخلية إذا بها حراس بالبنادق والرماح خاطبوا نغمته بسلاحهم، وما أوسع الفجوة بين وعي الشاعر ذي النغمة الهادئة والحراس أولي السلاح الشوكي، أنكروه ولم يصغوا إلى استئذان الشاعر الذي تمنى أن يدخل باب المدينة فكان نصيبه أن يتيه بجسده الممزق ونفسه الملتاعة وروحه الجريحة في الصحاري والغابات:

میں اپنے جسم کا ملبہ ساز کا لاشہ اپنے شہر کے شہ
دروازے کی دہلیز پہ چھوڑ کے پھر انجانے
شہروں کی شاہراہوں پر مجبور سفر ہوں[(٢)]

أي: "انهالت على تلك الرماح المسددة فحطمت نغماتي، إلا أن دمي المتقطر ونغماتي التي تئن دخلت المدينة من دهليز البوابة أما أنا فتركت مخلفات جسدي وجثة نغماتي على دهليز البوابة المركزية واضطررت إلى بدء رحلة نحو مدن

---

(١) الرفاعي، ديوان الرفاعي، قصيدة "ثروة"، ديوان الرفاعي، ص: ٣٤٥

(٢) فراز، أحمد، ديوان "*بے آواز گلی کوچوں میں*"، (في طرقات صامتة)، قصيدة "بن باس" (بلا رائحة)، دوست پبلی کیشنز، اسلام آباد، ط ٢٠١٠م، ص:٢٢

غير معلومة".

وكان الشاعر أحمد فراز وصف في قصيدة "الجوهري"حالة بؤس الفقراء وكيفية اضطرارهم وعجزهم الذي يعيشونها كما تكشف الستار عن تلك الطبقات الظالمة التي يستغلون بؤسهم لمصالحها المادية والمالية، لا يحدث ذلك إلا بسبب فقرهم واحتياجهم:

مجھ پر روشن ہے کہ اس جنس گرانمایہ کو
میرے افلاس نے کم نرخ بنا رکھا ہے
دیکھ کر میری نگاہوں میں طلب کی شدت
تو نے انصاف کو نیلام چڑھا رکھا ہے(۱)

أي: "أعلم أن فقري هو الذي خفض سعر هذا الجنس الفريد، وأعرف أن شدة الاضطرار الذي يلوح في عيني منحك فرصة لتهدر دم العدل".

والشاعر حبيب جالب في قصيدته المعنونة بـ"الرقص" يتعاطف مع راقصة استدعيت للرقص أمام رئيس ضيف جاء لزيارة باكستان آنذاك، فأبت بأن تفعل هذا فجيء بها وهي مغلولة وأجبرت على الرقص أمام الحضور، صورت القصيدة تصويرا مؤلما ومؤثرا في وقت واحد ورسمت لنا مدى الشقاء التي تعاني منها المرأة في أحيان كثيرة ومدى العجز الذي تعيشه وما أصدق تعبيره إذ قال:

تو کہ ناواقف آداب غلامی ہے ابھی
رقص زنجیر پہن کر بھی کیا جاتا ہے(۲)

أي: "جهلتِ آداب العبودية، فإنه بالإمكان الرقص مقيدا بالأغلال والقيود".

النوع الثاني: الموضوعات والقضايا المتعلقة بالقوة المستبدة

والنوع الثاني من الشعر المقاوم هو تلك الموضوعات والقضايا التي تتعلق بالقوة المستبدة كانت فردا أو طائفة كالجيش المحتل المستبد أو أسر معينة تحكم رقاب الشعب كله، أو طبقات معينة كاضطهاد طبقة البراهمة في الهند، وما يشترك فيه مستبد كل عصر ومصر هو أنه أول ما يسعى إليه هو الاصطباغ بصبغة شرعية ليكتسب قدسية شرعية في قلوب الجماهير فيعتبر الانقياد لأوامره طاعة لله والاختلاف عنه

---

(۱) فراز، أحمد، ديوان "*تنہا تنہا*"، (وحيدا منعزلا)، قصيدة "صراف" (الجوهري)، دوست پبلی کیشنز، اسلام آباد، ط۱۹۹۸م، ص:۸٤

(۲) جالب، حبيب، ديوان حبيب جالب، قصيدة "نيلو" (نيلو)، ماورا بکس، لاهور، ۲۰۰۵م، ص:۲۰۳

معصية للخالق الجبار، وقد يزداد الأمر سوءا فيدعى المستبد مرتبة الألوهية ودرجة الربوبية، ويظن الشعب أن حياته رهينة بوجود الحاكم لو لاه لفقد الشعب وجوده، يقول الزبيري:

وهـــو روح في الشـــعب لـــو تهجُرالشـــعب
تلاشـــــى كجيفـــــةٍ وتبـــــدد
وهـــو الـــدين والشـــريعة لـــو فارقـــه
شـــــعبنا لألحـــــد وارتـــــد(١)

ويقترب منهم لفظا ومعنى حبيب جالب الذي عبر الإفلاس الفكري لدى الشعب الذي يؤمن بأن بقاءه مناط ببقاء الحاكم، يقول جالب:

تو خدا کا نور ہے
عقل ہے شعور ہے
قوم تیرے ساتھ ہے
تیری ہی وجود سے
ملک کی نجات ہے
تو ہے مہر صبح نو
تیرے بعد رات ہے(٢)

أي: "أنت نور الله، وأنت العقل والفكر. والشعب معك. ولا بقاء للبلد إلا بك. أنت الصبح المبتسم، ولا شيء بعدك إلا الليل".

وفي العصر الاستبدادي تتركز السلطة والثروة والنفوذ في أسر معدودة فيصبح الملك رهنا لديها يتوارثه جيل بعد جيل دون أن يكون لبقية الشعب أدنى حق في تقرير مصيرهم إلى درجة أن الملك يصبح حقا أساسيا لهذه الأسر فتعامل بقية الخلق معاملة الرق والعبيد، ولا يكون هذا الارتكاز سياسيا فحسب بل يكون اقتصاديا واجتماعيا وقد يكون دينيا أيضا. وهذه مأساة متكررة بأشكالها الشتى في كل بلد، ونجد أصوات شعراء مقاومة الاستبداد قد تشابهت في هذه القضية، فالشاعر الزبيري الذي يشكو من الحكم الإرثي ومن أن صبية صغارا للأسر الحاكمة تخر لهم جباه الكبار الكرام ساجدين إذ يقول:

منذ كانوا أجنة فهم إما

---

(١) الزبيري، ديوان الزبيري، قصيدة "كفر وإيمان"، ص: ١٠٨

(٢) جالب، ديوان جالب، قصيدة "مشير" (المستشار)، ص:١٤١

ملوكٌ أو أولياء عهود

يَرثون الشعب إرثاً رَخِيْصاً

دون كد وَدُونَ بَذْلِ جُهُود(١)

والشاعر أحمد فراز يصور معاناة الطبقات البائسة علي أيدي هذه الأسر الحاكمة قائلا:

بیس نہ سو ہزار نہ لاکھ ہیں پورے آٹھ کروڑ

اتنے انسانوں پر لیکن چند افراد کا زور

مزدور اور کسان کے حق پر جھپٹیں کالے چور

اے بھوکی مخلوق(٢)

أي: "أيها الخلق الجائع عجبا أمرك،ليس مئات وآلاف، بل عددك ثمانون مليون نسمة ورغم ذلك أرى طائفة صغيرة تسلطت على هذا الجمع من الناس وأرى قطاع الطرق ينهبون أموال العمال والفلاحين".

ويوافقه صوت حبيب جالب الذي يشكو تسلط عشرين أسرة على رقاب الملايين من الناس منذ عصور طويلة وهم يعيشون تحت وطأة ظلمها يائسين من تغير الوضع، يقول:

بیس گھرانے ہیں آباد-اور کروڑوں ہیں ناشاد

آج بھی ہم پر جاری ہے-کالی صدیوں کی بے داد(٣)

أي: "أصاب الرخاء عشرين أسرة وحرم مئات الآلاف، ما زلنا نعيش في ليلة تغشانا من قرون سوداء".

ولعل الرفاعي يشبه أحمد فراز وفراز جالب اللذين يشكوان سيطرة القلة المتمثلة في الآلاف على الأغلبية المتمثلة في الملايين، إذ قال:

قــد أغمــضَ القــومُ أجفــانًا مقرَّحــة

علــى الهَــوان وإنْ كــانوا ذَوي عَــدَد(٤)

---

(١) الزبيري، ديوان الزبيري، قصيدة "من أحرار اليمن إلى أحرار العراق"ص:٢١٦ و٢١٧

(٢) فراز، أحمد، ديوان "**تنہا تنہا**"، (وحيدا منعزلا)، قصيدة "**اے بھوکی مخلوق**" (أيها الخلق الجائع)،ص:٥٩

(٣) جالب، ديوان جالب، قصيدة "بيس گھرانے" (عشرون أسرة)، ص:١٣٧

(٤) الرفاعي، ديوان الرفاعي، قصيدة "جمال رئيس الجمهورية"، ديوان الرفاعي، ص:٤١٦

النوع الثالث: ما يتعلق بالقوات المساعدة للاستبداد

والنوع الثالث من الشعر العربي المقاوم يضم تلك الموضوعات والقضايا التي تتعلق بالقوات التي تمد الاستبداد بعونها وهي متمثلة في أفراد وجماعات وطبقات ودول، فمزق الشعراء النقاب عن وجوه أفراد وشخصيات حالفت الاستبداد غدرا بالشعب والوطن. ووصف الشعراء المقاومون الدور المذموم الذي لعبته أحزاب سياسية أو طبقات معينة كالصحفيين والساسة والإعلاميين والدبلوماسيين وحتى بعض الأدباء والشعراء. لم يغفل الشعراء عن كشف الصلة القوية بين الدول المستعمرة والاستبداد المحلي. كشف الشاعر هاشم الرفاعي عن حقيقة البرلمان الذي ليس من دوره إلا التصفيق لكلمات الحاكم المستبد والإشادة بكل ما يقول ويفعل، يقول:

هَاهُم كَمَا تَهْوى - فَحَرِّكْهم- دُمى
لا يَفتحون بغير مَا تَهْوَى فما
إنَّا لَنعلَم أَنَّهم قد جُمِّعُوا
لِيُصَفِّقُوا إن شئت أن تكلما(١)

وكان حبيب جالب شديد الرفض للدستور الذي أتى به الجنرال أيوب خان وقال قصيدة رائعة باسم "الدستور" ذهبت أشعاره هتافات شعبية في الشوارع واضطرت الحكومة إلى التنازل عن تنفيذه، ومما جاء فيها:

دیپ جس کا محلات میں ہی جلے
چند لوگوں کی خوشیوں کو لے کر چلے
وہ جو سائے کے ہر مصلحت میں پلے
ایسے دستور کو صبح بےنور کو
میں نہیں مانتا میں نہیں جانتا(٢)

أي: "أرفض هذا الدستور ولن أقبله لأنَّه لا يضيء بنوره إلا بعض القصور
ولا ينمو إلا تحت ظلال مصالح خاصة معينة تخدم طائفة معينة".

وليست الدساتير كما يرى أحمد مطر سوى وسيلة لإشباع رغبات المستبدين وإخفاء جرائمهم، يقول: أي قيمة للقوانين العظيمة وهي قفاز حريري لذي الكف الأثيمة وأداة للجريمة(٣)

(١) المرجع السابق، ص ٤١٨
(٢) جالب، ديوان جالب، قصيدة "دستور" (الدستور)، ص:١٢٩
(٣) مطر، أحمد، لافتات ٤، قصيدة "تحت الصفر"،منتدى سور الأزبكية، لندن، ط ١٩٩٢م، ص:٥٨

ويتصدى الزبيري لمثل هؤلاء الذين يقفون مع الاستبداد مساندين له ويبدي كراهته لمثل هذه الطائفة، ويبرر الدين الذين يستغلونه لتحليل ما حرمه الله فيركل بحجحهم إذ يقول:

ليس في الدين أن نكون بلا رأي
ولا عزة ولا حريه
وعدو الجميع من يحكم الشعب
باسم القداسة العائليه(١)

النوع الرابع: الموضوعات والقضايا المتعلقة بالشعوب التي تعاني مأساة الاستبداد

والنوع الرابع والأخير من الشعر المقاوم يشمل الموضوعات والقضايا التي تتعلق بالشعوب المسكينة التي تعاني مأساة الاستبداد لحقبة قصيرة أو طويلة، ويكشف جوانب عديدة لمدى مسئولية الشعوب نفسها في جر وبال الاستبداد على نفسها، ودورها في إطالة الحكم الاستبدادي لتقاعدها عن تغيير وضعها إما بسبب ارتضائها به طمعا في مصالح مؤقته أو خوفا من بطشة المستبدين أو منخدعا بظاهر الأمور، ويشمل ذلك النوع تلك الموضوعات التي ترشد الشعوب نحو الحرية وتنفخ فيها نارا وتمنحهم نورا. فأشد ما تأذى الشعرء به هو التزام الشعب بالسكوت وتحمله المظالم، ويعالج الشعراء الأسباب النفسية لتقاعد الشعب عن تغيير الوضع المؤلم الذي يعيشه، وارتضاء الشعب بالاستبداد يمر من عدة مراحل، قد يتنازل الشعب عن حق الحرية خوفا من بطش المستبد وقد ينخدع بسياسته اللماعة، وقد يلعب بحقوقهم بحجة دينية فلا يجرؤ الشعب على النيل منه، وأبشع مرحلة تلك التي يموت فيها شعور الشعب بالحرية ويؤمن بأن استعباده قدر من الله.

نخشى سيوف الظلم وهي كليلة
ونقدس الأصنام وهي حطامُ
وتذل أمتنا، لفرد واحد
لا تُستقاد لمثله الأنعامُ(٢)

وقد يتكاسل الشعب نفسه في نزع حقه من برثن الظالم الذي يزيده تكاسله جرأة اغتصاب حقه، ويسخر الشاعر جالب بهذه الحالة، يقول:

(١) الزبيري، ديوان الزبيري، قصيدة "خطبة الموت"، ص: ١٤٨

(٢) المرجع السابق ص: ٢٩٨

نہیں حق چھینتے ہم غاصبوں سے
مقدر میں ہے ہر ذلت یونہی تو[(١)]

أي: "يكتب لنا الذل عندما لا نحاول نزع حقنا من الغاصبين".

والشاعر المصري هاشم الرفاعي متحير -كغيره من الشعراء- بأمر شعبه الذي رغم ما يئن من آلام الحكم الاستبدادي لا يسعى لتغيير الوضع فكأنه ألف الحياة ذليلا، يقول الرفاعي:

مال بَالُ شَعْبِ النيل أَضْحى هادِئا
أَتَراه قد أَلِفَ الحياةَ ذَليلا[(٢)]

وكذلك يوجه الشاعر اليمني شكواه إلى الشعب الذي آمن بعبودية الإمام وأتباعه عمى وبكما:

رضينا بأنا عبيد الإمام
وإنا كما شاء عميٌ وصم
نكبل أقدامنا بالقيود
ونعقل أفواهنا باللجم[(٣)]

فلا يستحق اللوم من يرتكب الظلم
ومن يتحمل المظالم فحسب بل
يستحق من سكت عنها كذلك
وأغمض عينيه عنه لأغراض شخصية
أو سياسية وغيرهما، والشاعر أحمد فراز
في قصيدة "ويت نام" يسجل صرخته
الاحتجاجية ضد العالم المتحضر
الساكت عن مظاهر الاستبداد والجور،
يقول:

اے مہذب جہاں کی مخلوق
کل ترے روبرو یہی بے ضمیر قاتل

---

(١) جالب، ديوان جالب، من قصيدة بلا عنوان، ص: ٢٧٧

(٢) الرفاعي، ديوان الرفاعي، قصيدة "جهاد ضائع"،ص:١٤٠

(٣) الزبيري، ديوان الزبيري، قصيدة "لا تحرقونا بناركم"،ص: ١١٣

ترے قبیلے کے بے گناہوں کو
جب تہہ تیغ کر رہا تھا
تو تماشائیوں کی صورت
خموش وبے حس
درندگی کے مظاہرے میں شریک
کیوں دیکھتی رہی ہے[١]

أي: "يا خلق العالم المتمدن، أين كنت عندما كان هذا القاتل يقتل بني عشيرتك وكنت تشاهد هذه المجزرة صامتا جامدا بل مشاركا إياه في وحشيته".

ويبدي فيض أسفه على سكوت الناس ورضاهم بحياة الذل والهوان ويسألهم إلى متى يستمر هذا الخنوع لأوامر الظلم، يقول في قصيدة "أنشودة":

اے ظلم کے ماتو لب کھولو، چپ رہنے والو چپ کب تک
کچھ حشر تو ان سے اٹھے گا، کچھ دور تو نالے جائیں گے[٢]

أي: "وأيها المضطهدون حركوا شفاهكم، وأيها الصامتون إلى متى سكوتكم. فكلامكم سيحدث قيامة وسيسمع دويه في الآفاق".

وقد ينتاب الشعراء العرب والأرديين شعور بالاختناق في أجواء الوطن ويتجلى لهم وجه قبيح دون وجهه الجميل الذي يألفونه وينتابهم ذلك بعد ما يطول الليل وتشتد الظلمات وبعد ما يتحول الوطن الحبيب إلى مجزرة الأبرياء والشرفاء والأحرار، نرى الرفاعي الذي عنون قصيدة من قصائده بـ "مصر الجريحة"، يقول:

لا مِصـــرُ داري ولا هـــذي الـــرُّبى بَلَـــدِي
إني مـــن الحـــق فيهـــا قـــد نفضـــتُ يـــدي[٣]

ويشبهه أحمد مطر وقد انتابه شعور الاكتئاب بالوضع القاسي الذي يعيشه هو والآخرون على أرض الوطن، فلم يعد يألف الديار بعد هذا الدمار، يقول:

---

[١] فراز، أحمد، ديوان "نايافت" (المعدوم)، قصيدة"ويت نام" (ويت نام)،دوست پبلی کیشنز، اسلام آباد، ط٢٠١٠، ص:١١٧

[٢] فيض، فيض أحمد، ديوان"دست صبا" (يد الصبا)، قصيدة "ترانہ" (أنشودة)، مكتبہ كاروان، لاہور، بدون سنة الطبع، ص:٣٨

[٣] الرفاعي، ديوان الرفاعي، قصيدة "جمال رئيس الجمهورية"،ص:٤١٦

إن لم يكن بنا كريما آمنا
ولم يكن محترما
ولم يكن حرا
فلا عشنا
ولا عَاشَ الوَطَن(١)

ويبدي فراز اكتئابه من تكدر العيش في مدينته الحبيبة والتي صارت مقبرة لجثث دون ورثة:

سارا شہر ہے مردہ خانہ
کون اس بھید کو جانے گا(٢)

كما يستثقل أحمد المطر العيش في الوطن ويعتبر الموت أهون منه، يقول:

الإعدامُ أَخَفُّ عِقَاب
يَتَلَقَّاهُ الفَرد العَرَبِي
أ هُناكَ أَقسى من هذا؟
طبعاً
فَالأقسى من هذا
أن يَحْيا في الوطن العربي(٣)

خامساً: بعض خصائص شعر المقاومة

ويتميز شعر مقاومة الاستبداد بالصدق الفني وقد دفع أصحاب هذه الكلمة الصادقة من ثمن كبير من أجل صدق موقفهم بشكل الضرب والقتل والنفي والاعتقال والأسر وغيره من ألوان التعذيب والتخويف، فشخصية الشاعر متحديا قهر المستبد لا تقل عن شخصية البطل في الأساطير والأفلام، فيه يقابلنا الشاعر وهو يستقبل الرصاص على صدره ويتلقى السياط على ظهره ويواجه مظالم الشرطة على الشوارع ويتحمل أبشع أنواع التعذيب في السجون والمعتقلات ويؤسر ويشرد ويضرب ويجلد، يقصف فكره ويسجن لفظه دون أن يتزعزع أو يتنازل عن موقفه، أو تنبس شفتاه بآهة قد تمنح الطاغية المستبد لحظة سرور، وبذلك يمكن الحكم بأن أدب مقاومة الاستبداد هو أدب صدق وجرأة ورسالة ويلائم الطبيعة

---

(١) مطر، أحمد، لافتات ٣، قصيدة "يقط الوطن"، منتدى سور الأزبكية، لندن، ط ١٩٨٩م، ص:١١٥

(٢) فراز، أحمد،"*بے آواز گلی کوچوں میں* " (في طرقات صامتة) قصيدة (المدينة المتدمرة) "***شہر آشوب***"، دوست پبلی کیشنز، اسلام آباد، ط٢٠١٠م، ص: ١١٢

(٣) مطر، أحمد، لافتات ٦، قصيدة "أقسى من الإعدام"،منتدى سور الأزبكية، لندن، ط١٩٩٦م، ص: ١٣٩

الإسلامية التي تؤمن برفع كلمة الحق بدون خوف اللائمين. فمن المعاني المشتركة والمتكررة بكثرة في شعر المقاومة أن الشعراء أدركوا أتم الإدراك بأن ما يميزهم من بقية صفنهم هو موقفهم المحق العادل المقسط ولهجتهم الصارخة الجريئة المخلصة فلو أصابهم شيء من الفتور في أداء فريضتهم أو غلبتهم نزعة طمع لفقدوا هويتهم ودفنوا في كتب الأدب دون أن يذكر لهم أثر، فينفون أي إمكانية للتنازل عن لهجتهم الصريحة مهما كان ثمنها، فإذا كان صدق مقاله مبعث الافتخار لأحمد فراز الذي قال:

دیکھو تو بیاض شعر مری
اک حرف بھی سرنگوں نہیں ہے[١]

أي: "دقق النظر في ديوان شعري لن تجد فيه حرفا واحدا مستسلما".

فصدق الشعر بمثابة حياة الشعر وأن يشوبه زيغ فكري بمثابة قتله، يقول الرفاعي:

فقُلـــت: فِكـــرِي، إِحْسَاســـي... أَ أَقْتُلُـــه؟
هـــذَا الَّـــذي لم يَـــدُر يا قـــومِ في خُلْـــدي[٢]

ومثلهما الشاعر الأردي جالب الذي يدرك أن الحب الشعبي الذي يلقاه ليس إلا بسبب ثروته الفكرية ولهجته الثورية:

ہر پھول کے لب پر نام مرا چرچا ہے چمن میں عام مرا
شہرت کی یہ دولت کیا کم ہے گر پاس نہیں مال تو کیا[٣]

وأغلى ما يملكه الشاعر – في رأي الشاعر فراز– هو حرمة القلم وهو الذي يدافع عنها رافضا كل العروض بشكل المناصب والأموال والصلات:

ہمیں نہ حرص حشم، نہ مال ومنال کی آرزو رہی ہے
نہ ہم کو طبل وعلم نہ جاہ وجلال کی جستجو رہی ہے
بس اک قلم ہے کہ جس کی ناموس
ہم فقیروں کا کل اثاثہ ہے آبرو ہے

أي: "لسنا من يطمع في المناصب والأموال ويحرص حرصه لينال علما و حشما. بل نحن فقراء لا يملكون من الأثاث والمتاع غير حرمة أقلامهم. ولا نملك غير

---

(١) فراز، أحمد، ديوان "في طرقات صامتة"(بے آواز گلی کوچوں میں)، قصيدة (أناشيدك أغنى يا وطني) "اے شہر میں تیرا نغمہ گر ہوں"، ص:٤٤

(٢) الرفاعي، ديوان الرفاعي، قصيدة "جمال رئيس الجمهورية"،ص:٤١٧

(٣) جالب، ديوان جالب، قصيدة بدون عنوان، ص:٤٤

الصدق، فهو ملكنا الوحيد".

فالصدق هو المتاع الحقيقي الذي يكسب الشعر الحر خلودا وبقاء عديمى النظير، ولولا الصدق لفقد الشاعر احترامه وفقد شعره قيمته، والشاعر يجدد وفاءه بصدق رسالته وحرمة قلمه. وجرأة الشعراء – وأحمد مطر واحد منهم- منبعها صدق المقال، ولذلك لا يرى نفسه فردا عاديا، بل إنه واحد ممن انضم إلى القافلة الحسينية في ميدان كربلاء، يقول:

لست أهتم – بمن كان معي أو كان ضدي
لست أهتم بمن أترك بعدى – لست أهتم بمن يبكي دموعا
أو بمن يبكي دماء – ليس عندي غير هم واحد
أن أسبق الموت إلى العيش – فأغدو من ضحايا كربلاء(١)

والشاعر يملك سلاحه بشكل القلم وهو أداة صدق ومنارة نور ومنبع الحق وهو الذي يضمن للشاعر وشعره بقاء وخلودا:

قلم سے عہد وفا کیا ہے - قلم تو پھر سچ بولتا ہے
اٹھاؤ آنکھیں کہ سچ امر ہے- قلم کا وجدان معتبر ہے(٢)

أي: "عقدنا عهد الوفاء بأقلامنا، لأن القلم لا يعبر إلا عن الصدق، ولن يخدعك القلم أبدا والصدق هو الحق فاجهر به معتزا فخورا".

ومن ميزة هذا الأدب جماله وصموده، فهو أدب اكتسب الخلود والبقاء فيصلح لكل زمان ومكان، لأن المأساة تتكرر بنفس الشكل والرسالة تظهر بنفس القوة. وعلى سبيل المثال،القصائد الأردية التي قيلت في العهود الديكتاتورية في سبعينيات وثمانينيات من القرن العشرين لا تزال تصلح وتلائم يومنا وساعتنا، وتروى وتنشد بنفس القوة وبنفس الشوق. وشعر مقاومة الاستبداد –إضافة إلى كونه شعرا جميلا- شعر تعليمي وتربوي وملتزم يحمل رسالة سامية ويحرض الإنسان على مواجهة النظام المحتل وقمع جذور الاستبداد والنهوض للتغيير والثقة بالنفس ويبعده عن اليأس والخمول ويحيي في قلبه المتمزق نار الحياة ويريه في ظلمات الليل بصيص الأمل.

ومن أهم سمات شعر مقاومة الاستبداد باللغتين العربية والأردية أنه يتسم بالبساطة المصحوبة

---

(١) مطر، أحمد، لافتات ٣، قصيدة "الاختيار"، منتدى سور الأزبكية، لندن، ط ١٩٨٩م، ص:١٠٣

(٢) فراز، أحمد، ديوان "في طرقات صامتة"(*بے آواز گلی کوچوں میں*)، قصيدة (وجه هشوش عيون حية) "*نديم چہرہ، نديم آنکھیں*"، ص:٥٠

بعمق التجربة الشعرية وصدقها، ويقد يفسر ذلك بأنه شعر يخاطب العامة والجمهور، لأن الظروف القاسية لم تعد تصلح لتقبل شعرا يغلبه اللون الرمزي أو الفلسفي، و"جوهر الشعر ليس في شكله الخارجي من وزن وقافية وألفاظ خاصة أو موضوعات خاصة، وإنما هو في التجربة الروحية التي تمر بنفس الشاعر، ولا بأس أن تكتب هذه التجربة في لغتها الحقيقية أو قل في لغة بسيطة كتلك التي يتفاهم بها أفراد الشعب"[(١)]، فيجد الدارس شعراء المقاومة جميعا يعبرون عن معان سامية ومبادئ راقية بعبارات في غاية البساطة ذهبت شعارات وهتافات دون أن يخل ذلك بال، فانظر إلى قول الشاعر حبيب جالب وهو يشرح الحق الإنساني الأساسي، يقول:

بات یہی ہے بنیادی
لوگوں کو ہو آزادی[(٢)]

وانظر إلى الشاعر الزبيري وهو يكشف عن مظاهر الرخاء المؤقتة في عهد الاستبداد ويرفض كل أنواع العروض والمغريات رفضا تاما، يقول:

ولـــيس يجـــدي دفينـــا، أن حفرتـــه
مزدانـــة طفحـــت بالعطـــر والعـــود[(٣)]

الخاتمة

اقتربت المقاومة الشعرية العربية والأردية للاستبداد من أرض الواقع وعالم الحقائق وعقلية المواطن العادي دون أن يتيه في وادي الخيال البعيد وأفلاك الفكر الغامض، كل ذلك بلغة سهلة سلسة مع عمق معنوي وفكري بعيدا عن التلاعب بالألفاظ والتشدق بعبارات مليئة بالمفردات النادرة غير المألوفة، ولم يقتصر الشاعر وهو يقاوم الاستبداد على دوره فحسب، بل تراه يفكر ويرشد ويقاوم ويدبر، يتحدى ويصلح ويخطب ويثور، وبذلك يتجلى الشاعر جنديا باسلا يقاتل في أول الصفوف، قائدا يقود الركب مستعدا لاستقبال الرصاص على صدره، وخطيبا يثور ثورة علنية وواعظا يثير همم الضعفاء والمظلومين وطبيبا يعالج جروح الجرحى ببلسم شعري ومفكرا يشخص داء الأمة ليخرجها من مأزقها، وإلى هذا النوع من الشعراء يرجع الفضل في إشعال نار الثورة وإخراج الشعر المأسور في بهو القصور وتقريبه إلى الشعب وريادة في منح هذا اللون صبغة شعبية حرة ونستطيع أن نقول — دون تعسف – أن فن الشعر الحديث لم

---

(١) ضيف، دكتور شوقي، دراسات في الشعر العربي المعاصر، دار المعارف، القاهرة، مصر، الطبعة العاشرة، ص:١٩٧و١٩٨

(٢) جالب، ديوان جالب، قصيدة "ماذا تعني باكستان" (پاکستان کا مطلب کیا) ، ديوان جالب، ص: ١٦٢

(٣) الزبيري، ديوان الزبيري، قصيدة إلى الشهيد الموشكي، ص: ٢٨٨

يعد وسيلة لهو وأداة تسلية للحكام، فالحاجة ماسة إلى دراسة كل شاعر مقاوم بالتفصيل وما يزخر شعره من أفكار ومضامين وما يتسم به من صفات وخصائص، وتوفر هذه المادة مجالا واسعا للباحثين ليقوموا بدراستها الأدبية والنقدية، كما يجب ترجمة هذه الأعمال إلى لغات مختلفة.

نتائج البحث

١. لم يسهم في مقاومة الاستبداد شعراء تيار معين أو اتجاه خاص بل كانت القضية تخص الجميع بغض النظر عن انتمائهم النظري والعرقي واللساني، وغلبت شعر المقاومة نزعة إنسانية عالمية وكذلك كان الدافع لمقاومة الاستبداد مشتركا بين سائر الشعراء، فلم يك هذا الشعر هجاء محضا نتيجة حرمان شخصي أو حقد ذاتي دفع صاحبه إلى الانتقام بل كانت ثورة فطرية بدافع حب الحق والعدل وكان رد فعل مساو لمظاهر الظلم والقسر في المجتمع.

٢. اتسمت حياة شعراء مقاومة الاستبداد بالكفاح والنضال والتضحية والثبات وبذلك تجلى الصدق الموضوعي بكل قوته في مقاومتهم الشعرية للاستبداد.

٣. رسالة المقاومة تستهدف القوة المستبدة والشعوب التي تعاني الاستبداد معا، فهي تزخر بموضوعات وقضايا تكشف الوجه الحقيقي للقوة المستبدة وتمزق نقابها مشخصة أسباب بداية داء الاستبداد وانتشاره ومجلية تقصير الشعوب نفسها الذي أدى إلى تقوية دعائم الاستبداد، ولم يطعن شعراء المقاومة برماحهم الشعرية في صدور المستبدين والطغاة فحسب بل كشفوا عمن يسانده من أفراد وأحزاب وطبقات ودول.

٤. حرية الشعب هي الدرة المفقودة المسلوبة التي سعى شعراء المقاومة التي من أجل اكتشافها واستعادتها، الحرية التي تمنح حياة الفرد والمجتمع شرفا وكرامة وبفقدانها يفقدان الأمل في العيش والسعي من أجل التحسن والتقدم.

الفوائد والآثار الإيجابية لحادثة الإفك فى ضوء السنة النبوية

Benefits and positive effects of the incident of Ifk In the light of Prophetic Sunnah

د. مسعود أحمد السندي*

ABSTRACT

Ifk (حادثہ افک) is an Arabic word mentiond in Quran which means Slander. Incident of Ifk has a message and lesson especially for Muslim Umma, and for all humanity as a whole. This incident has great importance as it happened in the golden era of Prophet Muhammad (S.W.A). It directly affected the most respectful and honored personality in the history of Islam. Many lessons are taught by this incident. Noble and right righteous people, preachers, religious scholars do face hardships and face charges and blames from the society. Life has never been a bed of roses for them.

Incident of Ifk has been discussed in detail, with all its consequences. It teaches how one can take benefit and guideline on individual level as well as on collective level. This Incident tells us that only Allah Almighty has knowledge of everything apparent and hidden. Holy Prophet (S.W.A) is not all knower. He knows only what Allah has revealed to him. People should always avoid passing their judgment on leaders and reknowned scholars of Muslim Ummah without authentic evidence or conformation.

It is crystal clear that hypocrites and evil-natured people were wrong and became the victim of Allah's anger and were purified. As Quran proved the innocence of the Mother of Ummah "Hazrat Ayesha (R.A)" so people should always have a positive thinking and optimistic view for others, especially for religious scholars and leaders. Rumors, blames and wrong notions may lead towards great loss to nations and Muslim Ummah.

Keywords: ifk*; Conciliation between the Qur'ān and Ḥadīth; Scholarly Opinion.*

---

* أستاذ مساعد بقسم الحديث وعلومه، الجامعة الإسلامية العالمية-إسلام آباد

التمهيد:

عندما ظهر شوكة الإسلام وتغلغل في النفوس البشرية أرادت النفوس الدفينة للعداء لأحق الديانة البشرية إخراج ذنبها في حجمات آيسة ومردة عليهم، لأن نبينا ﷺ ينبؤ بكل خبر من عند رب البرية جل في علاه فكيف يكون لهم ذاك إلا وقد أخرجت أخباثها في دار الطهر والنقاء حيث لصقوا جناية بزوج أحمد صلوات ربي عليه فانزلق فيه بعض من رافق المصطفى في أجواء الحزن والرقى, فلم يبق إلا أن تنزل في نقائها وطهرها آيات من الكتاب المقدس وهي تتلى إلى يوم الآزفة

﴿ وَلَوْلاَ فَضْلُ اللهِ عليكُمْ وَرَحْمَتُهُ... وَتَحْسَبُونَهُ هَيِّنًا وَهُوَ عِندَ اللَّهِ عَظِيمٌ ﴾ (١)

ثم أردف جل في علاه آيات تحث المجتمع النفيس النقي الطاهر أن يتجرأ من كل ما يلوثُ بيئتهم الطيبة بحيث لم يكن يسعُهم إلا أن يتلفظوا أن هذا ليس عليه ببرهان وأنه لم يكن أمر خير يتلقن به عن هذه الأسرة الخيرة وأن التُهم كان مردها إلى غير هذا أقرب:

﴿وَلَوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ قُلْتُم مَّا يَكُونُ لَنَا أَن نَّتَكَلَّمَ... إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ﴾ (٢)

فكانت هذه الحادثة تركت في كيانها أنواعاً من السلوكيات التي ستظل رائدة في المجتمعات البشرية إلى أن تقوم الساعة, ولأنها حادثة تحمل في طياتها كثيراً من الأخلاق الرزيلة والرفيعة كان يتطلب مني أن أقوم بدراسة هذا الموضوع القيم في ضوء السنة النبوية حيث تتم الاستفادة منها في عصرنا المؤلم، وقد قسمت البحث إلى المباحث الآتية:

المبحث الأول : الفوائد المنتقاة من حادثة الإفك المتعلقة بالعقيدة

المبحث الثاني : الفوائد المنتقاة من حادثة الإفك المتعلقة بالأخلاق

المبحث الثالث : الفوائد المنتقاة من حادثة الإفك المتعلقة بالتعامل فيما بين الناس

---

(١) سورة النور الآية : ١٤

(٢) سورة النور الآية : ١٥

المبحث الاول : الفوائد المنتقاة من حادثة الإفك المتعلقة بالعقيدة

ملكوت الغيب خاصية الله :

هذه الافتراءات على بيت أبي الزهراء لهي القاصمة الظهر لأولي النُهى والتُقى من أصحاب شرف الأُولى ممن عايشوا تلك المحنة لكنه كما يقال أَن كُل دفينةٍ قد تُورد عقبها ما يسرُ الناظر والمستمع ولقد شهدت القرون الأولى بذلك, فلقد عرف أهل الدهر أن صاحب الرسالة قد لبث قرابة شهر لم يُنبأ من لدُن رب البرية عما حدث فلبث هذه الفترة مترقبا لخبر السماء لعلَه يُنبأ بخبر يسره ومن اتبع الهُدى من الصحب الكرام البررة ولقد صدرت من فيه بما نزل الوحيُ به ما يستفادُ منه أنه لو كان مدركاً للمغيبات لجمع الخير لديه أكثره ولم يمسه ما يسوءه.

وتارة يرشده رب الإنس والجن بأن ينطق جهر القول قائلا إنما أنا داع إلى وحدة رب العباد وناف عن الإشراك به ولست قادراً على النفع والضر إلى غير ذلك من الأقوال النبيلة التي تليق بشأن النبوة مخبراً أن أهم المهام الموكلة إليه هي بلاغاً من الله ورسالاته، كما قال: ﴿ فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ ﴾[(١)].

قال عز وجل: ﴿ وَلَوْ كُنتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ لاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوءُ ﴾[(٢)]، وقال عز وجل:﴿قُلْ إِنَّمَا أَدْعُو رَبِّي وَلا أُشْرِكُ بِهِ أَحَدًا قُلْ إِنِّي لا أَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَلا رَشَدًا قُلْ إِنِّي لَنْ يُجِيرَنِي مِنَ اللَّهِ أَحَدٌ وَلَنْ أَجِدَ مِنْ دُونِهِ مُلْتَحَدًا إِلَّا بَلاغًا مِنَ اللَّهِ وَرِسَالاتِهِ ﴾[(٣)]، أي: إلا أن تبلغ دين الله، ورسالة الله على مراد الله، كما قال:﴿ فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ ﴾.

إن فيه لدرس عظيم وعبرة للمعتبرين حول استعمال ألفاظ القرآن الكريم في المحاورات والمخاطبات والمجاوبات.

ومما لوحظ أن نبي الرحمة وأهله قد صدر منهم ما يعبر بـ :"إستخدام الآيي من الفرقان على غير مرادها في محاورة العرفان"، ولقد شهدت الأمم المرافقة من الصحب العظام في سماعها للخطب والنصائح وما يدور حول الأيام في الأحوال والمعاملات فمما لا يستهان به ما وقع من لفظ الصديقة بنت صاحب الغار بحيث وصفت قصتها مع أهل الشر والفتن من أصحاب يثرب حيث قالت أم رومان وهي أم عائشة قالت بينا أنا وعائشة أخذتها الحمى فقال النبي ﷺ :«لَعَلَّ فِي حَدِيثٍ تُحُدِّثَ قَالَتْ نَعَمْ وَقَعَدَتْ عَائِشَةُ قَالَتْ مَثَلِي وَمَثَلُكُمْ كَيَعْقُوبَ وَبَنِيهِ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنْفُسُكُمْ أَمْرًا فَصَبْرٌ جَمِيلٌ وَاللَّهُ الْمُسْتَعَانُ عَلَى مَا

---

(١) سورة هود الآية: ١١٢

(٢) سورة الاعراف الآية: ١٨٨

(٣) سورة الجن الآية: ٢٢-٢٣

تَصِفُونَ »[1]، معناه: ولا يسعني في هذا المقام إلا قائلة أني مثلي ومثل أصحاب الشر لا ينحط ما وقع لأبي يوسف حين فورق بينه وبين ولده النبيل ثم زور الكلام عليه كذبا فقال: ﴿فَصَبْرٌ جَمِيلٌ وَاللَّهُ الْمُسْتَعَانُ عَلَى مَا تَصِفُونَ﴾، فوقع المثل والممثل به في حادثة أم المؤمنين كما قال عنها رب البرية .

وكما لا يخفي على ذوي العقول ما ورد عن أحمد صلوات رب الكعبة عليه فيما فهمه المحدثون من حديثه حيث ذكر من يتقدم إلى أهل بيت فيه من يتقدم إليها من بنات العفاف والطهر فينبغي النظر والتفكير فيمن تقدم لبنتهم من حيث الخلق والدين وإلا تفعلوه تكن فتنة في الأرض وفساد عريض «إِذَا أَتَاكُمْ مَنْ تَرْضَوْنَ خُلُقَهُ وَدِينَهُ فَزَوِّجُوهُ إِلَّا تَفْعَلُوا تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْأَرْضِ وَفَسَادٌ عَرِيضٌ »[٢]. وكما ورد عنه في غزوة خيبر: «فِي غَزْوَةِ خَيْبَرَ إِذَا نَزَلْنَا بِسَاحَةِ قَوْمٍ فَسَاءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِينَ »[٣]، وفي غيرها من المواقف المتكاثرة لا يتم حصرها لذا استنبط الإمام الهمام ابن عبد البر من هذه الروايات والإستشهادات الكثيرة أنه يستحسن الإستشهاد بالآيي الفرقان بما يحسن ويجمل من الكلام والأحداث، وكما أشار إلى ذلك الإمام النووي في شرحه للصحيح الإمام مسلم رحمه الله أنه يستشهد بها على الأمور المحققة[٤]، وقد ألف في هذا الموضوع علماء الأسلاف مثل الإمام أبو منصور الثعالبي أسماه "الاقتباس من القرآن الكريم" .

إنزال الوحي خاصية الله :

مما اختص الله به هذا الدين الحنيف هو تواتر النزول للوحي عبر الحوادث والأحوال التي يمر بها الأزمان، ولا يخفى على ذوي العقول الراجحة أن ذالك ليس إلا بإرادة رب المعاد حيث يرى أنه أصلح للعباد أنزل وحيا يحي به من أراد إحياءه حياة طيبة ويهلك من يهلك في الهاوية، وقد تكاثرت الأفكار في حكم نزوله والآراء المتناثرة والعلم اليقيني عند بارئ الخلق ينزل بقدر احتياج الخلق إلى الوحي المنزل من ربهم الرحيم، فتارة يوحي إثر حادثة ملمة في المجتمع وهم في حاجة إلى البيان الشافي لصدور أولاءك الأفلاذ من الصحب العظام، وتارة يتوقف نزوله لبرهة من الزمان لحكم يعلمها رب الأرض والآفاق فتخرج أذناب

---

(١) البخاري، الجامع الصحيح، كتاب التفسير, باب قوله تعالى بل سولت لكم أنفسكم، دار السلام، ط ثانية، ٢٥٤/٣

(٢) الترمذي، مُحَمَّد بن عيسى، الجامع، كتاب النكاح، باب ماجاء إذا جاءكم من ترضون دينه، دار الكتب العلمية، بيروت، ٣٨٥/٢، رقم الحديث:١٠٨٤. ابن ماجه، أبو عبد الله مُحَمَّد بن يزيد، السنن، كتاب النكاح، باب الاكفاء، دار الفكر العربي، القاهرة، رقم الحديث ١٩٦٧، ٦٣٢/١

(٣) الجامع الصحيح، كتاب الأدب، باب مايحقن بالاذان من الدماء، ١٢٥/١، وكتاب المغازي، باب غزوة خيبر، رقم الحديث ٩٤٧، ١٥/٢

(٤) السيوطي، عبد الرحمن بن أبي بكر، الحاوي للفتاوي، دار الكتب العلمية، بيروت، ط أولى، ١٤٠٣هـ، ٢٥٩/١

الخبث فتتلائم في بيئة عصمه إله مُحَّد من نجاسة الصدر والأبدان فينتقمون ما أخفوه من كره والنكران، لكن الله سبحانه وتعالى له الأمر في كل حدث ذو حكم لا يدركها إلا ذو عرفان، فوقعة الظهار نزل الوحي إثر المحادثة فورا وحادثة الإفك في بيت الطهر المؤثر على حامل لواء النبوة يتوقف نزوله لمدة من الزمن، فالوحي هو بإرادة الله ينزل وبه يتوقف، ليس لأحد التحكم فيه غير الله جل في علاه وكان مما يجلي هذه الوردة في رونقها الجلي بحيث كان النبي ﷺ يسأل زوجته بـ : يَا عَائِشَةُ فَإِنَّهُ بَلَغَنِي عَنْكِ كَذَا وَكَذَا فَإِنْ كُنْتِ بَرِيئَةً فَسَيُبَرِّئُكِ اللَّهُ وَإِنْ كُنْتِ أَلْمَمْتِ بِذَنْبٍ فَاسْتَغْفِرِي اللَّهَ وَتُوبِي إليه فَإِنَّ الْعَبْدَ إِذَا اعْتَرَفَ بِذَنْبِهِ ثُمَّ تَابَ تَابَ اللَّهُ عليه[1].

موالاة المؤمنين:

إن من الصور الجملية التي ظهرت في حادثة الإفك ولاء المؤمنين بعضهم لبعض، حيث اصطف الناس فيها إلى صفين لا ثالث لهما، إما صف المؤمنين وإما الكفارين، فلما تراشق الصحابة وكادوا أن يقتتلوا كان النبي ﷺ يشير عليهم بخفض الصوت، ولم يمنع هذا عائشة أن قامت فشهدت لسعد بن عبادة بالصلاح والصحبة لأنه من المؤمنين المبشرين بالجنة فقالت: "فقام سعد بن عبادة وكان رجلاً صالحاً فاحتملته الحمية"، وهكذا نرى أن غضبها ومصابها لم يمنعها من إنصاف سعد أنه كان من المؤمنين الصالحين كما وصفته رضي الله عنها.

وهكذا فعلت أيضا حمنة أخت زينب التي خاضت في حادثة الإفك عندما جاءها خبر وفاتها، فقالت: "رحمها الله إن كانت لأحب أزواج النبي ﷺ إليه"، فنرى أنها شهدت لها بالخيرية والإيمان وصنيعها دعوة إلى التآخي وموالاة المؤمنين بعضهم بعضاً.

الابتلاء في الأرض سنة كونية:

إن مما ينبغي أن يعلم أن الابتلاء سنة كونية، وأن الله تعالى إذا أحب عبداً ابتلاه، وليس أدل من ذلك أن الرسل والأنبياء وتابعيهم قد ابتلوا بأنواع الابتلاءات الكثيرة، فصبروا على ما أوذوا في سبيل الدين، وهكذا كان الصحابة رضوان الله عليهم أجمعين، وسارت سنة الابتلاء حتى شملت أخير نساء النبي ﷺ أمّ المؤمنين عائشة، رضي الله عنها فشتمت واتهمت في عرضها. إذاً الابتلاء سنة كونية ولا يتعجب بعدُ من تهكم في الصالحين أينما كانوا وحلوا.

الدعاة إلى الله معرضون للتهم:

أشد الناس ابتلاءً الأنبياء ثم أتباعهم من الدعاة والصالحين وحسن أولئك رفقياً، خاصة العلماء الربانيين الذين تعتبر لحومهم مسمومة والوقوع فيهم بالسب والشبهات طعن في الدين، فإنهم حملة الرسالة

---

(١) الجامع الصحيح ،كتاب الشهادات، باب تعديل النساء بعضهن بعضا، ٣/١٧٥، رقم الحديث: ٢٦٦١

وورثة نبيهم.

وإن من طآمات زماننا هذا أن صار إشاعة الشبهات متفش في الناس، وأصبح إلصاق التهم بالدعاة والصالحين في علمهم وأخلاقهم دأب كثير من المرجفين والمنافقين الذين لم يألو جهدا في تحذير النساء من مجالسة العلماء الربانيين، وهكذا يعيد التاريخ نفسه حيث إنهم ماثلوا بصنيعهم هذا ما كان يفعله المنافقون ضد النبي ﷺ وأصحابه.

حادثة الإفك أظهرت فضل عائشة:

بلا شك إن حادثة الإفك تبين صدق عائشة أم المؤمنين ومكانتها الرفيعة فلولاها لما تبين الناس منزلتها وصدقها، ويكفي في هذا أن نزل قرآن يتلى إلى يوم القيامة يبين صدقها ومكانتها وفضلها على نساء العالمين.

وذلك ما جعلها مصدر عز وفخر لها حيث كانت تقول: " توفي النبي ﷺ في بيتي، وفي يومي، وبين سحري ونحري ... فجمع الله بين ريقي وريقه في آخر يوم من الدنيا، وأول يوم من الآخرة"[١]. وما أعظم هذه الصفات وما أجملها من لحظات توضح مكانتها الشريفة التي لا ينقصها أيٌ من كان.

المبحث الثاني : الفوائد المنتقاة من حادثة الإفك المتعلقة بالسلوك الأخلاقي

قاعدة جوهرية في التعامل مع الأشخاص (حسن الظن) :

والأصل في هذه القاعدة هو قول الله عز وجل: ﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيراً مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ .﴾ [٢]

ومن المؤسف جدا أن نجد مجتمعنا وهو يدعي أنه على أتم الأخلاق ولا يتخلى عن مثل هذه الرزائل، وهو سوء الظن بالغير، فلذا نجد الهفوات تلو الهفوات تظهر يوماً بعد يوم بسب ترك هذه القاعدة العظمى في المجتمع الذي نريد أن يكون طاهراً وبريئاً من الخبث والنجاسة، فلذا وقع الأمر الجلي من بارئ البرية بعدم وقوع أفراد المجتمع في الظنونات الكثيرة على قاعدة التجسس والنكيرة مرشدا إلى قاعدة عظمى لإقامة العدل والاعتدال وهو حسن الظن بالأفراد على ما ظهر منهم وترك السرائر وما لم يظهر منهم إلى رب السماوات والأرض رب الرحمة والعفو والغفران بذلك يتم التعايش السلمي والأخوي كل يود أخاه بما ظهر له.

وما وقع في هذه الإفكة إلا كان نتيجة سوء الظن وعدم العرفان بالظاهر، فلذا أدب الله المؤمنين

---

(١) الجامع الصحيح ، كتاب المغازي، باب مرض النبي ووفاته، ٤/١٣، رقم الحديث: ٤٤٥١

(٢) سورة الحجرات الآية: ١٢

وما ذكر عنهم بحسن النية عن أهل بيت النبوة، ثم ثنى بعظم النطق بهذه الفرية بلا حجة وبرهان وأن التلفظ به ليس مجرد التلفظ وإنما الأمر يحمل في طياته أشياء نكيرة للمجتمع والأفراد ويشوه صورة البيئة الآمنة إلى بيئة مأساوية، ثم أرشد الله سبحانه عباده إلى عدم العودة لمثل هذه الافتراءات والأقاويلات التي تهز كيان المجتمع.

التريث في نقل الخبر نجاح حقيقي:

كما ثبت عن المتكلم بالوحي عن رب العباد كفى بالمرء كذباً أن يحدث بكل ما سمع وقد بوب الإمام مسلم على هذا الحديث ما يذم على نقل القول بلا تريث وتأكد(١).

فقال سبحانه وتعالى: ﴿ لَوْلا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بِأَنفُسِهِمْ خَيْراً وَقَالُوا هَذَا إِفْكٌ مُّبِينٌ﴾(٢)، ثم بيّن سبحانه وتعالى أن التلفظ بهذا الكلام ونقله أمر عظيم، فقال سبحانه وتعالى: ﴿ إِذْ تَلَقَّوْنَهُ بِأَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُولُونَ بِأَفْوَاهِكُم مَّا لَيْسَ لَكُم بِهِ عِلْمٌ وَتَحْسَبُونَهُ هَيِّناً وَهُوَ عِندَ اللَّهِ عَظِيمٌ وَلَوْلا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ قُلْتُم مَّا يَكُونُ لَنَا أَن نَّتَكَلَّمَ بِهَذَا سُبْحَانَكَ هَذَا بُهْتَانٌ عَظِيمٌ﴾(٣)، ثم وعظنا الله عز وجل أن نعود إلى الوقوع في مثل هذا الذنب العظيم، فقال: ﴿يَعِظُكُمُ اللَّهُ أَن تَعُودُوا لِمِثْلِهِ أَبَداً إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ﴾(٤).

ضرب رؤوس المجتمع ضرب للمجتمع:

يستفاد من حديث الإفك فوائد عظيمة، منها: أن الطعن في القيادة تعني الطعن في المجتمع كله، لذا الشعوب الناضجة تحافظ على قادتها، لأن بهم يحفظ كيان المجتمع بأسره، وكما أن إساءة الظن بهم والتقوّل عليهم يعني ضرب كيان الأمة المسلمة، لذا جاءت الشريعة الإسلامية تشنّع الصنيع على من يحاول شتم العلماء الذين جعلهم الله ورثة الأنبياء لذا صدق من قال: "إذا زل العالِم زل بزلته العالَم".

عار الزنا أعظم من عار الكفر:

إن من أكبر المحن التي وقعت بالمسلمين أنْ اتهمت زوجة نبيهم بالزنا، وما أعظمه من عار، حتى أن مصيبة الكفر لا تساويه، ونجد في سيرة الأنبياء -صلوات الله وسلامه عليهم- أن زوجاتهم وآباءهم قد اتهموا بالكفر ولم يكن من بين ذلك من اتهم بالزنا، فهذا إبراهيم عليه السلام كان أبوه كافراً، وليس بعيدا عن ذلك أن امرأة لوط وابن نوح كانوا من الكافرين، فلم يعيّر أحد منهم بأبيه أو أهله ولا ابنه بجريمة الزنا.

---

(١) مسلم، مسلم بن الحجاج، الصحيح، المقدمة، : دار إحياء التراث العربي بيروت، دون الطبع والسنة، ١٠/١

(٢) سورة النور الآية: ١٥

(٣) سورة النور الآية: ١٤

(٤) سورة النور الآية: ١٧

وفي هذا السياق قال ابن عباس رضي الله عنهما في تفسير قوله تعالى ﴿فَخَانَتَاهُمَا﴾[١]، قال: ليست الخيانة خيانة عرض فكيف تتهم زوجة النبي ﷺ بالزنا وهم أحياء! فنزل النبي من على المنبر وعائشة تبكي ليلها ونهارها، وأعظم شيء هو أن النبي ﷺ لم يبرئها، بل هو متردد، وقد استلبث الوحي شهراً كاملاً لا ينزل؛ ليميز الله الخبيث من الطيب، فكان عليه الصلاة والسلام يدخل البيت، ويقول: «كيف تيكم؟»[٢] ثم يخرج.

استخدام العبارات اللطيفة ومراعاة مشاعر الآخرين:

كذلك مما ينبغي رعايته هو استخدام العبارات المسلية ومراعاة مشاعر الآخرين عند الحديث العام، ومن ذلك ما ورد في سياق حادثة الإفك قول سعد بن معاذ الأنصاري يا رسول الله: "أَنَا أَعْذِرُكَ مِنْهُ إِنْ كَانَ مِنْ الْأَوْسِ ضَرَبْتُ عُنُقَهُ وَإِنْ كَانَ مِنْ إِخْوَانِنَا مِنْ الْخَزْرَجِ أَمَرْتَنَا فَفَعَلْنَا أَمْرَكَ"[٣]، وفي قوله تحرز وتأدب لأنه قبل مجيء الإسلام كانت هناك حروب طويلة بين الأوس والخزرج، لم يتعافى منها الطرفان إلا عندما جاء الإسلام الذي ساوى بينهم بنعمة الإخاء الإسلامي فصاروا إخوة متحابين في جلال الله وعظمته، إلا أنه ظلت بعض الرواسب القليلة في النفوس بينهما، فاحترز لأجل ذلك بقوله: إِنْ كَانَ مِنْ الْأَوْسِ ضَرَبْتُ عُنُقَهُ، ولم يستثن ولم يحترز، بيد أنه أحتاط شديد الاحتياط باستعماله قول: وَإِنْ كَانَ مِنْ إِخْوَانِنَا مِنْ الْخَزْرَجِ أَمَرْتَنَا فَفَعَلْنَا أَمْرَكَ، فقدّم لفظ الإخوة بدلاً عن ضرب العنق، خوفاً على حدوث الفتنة. وبرغم لطافة العبارة فقد حدث الذي خاف منه. فلم ترض هذه الكلمة سعد بن عبادة زعيم الخزرج ؛ لأنه أراد أن ينال شرف الدفاع عن الرسول ﷺ فسعد بن معاذ تكلم عن الأوس، فيريد هو أن يتكلم عن الخزرج ويقول أيضاً: إن كان من الخزرج ضربت عنقه، فساءه أن سعد بن معاذ يتكلم عن الخزرج وهو حي.

التماس العذر للمسلم:

إن من الحكم العظيمة التي نستفيدها من حادثة الإفك إلتماس العذر للمسلم، فعندما فات عائشة أم المؤمنين الركب لم تعتب عليهم بل قالت في حق النسوة إنهن خفافاً لم يحملن اللحم، وهنا لطيفة فيها إشارة إلى أن النساء كن خفافاً حيث مضوا من دونها وتريثت هي حتى وجدت عقدها، وقد تيقنت عند فقدها سيرجعون إليها، والشاهد أنها حاولت أن تجد لهم أسباباً تبرئهم بها بدلاً عن إلقاء اللوم عليهم.

---

(١) سورة التحريم الآية: ١٠

(٢) الجامع الصحيح ، كتاب الشهادات، باب تعديل النساء بعضهن بعضا، ١٧٥/٣، رقم الحديث: ٢٦٦١

(٣) المرجع السابق، كتاب التفسير،باب سورة النور، ١٢١/١

الطعن في الرموز هو دأب المنافقين في القديم والحديث:

الطعن في ولاة الأمور والعلماء هو دأب المنافقين والمرجفين قديماً وحديثاً، فنجد أن طعن عبد الله بن سلول زعيم المنافقين كان يقصد به في المقام الأول الطعن في النبي ﷺ وعليه ينبغي أن نعي شر الفتن والتي منها أن الطعن في قادة الأمة هو سبيل المنافقين وأن مجابهتهم وأخذ الحذر ضرورة شرعية.

قذف المحصنات من الكبائر:

إن من أكبر الكبائر قذف المؤمنات الغافلات بإلصاق التهم بهن وفي عرضهن، وقد استوجب الله سبحانه جزاء نكالاً لمن يقوم بذلك من المنافقين بأن لهم اللعنة في الدنيا والآخرة، واستقبح الشرع صنيع من يقومون بذلك وخوّف المؤمنين بأن من يقوم بذلك سوف تشهد عليهم ألسنتهم وأيديهم وأرجلهم بما كانوا يعملون.

الولوغ في أعراض المسلمين:

إن من أعظم البلوى أن يقع المسلمون في أعراض بعضهم بعضاً وأن ينقلون الأخبار المسيئة إلى بعضهم بقصد أو بغيره، وتكبر المصيبة في استصغار الغيبة والنميمة والقذف، وصدق المولى عزوجل حيث قال: ﴿وَتَحْسَبُونَهُ هَيِّنًا وَهُوَ عِندَ اللَّهِ عَظِيمٌ﴾[(١)].

فالله الله في أعراض المسلمين فإن حرمتها شديدة وفاعله يعاقب باللعنة وسوء المنقلب في الدنيا والآخرة. وكما لا يخفى علينا أن مفسدة الوقوع في أعراض المسلمين سبب من أسباب الفرقة والشتات بين كيان المجتمع الإسلامي حيث قال النبي ﷺ: «مَنْ حَمَى مُؤْمِنًا مِنْ مُنَافِقٍ أُرَاهُ قَالَ بَعَثَ اللَّهُ مَلَكًا يَحْمِي لَحْمَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ نَارِ جَهَنَّمَ وَمَنْ رَمَى مُسْلِمًا بِشَيْءٍ يُرِيدُ شَيْنَهُ بِهِ حَبَسَهُ اللَّهُ عَلَى جِسْرِ جَهَنَّمَ حَتَّى يَخْرُجَ مِمَّا قَالَ»[(٢)]، وتتكلم فيه وتطعن، وتتكلم بما يسوءه ويكرهه، ويتركك الرب جل وعلا؟![(٣)].

الرجولة والشجاعة في العفو لا في الانتقام:

لا شك أن الرجولة والإقدام في أن يعفو المرء ويصفح ويتمالك نفسه عند الغضب لا أن يبطش بمن هو قادر عليه، ومن ذلك الحلم في التصرف عند الغضب، وقد تجلى هذا الموقف في قصة الإفك حيث إن أبا بكر الصديق رضي الله عنه كان ينفق على الصحابي مسطح بن أثاثة، وهو الذي قد خاض في عرض بنته الصديقة عائشة أم المؤمنين رضي الله عنها، فأبى أبو بكر أن ينفق عليه، وعندما نزل قول الله تعالى ﴿ وَلَا يَأْتَلِ

---

(١) سورة النور الاية:١٥

(٢) أبو داود، سليمان بن الأشعث، سنن، كتاب الأدب، باب فى الغيبة، دار ابن الجوزي الرياض، ط ثالثة، ١٤٠٩هـ ، ٦٨٥/٢، رقم الحديث: ٤٨٧٨

(٣) الترمذي، الجامع، كتاب الادب، باب إكرام الضيف وقول الخير، ٣٤٠/٣

أُولُوا الْفَضْلِ مِنكُمْ وَالسَّعَةِ أَن يُؤْتُوا أُوْلِي الْقُرْبَى وَالْمَسَاكِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا أَلَا تُحِبُّونَ أَن يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴾[١]. رجع أبو بكر عن موقفه فقال: لى يا رب نحب أن يفغر لنا. فأعاد نفقته على مسطح.

وهو موقف عظيم يتمثل فيه الرجولة الحقة والعفو والصفح عند الغضب والمقدرة على إيذاء الآخر، وهذا موقف يبين لنا مكانة أبي بكر الصديق ﵁[٢].

الاهتمام بوحدة الصف:

إن أكبر المواقف الحكيمة التي نستفيدها من حادثة الإفك قد تجلى في موقف النبي ﷺ في محاولته الدؤوبة التي رمى بها إلى إصلاح ذات البين والحرص الشديد على إلتئام شمل المسلمين. وذلك عندما بدأ الصحابة رضوان الله عليهم من التنابز بالنفاق وأرادوا الاقتتال فيما بينهم حيث ترك الحديث عن حادثة الإفك التي كانت تمس أحب أزواجه إليه فنادى فيهم بالتؤدة وخفض الصوت وعدم الفرق والتشاحن.

وهو موقف عظيم يدل أن النبي ﷺ قد كان مهتماً بوحدة الكلمة ما بين الصحابة وحريصاً أن لا يدع الشيطان يجد حظه في نفوسهم فيعمل فيهم الضغناء والشحناء التي سوف تفرق صفهم وجمعهم[٣].

المبحث الثالث : الفوائد المنتقاة من حادثة الإفك المتعلقة بالسلوك التعامل

أثبتت الحادثة أن بعد كل صعوبة تفتح أبواب اليسر:

من المحن تأتي المنح، وتحت كل مصيبة خير لصاحبها ولا أدل على ذلك من قصة أم موسى عليه السلام، فقد ابتلاها الله تعالى بأن أمرها أن تلقي ولدها في إلىم، ثم انقلبت محنتها منحة وخيراً، ومثلها قصة الإفك ؛ فقد كانت محنة ومصيبة في البداية على عائشة ﵂ ولكن الله تعالى جعل من بعدها خيراً كثيراً لها وللمسلمين، وغيرها من القصص.

أهمية المشورة والتأني فى الأمور:

إن مما يستفاد من حادثة الإفك المشورة فيما ينزل بالمرء من نوازل والتأني في اتخاذ القرار وعدم التسرع، ومن ذلك أن النبي ﷺ سأل أسامة بن زيد فأشار على رسول الله ﷺ بالذي يعلم من براءة أهله وبالذي يعلم لهم في نفسه من الود فقال يا رسول الله "أَهْلَكَ وَلَا نَعْلَمُ إِلَّا خَيْرًا"[٤]، فأخبره بالذي يجده في

---

(١) سورة النور الآية :٢٢

(٢) الجامع الصحيح، كتاب تفسير القرآن، بَابُ ﴿لَوْلاَ إِذْ سَمِعْتُمُوهُ﴾، ١٠١/٦، رقم الحديث: ٤٧٥٠

(٣) المرجع السابق، كتاب الشهادات، باب تعديل النساءِ بعضهن بعضاً، ١٧٣/٣، رقم الحديث: ٢٦٦١

(٤) الجامع الصحيح, كتاب التفسير، باب تفسير سورة النور ٢٣٢/٢

نفسه له من الود، وأكد أنه لا يعلم عن أهله إلا خيراً، ثم استشار علي بن أبي طالب فقال: "يا رسول الله النساء غيرها كثير"، وأشار عليه بسؤال الجارية فأرسل ﷺ إلى بريرة التي أكدت له أنها لم تر في عائشة ﵂ عيباً، غير أنها كانت جارية حديثة السن، تنام عن عجين أهلها، فتأتي الداجن فتأكله؛ هذا هو عيبها، تعجن العجين وتتركه بلا غطاء، فكان يأتي الدجاج ويأكل العجين.

وبعد المشاورة والتأني صعد النبي ﷺ المنبر خطيباً في أصحابه فقال: « يَا مَعْشَرَ المسْلِمِينَ، مَنْ يَعْذِرُنِي مِنْ رَجُلٍ بَلَغَنِي أَذَاهُ فِي أَهْلِي، وَاللهِ مَا عَلِمْتُ عَلَى أَهْلِي إِلَّا خَيْرًا »(١).

الزجر بالهجر تابع للمصلحة والمفسدة:

الزجر بالهجر قاعدة نص عليها العلماء، لكنها تدور مع المصلحة، والزجر أن تزجر العاصي والمبتدع بهجره، هذا هو معنى قول العلماء: "الزجر بالهجر" مثلاً: رجل عاصٍ تؤدبه امرأة ناشز تؤدبها بالهجر مبتدع تؤدبه بالهجر، وكل هذا في إطار المصلحة الراجحة، فإن النبي ﷺ الذي قال: «لَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ أَنْ يَهْجُرَ أَخَاهُ فَوْقَ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ »(2).

هجر ثلاثة من خيار المؤمنين خمسين ليلة، هجر كعب بن مالك، و هلال بن أمية الواقفي، و مرارة بن الربيع ؛ لما تخلفوا عن غزوة تبوك، بل قال كعب: «وكنت آتيه في مجلسه فألقي عليه السلام، فَأَقُولُ فِي نَفْسِي هَلْ حَرَّكَ شَفَتَيْهِ بِرَدِّ السَّلَامِ أَمْ لَا ؟»(٣) ونهى النبي ﷺ المسلمين أن يكلموا هؤلاء الثلاثة.

وأيهما أولى بالهجر: كعب بن مالك، أم عبد الله بن أبي ابن سلول ؟ وهو رأس المنافقين، الذي تولى كبر حديث الإفك، ورمى السيدة العفيفة الطاهرة عائشة بالزنا، أيهما أولى أن يهجر، وأن يضيق عليه الخناق، وأن يؤدب؟ أليس هذا المنافق رأس المنافقين أولى بذلك؟! ومع ذلك قيل للنبي ﷺ: يا رسول الله! أفلا نقتله؟ قال: «معاذ الله أن يَتَحَدَّثُ النَّاسُ أَنَّ مُحَمَّدًا يَقْتُلُ أَصْحَابَهُ»، وعاش هذا الرجل، وقد صان دمه وعرضه وحياته بإظهار كلمة الإسلام، ومات فصلى عليه النبي ﷺ ودفنه ؛ بل وكفنه ببردة له، وليس ذلك بنافع له عند الله، كونه يتدثر ببردة النبي عليه الصلاة والسلام لأن صلة الرحم أقوى من البردة، ومع ذلك فإن أبا لهب لم ينفعه أنه كان عم النبي عليه الصلاة والسلام، قال النبي ﷺ: «يَا صَفِيَّةُ عَمَّةَ رَسُولِ اللهِ لَا أُغْنِي عَنْكِ مِنْ اللهِ شَيْئًا، يَا فَاطِمَةُ بِنْتَ رَسُولِ اللهِ سَلِينِي بِمَا شِئْتِ لَا أُغْنِي عَنْكِ مِنْ اللهِ شَيْئًا»(٤)،

---

(١) الجامع الصحيح ، كتاب الاعتصام بالكتاب والسنة، باب قول الله تعالى: وأمرهم شورى بينهم، ١١٣/٩، رقم الحديث: ٧٣٦٩

(٢) صحيح مسلم ، كتاب البرّ والصلة والآداب، باب تحريم التّحاسد والتّباغض والتّدابر، ١٩٨/٤

(٣) الجامع الصحيح،كتاب المغازي ،باب حديث كعب ابن مالك، ٤٥١/٣

(٤) صحيح مسلم ، كتاب الايمان ،باب فاطمة ﵂ ٤٥/١

فإذا كانت صلة الأرحام لا تنفع فالبردة لا تنفع من باب أولى، ومع ذلك صلى عليه ودفنه وسجاه ببردته وهذا يدلنا على أن مسألة الهجر خاضعة للمصلحة، فإن المسلم إذا هجرته إنما وكلته إلى دينه.

عقوبة من يحبون إشاعة الفاحشة في الذين آمنوا وضرورة الحذر منهم:

مما يستفاد من حادثة الإفك أن الله تعالى قد رتّب عقوبة شنيعة لمن يحبون أن تشيع الفاحشة والأخبار الفاجرة وسط المؤمنين، حيث توعدهم المولى جلت قدرته بأن لهم عذاباً أليما في الدنيا والآخرة، وحذر الشرع الحكيم المؤمنين من إتباع خطوات الشيطان التي تؤدي إلى الفسوق والعصيان وارتكاب المؤمنين للمحرمات وأكبرها الغيبة والنميمة وأعظمها جرماً قذف المؤمنات خاصة أزواج النبي ﷺ.

الاستدلال على الصدق من مظانه:

أيضا إن مما يستفاد من حادثة الإفك أن النبي ﷺ قد عمل على التحقق من حادثة الإفك من أهل الصدق حتى يتحرى منهم الأمر، وفي ذلك سأل الصادقين والأمناء من صحابته رضى الله عنهم أجمعين، وقد سأل علياً ﷺ فأشار إليه أن يسأل الجارية بريرة فقال: " وَسَلِ الْجَارِيَةَ تَصْدُقْكَ"، فوصفها بالصدق لأنها كانت ملازمة لعائشة ﷺ ومطلعة على أسرار بيتها، وكما كانت توصف بالصدق والأمانة، وهو ما دعا النبي ﷺ إلى سؤالها فوجد عندها الحقيقة ناصعة بيضاء بأنها (عائشة) جارية حديثة السن وأنها لم تر منها إلا خيرا.

إرشاد المذنب إلى باب التوبة:

إن من التوجيهات النبوية العظيمة في حادثة الإفك أن النبي ﷺ قد أرشد عائشة إلى التوبة والاستغفار إنْ كانت قد فعلت ذنباً فقال"يَا عَائِشَةُ إِنْ كُنْتِ أَلْمَمْتِ بِذَنْبٍ فَاسْتَغْفِرِي اللَّهَ[١]، فلم يغلق باب التوبة عليها، لأن الله يغفر الذنوب جميعاً وهو التواب الرحيم، وهو توجيه للدعاة والمصلحين أن لا يستعجلوا في أمر الناس بحيث يحملوهم على أن يقنطوا من رحمة الله بل عليهم بيان النصح لهم وأن الله يقبل التوبة عن عباده ويعفوا عن كثير.

كتمان أسرار الناس:

الداعية إلى الله تعالى هو مصدر ثقة كبير بين الناس، حيث ينظر إليه المجتمع نظرة الصلاح والخير، وبذا يضعون ثقته فيه فيعرضون عليه مشكلاتهم الخاصة، والتي منها ما هو خير وشر، وعليه فإن الداعية مثل الطبيب الذي يحكي له الناس أسرارهم فلا ينبغي له إفشاءها أو التحدث بها بين الناس.

وبلا شك إن كتمان أسرار المسلمين نوع من حفظ الدين، حيث إن العدو قد يستغل هذه الأخبار والأسرار في محاربة المسلمين، فحفظ أسرار المسلمين ضرورة شرعية ويتوجب أمرها في حق الدعاة

---

[١] أحمد، ابن حنبل، أبو عبد الله، المسند، مسند الأنصار، دار السّلام، الرّياض، ط أولى، دون السنة، ١٢٣/١

الذين هم أغير على الدين وحفظ حدوده[١].

الخاتمة

وفي الختام أود أن ألفت الأنظار إلى أهم النتائج التي تم الوقوف على مغزى الحادثة، وهي:

- إن حادثة الإفك تعتبر من الأحداث المؤثرة في الحياة الاجتماعية والفردية بحيث تركت الواقعة في تاريخ البشرية كثيراً من الآثار السلوكية والعقدية والأخلاقية.
- إنها أوجدت حلولاً ثقافية تحتوي على أسس التعامل بين الأفراد والمجتمع تحت كيان سياسي أو ديني.
- كما لا يخفي على من له إلمام بتاريخ الأمم وأحداثها أنها أوجدت أخلاقاً سامية في العفو والتسامح والتريث والاستشارة من الأخلاق الرفيعة بحيث يصعب على أهل التاريخ العثور على مثل هذه النواة في المجتمع.

فأسأل الله رب العرش العظيم أن يجعل هذا الجهد الضئيل مقبولاً، وهو القادر عليه.

❁ ❁ ❁

(١) البخاري، الجامع الصحيح، كتاب المظالم، باب لا يظلم المسلم المسلم ولا يسلمه،١٢٨/٣، رقم الحديث: ٢٤٤٢.
ومسلم، المسند الصحيح، كتاب الأدب، باب تحريم الظلم، ١٩٦/٤، رقم الحديث: ٢٥٦٤

دلالات الهدى وأنواعه في السياق القرآني

Evidence of Hidaya and its types in the context of Holy Quran

د. أبو بكر بهته*

د. كفايت الله همداني**

ABSTRACT

All divine religions guided human beings towards right path. The purpose and aim of all the prophets and messengers was to invite people towards hidaya. The man who accepts this hidaya, he deserves great blessings from Allah. The purpose of this article is to explain lexical and terminological meanings of Hidaya. Anybody who is familiar with Arabic language knows it very well that a word has several meanings in this language and every meaning of a word is used and required according to the situation and location. The use of right word at right place is the basic requirement. In Arabic it is associated with “expertise in Arabic grammar”.

The Holy Quran was revealed in Arabic language. It is the word of Allah; therefore, various meanings of a word are taken in it. A person can use a single word in different meanings with reference to its context, instead of using different words for every meaning. In this way, he can easily achieve his objective without any disturbance and difficulty.

Some methodology has been used by contemporary Exegesists. They also give reference to modern methodology of Tafsir which is called Subjective Tafsir.

In this article one type of Subjective Tafsir has been described which explains such words of Quran that imply different meanings. In this article, discussion has been made on lexical and terminological meanings of Hidaya and after that discussion was made on various forms and conditions for use of single word Hidaya with different meanings mentioned in Quran. The article also discusses meaing of Hidaya which different Exegetists have explained with reference to its context and which is best form of its use near scholars of Sharia.

***Keywords*:** *Hidaya, Subjective Tafsir, terminological meanings, Exegesists*

* المحاضر،قسم اللغة العربية وآدابها الجامعة الوطنية للغات الحديثة،إسلام آباد

** رئيس قسم اللغة العربية وآدابها الجامعة الوطنية للغات الحديثة،إسلام آباد

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على سيدنا مُحَمَّد أشرف المرسلين وعلى آله وصحبه ومن تبعهم بإحسان إلى يوم الدين، وبعد!

أهمية الهدى

فإن الهداية موهبة وفضل إلهي، فعليه أن يؤهل نفسه لقبول الآيات والاتعاظ بها، ويبدي استعداده لقبول هدى الله، ويتدبر ويتفكر في إدراك سنة الهدى، ويتجاوب مع الرسالات السماوية، ويبتعد عن هوى النفس والشيطان، وأن يقتدي بالنماذج التي كتب الله لها الهداية، وأن ينتفع بالأمثلة التي ضربها الله لخلقه في القرآن الكريم.

إذا كانت معرفة سنن الله معرفة لجزء من الدين، وتوظيفها وإحسان التعامل معها ضرورة وفريضة، ومن الواجبات الدينية، كذلك فالعلم بسنة الهدى والضلال أهم ضرورة وأعظم فريضة، وذلك لبيان أن من يسير وفق سنن الله تعالى فإنه يلقى في حياته جزاء سيره، والرخاء في معيشته، والقوة والنصر في حياته.

إذا كان الأمر كذلك فواجب المسلم تجاه هذه السنة أن يؤمن يقيناً بأن الفوز والفلاح لمتبع هدى الله.والأحداث التي تقع أمام عينيه ليلا ونهارا لبيان معنى الهداية إلى الحق، والوصول إليها؛ حتى يكتب له الهدى الحقيقي، ويمده الله بهداه، ويوفقه للبعد عن أهل الضلال. فعندما يقرر القرآن الكريم حقيقة ما آل إليه أمر الضالين؛ فهدفه بثّ الوعي في المجتمع، ثم إيجاد موقف يترجم ذلك الوعي، مؤداه اكتشاف أسباب الضلال أو أسباب الهدى، والفوز يفرض تلافي الأولى ونهج منوال الثانية.

إن من أسباب اطمئنان القلب وراحة النفس أن يسير العبد في جميع أموره على ما يرضي الله تعالى: ﴿قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾[١].

فإذا كان العبد كذلك عاش بخير ومات بخير وبعث بخير. ذلك أن نعمة الهداية إلى صراط الله المستقيم تقطف ثمارها في الدنيا والبرزخ والآخرة.وقوله تعالى: ﴿إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ﴾[٢] .

خطة البحث

اشتمل البحث على مقدمة وأربعة مباحث وخاتمة، وتفصيلها كالآتي:

المقدمة: وهى التي بين يدي القارىء الكريم، وفيها أهمية الهدى.

المبحث الأول: فنتناول فيه مادة الهدى في الاستعمال اللغوي والاصطلاحي

---

(١) سورة الأنعام، الآية:١٦٢

(٢) سورة فصلت، الآية:٣٠

المبحث الثاني: نذكر فيه كلمة الهدى في الاستعمال القرآني،ونبين فيهِ كيف جاء لفظ الهدى وعدد ورودهِ والصيغ التي بُنِيَ عليه.

المبحث الثالث: نتعرض دلالات لفظ (الهدى)ومعانيه في القرآن الكريم،وفي كتب الوجوه والنظائر.

المبحث الرابع: نذكر أربعة تقسيمات لكلمة (الهدى) عند العلماء الكرام.

المبحث الأول: الواقع الدلالي للفظ (الهدى) لغة وإصطلاحا

الهدى لغة

الهدى والهداية مصدران لقولهم: هدى يهدي،وهما مأخوذان من مادّة (هـ د ى) الّتي تدلّ على أصلين: أحدهما: التّقدّم للإرشاد، والآخر: بعثة لطف.

وقال الجوهريّ: الهدى: "الرّشاد والدّلالة؛ يؤنّث ويذكّر، يقال: هداه الله للدّين هدى، والهدى في قوله تعالى: ﴿أَوَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ﴾[١]، أي لم يبيّن لهم، والهداء مصدر قولك: هديت المرأة إلى زوجها هداء وقد هديت إليه، ويقال: هدى هدي فلان أي سار سيرته، والتّهادي أن يهدي بعضهم إلى بعض، وفي الحديث: (تهادوا تحابّوا)[٢] .[٣]

وقال ابن منظور: هو من هداه يهديه هدى وهديا وهداية وهدية. والهدى: ضدّ الضّلال وهو الرّشاد والبيان، لازم ومتعدّ، يقال: هداه الله الطّريق وهي لغة الحجاز. ولغة غيرهم يتعدّى بالحرف فيقال هداه إلى الطّريق وللطّريق أي بيّنه له وعرّفه به[٤].

الهدى اصطلاحا

اتضح لنا أن للهداية عند علماء اللغة معنيين:

المعنى الأول: يدل على الدلالة والإرشاد والبيان وهو الذي يضاف إلى الرسل والقرآن والعباد. قال الله تعالى: ﴿وَإِنَّكَ لَتَهْدِي إِلَى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ﴾ وقال تعالى: ﴿إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ يِهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ﴾، وقال

---

(١) سورة السجدة، الآية:٢٢٦

(٢) الطبراني، أبو القاسم سليمان بن أحمد ،المعجم الأوسط، دار الحرمين القاهرة،حديث رقم،٧٢٤٠، ١٩٠/٧

(٣) الفارابي، أبو نصر إسماعيل بن حماد الجوهري، الصحاح تاج اللغة وصحاح العربية،، دار العلم للملايين بيروت، الطبعة ١٤٠٧هـ ١٩٨٧م، ٢٥٣٣/٦

(٤) ابن منظور، مُحَمَّد بن مكرم بن على، أبو الفضل، لسان العرب، دار صادر بيروت، الطبعة:٣، ٣٥٥/١٥

تعالى: ﴿هُدىً لِلْمُتَّقِينَ﴾، ومنه قوله تعالى: ﴿وَأَمَّا ثَمُودُ فَهَدَيْنَاهُمْ﴾ أي بينا لهم الطريق، ومنه قوله تعالى: ﴿إِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيلَ﴾ وقال تعالى: ﴿وَهَدَيْنَاهُ النَّجْدَيْنِ﴾[١].

المعنى الثاني: يدل على اللطف والتوفيق والعصمة والتأييد وهو الذي تفرد الله به، ومنه قوله تعالى: ﴿إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَن يَشَاء وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ﴾[٢]، [٣].

وقال الكفويّ: الهداية هي الدّلالة على طريق من شأنه الإيصال (إلى المطلوب) سواء حصل الوصول بالفعل في وقت الاهتداء أو لم يحصل[٤]. وقال ابن القيّم: الهداية: هي البيان والدّلالة، ثمّ التّوفيق والإلهام، وهو بعد البيان والدّلالة. ولا سبيل إلى البيان والدّلالة إلّا من جهة الرّسل، فإذا حصل البيان والدّلالة والتّعريف ترتّب عليه هداية التّوفيق[٥].

المبحث الثاني: كلمة (الهدى) في الاستعمال القرآني

وَرَدَ جذر (هـ ، د ، والحرف المعتل) في ثَلاثَةِ مِائَةٍ وسبعةَ عَشَرَ موضعاً في القرآنِ الكريم ، منهُ موضِعان للدلالة على " اللطف الذي يُهْدِي بعضنا إلى بعض"[٦]، في قولهِ تعالى: ﴿وَإِنِّي مُرْسِلَةٌ إِلَيْهِم بِهَدِيَّةٍ فَنَاظِرَةٌ بِمَ يَرْجِعُ الْمُرْسَلُونَ﴾، وقولهُ تعالى: ﴿فَلَمَّا جَاء سُلَيْمَانَ قَالَ أَتُمِدُّونَنِ بِمَالٍ فَمَا آتَانِيَ اللَّهُ خَيْرٌ مِّمَّا آتَاكُم بَلْ أَنتُم بِهَدِيَّتِكُمْ تَفْرَحُونَ﴾[٧]. واستعملت المادة فضلاً عن ذلك للدلالة على ما يُقَدم إلى الحرم الحرم من النِعَم في سبعة مواضعٍ[٨]، منها قال تعالى: ﴿وَأَتِمُّواْ الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّهِ فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ مِنَ الْهَدْيِ وَلاَ تَحْلِقُواْ رُؤُوسَكُمْ حَتَّى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهُ فَمَن كَانَ مِنكُم مَّرِيضاً أَوْ بِهِ أَذًى مِّن رَّأْسِهِ فَفِدْيَةٌ مِّن صِيَامٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ نُسُكٍ فَإِذَا أَمِنتُمْ فَمَن تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ فَمَن لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ

---

(١) سورة الشورى، الآية:٥٢، سورة الإسراء، الآية:٩، سورة البقرة، الآية:٢، سورة فصلت، الآية:١٧،سورة الإنسان، الآية:٣،سورة البلد، الآية:١٠

(٢) سورة القصص، الآية:٥٦

(٣) السعدى، عبدالرحمن بن ناصر ،تيسير الكريم الرحمن في تفسير كلام المنان، مؤسسة الرسالة، ص:٢٣

(٤) الكفوي، أيوب بن موسى الحسيني القريمي، الكليات معجم في المصطلحات والفروق اللغوية، مؤسسة الرسالة، بيروت، ص:٩٥٢

(٥) ابن قيم الجوزية ، مُحَمَّد بن أبي بكر بن أيوب بن سعد شمس الدين ،بدائع الفوائد، دار الكتاب العربي، بيروت، عدد الأجزاء: ٤ : ٢/ ٣٧

(٦) الأصفهاني، أبو القاسم، الحسين بن مُحَمَّد، المعروف بالراغب ، المفردات في غريب القرآن، دار القلم، الدار الشامية دمشق بيروت، الطبعة: الأولى، ص:٨٤٠

(٧) سورة النمل، الآيتان:٣٥ – ٣٦

(٨) سورة المائدة ، الآيتان: ٢ – ٩٥ – ٩٧

ثَلاثَةِ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ إِذَا رَجَعْتُمْ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ذَلِكَ لِمَن لَّمْ يَكُنْ أَهْلُهُ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَاتَّقُواْ اللّهَ وَاعْلَمُواْ أَنَّ اللّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ﴾.(١) وكثرة ورود هذا اللفظ في القرآن الكريم إنما يدل على بلوغهِ الغاية في الاهتمام بالهدى والهداية، وكيف لا وقد قال تعالى: ﴿إِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدَى﴾(٢)، ولهذا تعددت اشتقاقات وصيغة اللفظ في القرآن الكريم، فجاء اسماً بصيغ مختلفة في مائةٍ وسبعةٍ وعشرين موضعاً، منها صيغةِ المصدر كما في قوله تعالى: ﴿ذَلِكَ الْكِتَابُ لاَ رَيْبَ فِيهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ﴾(٣)، وصيغةِ اسم الفاعل في قولهِ تعالى: ﴿وَكَذَلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِينَ وَكَفَى بِرَبِّكَ هَادِيًا وَنَصِيرًا﴾(٤)، وصيغةِ اسم التفضيل في قولهِ تعالى: ﴿قَالَ أَوَلَوْ جِئْتُكُم بِأَهْدَى مِمَّا وَجَدتُّمْ عَلَيْهِ آبَاءَكُمْ قَالُوا إِنَّا بِمَا أُرْسِلْتُم بِهِ كَافِرُونَ﴾.(٥)

وجاء فعلاً ماضياً بصيغٍ مختلفة في خمسةٍ وخمسين موضعاً، منها قوله تعالى: ﴿وَالَّذِي قَدَّرَ فَهَدَى﴾، وقوله تعالى ﴿وَالَّذِينَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَآتَاهُمْ تَقْواهُمْ﴾، وقوله تعالى ﴿وَهُدُوا إِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ وَهُدُوا إِلَى صِرَاطِ الْحَمِيدِ﴾(٦).

وجاء فعلاً مضارعاً بصيغٍ مختلفة في مائةٍ وثلاثةٍ وعشرين موضعاً، منها قوله تعالى: ﴿وَكَذَلِكَ أَنزَلْنَاهُ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ وَأَنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَن يُرِيدُ﴾، وقوله تعالى: ﴿إِلاَّ الْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاء وَالْوِلْدَانِ لاَ يَسْتَطِيعُونَ حِيلَةً وَلاَ يَهْتَدُونَ سَبِيلاً﴾، وقوله تعالى: ﴿ ذَلِكَ لِيَعْلَمَ أَنِّي لَمْ أَخُنْهُ بِالْغَيْبِ وَأَنَّ اللّهَ لاَ يَهْدِي كَيْدَ الْخَائِنِينَ﴾(٧).

وجاء بصيغةِ الأمر في ثلاثة مواضع مسنداً إلى ضمير المتكلم (نا) وضمير الجمع في قوله تعالى: ﴿اهدِنَا الصِّرَاطَ المستَقِيمَ﴾، وقوله تعالى ﴿إِذْ دَخَلُوا عَلَى دَاوُودَ فَفَزِعَ مِنْهُمْ قَالُوا لَا تَخَفْ خَصْمَانِ بَغَى بَعْضُنَا عَلَى بَعْضٍ فَاحْكُم بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَلَا تُشْطِطْ وَاهْدِنَا إِلَى سَوَاء الصِّرَاطِ﴾، وقوله تعالى: ﴿مِن دُونِ اللَّهِ فَاهْدُوهُمْ إِلَى صِرَاطِ الْجَحِيمِ﴾(٨). "وهذا التوارد الكثيف والمتنوع لهذا اللفظ يُنبئ بمحوريتهِ في القرآن الكريم".

---

(١) سورة البقرة، الآية:١٩٦

(٢) سورة الليل، الآية:١٢

(٣) سورة البقرة، الآية:٢

(٤) سورة الفرقان، الآية:٣١

(٥) سورة الزخرف، الآية:٢٤.

(٦) سورة الأعلى، الآية:٣،سورة مُحَمد، الآية:١٧، سورة الحج، الآية:٢٤

(٧) سورة الحج، الآية،١٦، سورة النساء ، الآية:٩٨، سورة يوسف، الآية:٥٢

(٨) سورة الفاتحة، الآية:٦، سورة ص، الآية:٢٢، سورة الصافات، الآية:٢٣

أمَّا أصحاب كتب الوجوه والنظائر فقد أوصل قسمٌ منهم وجوه الهُدَى في القرآن الكريم إلى أربعة وعشرين وجهاً مختلفين فيها. واتفقَ مقاتل بن سليمان البلخي (ت ١٥٠ هـ)[١]، وهارون بن موسى القارئ (ت ١٧٠ هـ)[٢]، والحسين بن مُحَّد الدامغاني (ت ٤٧٨ هـ)، وابن العماد (ت ٨٨٧ هـ)[٣] على سبعة عشر وجهاً للهُدَى وهي: البيان، دين الإسلام، الإيمان، الداعي، المعرفة، الرسل والكتب، الإرشاد، أمر مُحَّد ﷺ، القرآن، التوراة، الاسترجاع، لا يهدي إلى الحجة، التوحيد، السنة، الإصلاح، الإلهام، التوبة.

أمَّا الحكيم الترمذي (ت ٣٢٠ هـ) فقد ذكر وجوه الهُدَى في القرآن الكريم دون الاستشهاد بآيات معينة كأمثلة لتلك الوجوه إلا في الهُدَى بمعنى القرآن فأشار إلى قوله تعالى: ﴿إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ يَقُصُّ عَلَى بَنِي إِسْرَائِيلَ أَكْثَرَ الَّذِي هُمْ فِيهِ يَخْتَلِفُونَ * وَإِنَّهُ لَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِلْمُؤْمِنِينَ﴾[٤]، فهو يذكر أَنَّ للهُدَى أربعة عشر وجهاً، إذ لم يشر إلى وجوه: (الإيمان ، أمر مُحَّد ﷺ، التوراة، الاسترجاع، لا يهدي إلى الحجة، السنة، الإصلاح، الإلهام)، ثُمَّ أَضاف الوجوه الآتية: (البصيرة، الصواب، التقوى، التوفيق، الممر).[٥]

وأشار ابن الجوزي (ت ٥٩٧ هـ) إلى أربعة عشر وجهاً للهُدَى أيضاً، إذ لم يذكر الوجوه الآتية: (المعرفة، الإرشاد، الاسترجاع، لا يهدي إلى الحجة، التوبة) إلا أنه أَضاف وجهين وهما: (الموت على الإسلام، الثبات)[٦].

أجمعت كتب الوجوه والنّظائر في القرآن الكريم أنّ لفظ الهدى وما اشتقّ منه أكثر الألفاظ وجوها،وقد ذكر له مقاتل بن سليمان البلخيّ في الأشباه والنّظائر ويحيى بن سلّام في «التّصاريف» والسّيوطيّ في «الإتقان» ثمانية عشر وجها.[٧]

المبحث الثالث: أهم دلالات موارد لفظ (الهدى) ووجوهه في القرآن الكريم

كما سبق أن كلمة (الهدى) وما اشتق منه صيغه من أكثر الكلمات الواردة في القرآن الكريم؛ ولهذا تعددت دلالاته ووجوهه أيضا، فهناك عدة اطلاقات له بنسبة المعنى في القرآن الكريم،وإن كان عددا

---

(١) السبكي، تاج الدين عبد الوهاب بن علي ،الأشباه والنظائر، دار الكتب العلمية، الطبعة الأولى ١٩٩١م، ٨٩/١

(٢) أبو هلال العسكري، الوجوه والنظائر، مكتبة الثقافة الدينية، القاهرة، ٢٠٠٧م، ص:٢٨

(٣) ابن العماد،كشف السرائر في معنى الوجوه والأشباه والنظائر ، المكتبة المصرية للطباعة والنشر والتوزيع، ٢٠٠٤، ص:٢٦

(٤) سورة النمل، الآية:٧٦-٧٧

(٥) الحكيم الترمذي ،تحصيل نظائر القرآن ، الطبعة الأولى، ١٩٣٩م، مكتبة الأهرام مصر، ص:٢٠ — ٢٤

(٦) الإمام ابن قيم الجوزية، منتخب قرة عيون النواظر في الوجوه والنظائر في القرآن الكريم، دار المعارف الإسكندرية، ص:٢٤١

(٧) الدكتور حاتم صالح الضامن، الأشباه والنظائر في القرآن الكريم ، وزارة الثقافة الإسلامية، ١٩٨٨، ص: ٢٨

من الأوجه له معان متقاربة تعود في مدلولاتها إلى معنى الهدى اللغوى كما أن عددا من الأوجه يسمّى في حد ذاته هدى؛ لأنه يُهتدى به،فنحن نذكر في هذا المبحث أهم جهة المعاني التى ورد عليها لفظ (الهدى) في القرآن الكريم وهي كالتالي:

الوجه الأول: هدى يعني بيانا

قد ذُكر لكلمة (الهدى) في القرآن الكريم معاني عديدة منها: البيان كما جاء في آيات كثيرة مثل ما جاء في البقرة:﴿أُوْلَئِكَ عَلَى هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ وَأُوْلَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾[١] يعني على بيان من ربهم. وكذلك فسّر قتادة في قوله تعالى:﴿أَفَلَمْ يَهْدِ﴾[٢]يعني أفلم يبيّن،وهو ما قاله الطبري أيضا [٣].كما قاله قاله عند قوله تعالى: ﴿وَإِنَّكَ لَتَهْدِي إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ﴾ [٤] "يقول تعالى ذكره لنبيه مُحَمَّد صلى الله عليه وسلم: وإنك يا مُحَمَّد لتهدي إلى صراط مستقيم عبادنا، بالدعاء إلى الله،والبيان لهم"[٥].وقال الحسن:عند قوله تعالى:﴿قَدَّرَ فَهَدَى﴾[٦] يعني بيّن له سبيل الهدى وسبيل الضلالة، ونحوه كثير.

الوجه الثاني :هدى يعني دين الإسلام

ومن دلالات كلمة (الهدى) دين الإسلام، وهو ما ذكره ابن كثير،وابن عاشور وغيرهما[٧]، وذلك عند تفسيرهما في قوله تعالى: ﴿إِنَّكَ لَعَلَى هُدًى مُّسْتَقِيمٍ﴾ [٨] يعني على دين مستقيم، حق، وهو الإسلام. وأيضا جاء نفس المعنى في البقرة:﴿قُلْ إِنَّ هُدَى اللهِ هُوَ الْهُدَى﴾[٩] يعني دين الله، يعني الإسلام، هو الدين وهو الحق.ونحوه كثير .

---

(١) سورة البقرة، الآية: ٥ ،سورة لقمان، الآية:٥، سورة الدهر، الآية:٣، سورة البلد، الآية:١٠، سورة السجدة، الآية:٢٦

(٢) سورة طه، الآية:١٠

(٣) الطبري،مُحَمَّد بن جرير، جامع البيان ، مؤسسة الرسالة،الطبعة: الأولى، ١٤٢٠ هـ ص: ٣٩٧/١٨

(٤) سورة الشورى، الآية:٥٢

(٥) جامع البيان، ٥٦١/٢١

(٦) سورة الأعلى، الآية:٣

(٧) ابن كثير ، أبو الفداء إسماعيل بن عمرو، تفسير القرآن العظيم،، بتحقيق، سامي بن مُحَمَّد سلامة، دار طيبة للنشر والتوزيع،الطبعة: الثانية ١٤٢٠هـ ،٥/ ٤٥١ ،وابن عاشور،مُحَمَّد بن الطاهر بن مُحَمَّد، التحرير والتنوير، الدار التونسية للنشر ، تونس، ١٩٨٤ هـ،٣٣٠/١٧

(٨) سورة الحج ، الآية:٦٧

(٩) سورة البقرة ، الآية:١٢٠، والأنعام، الآية: ٧١، وسورة آل عمران، الآية ٧٣

الوجه الثالث: هدى يعني الإيمان

ومن معاني كلمة (الهدى) الإيمان كما ذكره كثير من المفسرين منهم الطبرى[١]،وابن كثير[٢]، حيث قال الطبري: في تفسير الآية:﴿وَزِدْنَاهُمْ هُدًى﴾[٣]،أى " زدناهم إلى إيمانهم بربهم إيمانا"، وهناك آيات عديدة التى تتضح منهن هذا المعنى،وذلك في سورة مريم :﴿وَيَزِيدُ اللَّهُ الَّذِينَ اهْتَدَوْا هُدًى﴾[٤]، يعني يزيدهم إيمانا.وفي سبأ:﴿ أَنَحْنُ صَدَدْنَاكُمْ عَنِ الْهُدَى﴾[٥] يعني عن الإيمان. وقال في الزخرف:﴿إِنَّنَا لَمُهْتَدُونَ﴾[٦] يعني إنّنا لمؤمنون،وهو تفسير مجاهد، ونحوه كثير.

الوجه الرابع: هدى يعني دعاء

وقد ذكر هذا المعنى الراغب الأصفهاني[٧]، وابن القيم[٨]، والفيروزآبادى[٩] عند تقسيمهم معنى معنى الهدى إلى أربعة أنواع حيث قال الفيروزآبادى:"الهداية الّتي جعلت للنّاس بدعائه إيّاهم على ألسنة الأنبياء وإنزال القرآن ونحو ذلك،والمقصود بقوله:﴿وَجَعَلْنَاهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنا﴾"[١٠].

وقال ابن قيم الجوزية عند بيانه أنواع الهداية منها:"هداية البيان والدلالة والتعريف، وهي هداية الله تعالى للعباد بدعائه إيّاهم على ألسنة الأنبياء والرسل،وإنزال القرآن والكتب السماوية ونحو ذلك من تعريف العبد لنجدي الخير والنجاة والشر والهلاك وتعريف العبد كيفية عبادتهِ سبحانه، كقوله تعالى:﴿وَأَمَّا ثَمُودُ فَهَدَيْنَاهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمَى عَلَى الْهُدَى فَأَخَذَتْهُمْ صَاعِقَةُ الْعَذَابِ الْهُونِ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ﴾، وقوله تعالى:﴿وَجَعَلْنَاهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا وَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ وَإِقَامَ الصَّلَاةِ وَإِيتَاء الزَّكَاةِ وَكَانُوا لَنَا عَابِدِينَ﴾"[١١].[١].

---

(١) جامع البيان ،١٧/٦١٥

(٢) تفسير القرآن العظيم ،٥/ ١٤٠

(٣) سورة الكهف، الآية:١٣

(٤) سورة مريم، الآية: ٧٦

(٥) سورة سبأ، الآية:٣٢

(٦) سورة الزخرف، الآية:٤٩

(٧) المفردات في غريب القرآن، ٥/ ٣١٤

(٨) بدائع الفوائد، ٢/٣٥ – ٣٧

(٩) الفيروزآبادى،مجد الدين أبو طاهر محمّد بن يعقوب،بصائر ذوى التمييز في لطائف الكتاب العزيز،بتحقيق: محمّد علي النجار، لجنة إحياء التراث الإسلامي، القاهرة،٥/٣١٣

(١٠) سورة الأنبياء، الآية:٧٣

(١١) سورة فصلت، الآية:١٧، سورة الأنبياء، الآية:٧٣

وهو تفسير قتادة[٢] أيضا كما ذكره الطبرى عند قوله تعالى في الرعد:﴿وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ﴾[٣] يعني داعيا، يعني نبيًّا.وقد جاء هذا المعنى في آيات كثيرة في القرآن الكريم[٤] .

الوجه الخامس: هدى يعني معرفة

وقد ذكر المفسرون من دلالات كلمة (الهدى) المعرفة كما فسّر مجاهد، والطبرى[٥] وابن كثير[٦]، عند قوله تعالى:﴿نَنظُرْ أَتَهْتَدِي﴾[٧] يعني أتعرفه وتعقله، ﴿أَمْ تَكُونُ مِنَ الَّذِينَ لَا يَهْتَدُونَ﴾ يعني أم تكون من الذين لا يعرفون.وكما فسره قتادة أيضا عند قوله تعالى:﴿فِجَاجًا سُبُلًا لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُونَ﴾[٨]، وهناك آيات أخرى التي تُستخدم فيها كلمة (الهدى) بمعنى المعرفة وهي كما في الهوامش[٩].

الوجه السادس :هدى يعني رسلا

وقد ذكر الطبري الأقوال المختلفة في المراد بالهدى في قوله تعالى:﴿فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُم مِّنِّي هُدًى﴾[١٠] ،ثم رجح من بين هذه الأقوال، قول أبي العالية وهو أن المراد من الهدى هنا الرسول والكتاب[١١]، يعنى يأتينكم منى رسلا وكتبا.﴿فَمَن تَبِعَ هُدَايَ﴾ يعني فمن تبع رسلي وكتبي.

الوجه السابع: هدى يعني رشدا

وهذا المعنى ذكره ابن كثير عند قوله تعالى:﴿عَسَى رَبِّي أَن يَهْدِيَنِي﴾[١٢].حيث قال:" فذكروا أن الله، سبحانه وتعالى، بعث له ملكا_ أى لموسى عليه السلام_ على فرس، فأرشده إلى الطريق، فالله

---

(١) بدائع الفوائد، ٢/٣٥ – ٣٧

(٢) جامع البيان،١٦/٣٥٣

(٣) سورة الرعد، الآية:٧

(٤) كما جاء في سورة الشورى، الآية: ٥٢ ،والأنبياء ، الآية: ٧٣، والسجدة، الآية:٢٤، والإسراء ، الآية:٩، وسورة الجن، الآية:٢، وسورة الأحقاف، الآية:٣٠، وسورة الأعراف، الآية:١٥٩

(٥) جامع البيان،١٩/٤٧٠

(٦) تفسير القرآن العظيم ،٦/١٩٤

(٧) سورة النمل، الآية:٤١

(٨) سورة الأنبياء، الآية: ٣١

(٩) سورة الزخرف، الآية:١٠، سورة طه، ، الآية:٨٢

(١٠) سورة البقرة، الآية:٣٨ ، وسورة طه، الآية:١٢٣

(١١) جامع البيان ،١/٥٤٩

(١٢) سورة القصص، الآية:٢٢

أعلم"[١]. وهو مروى عن قتادة أيضا أنه قال: أن يرشدني ﴿ سَوَاء السَّبِيلِ﴾. وهناك آيات أخرى التى تُبيّن تُبيّن فيها هذا المعنى مثل في طه:﴿أَوْ أَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى﴾[٢] يعني مرشدا للطريق. وقال قتادة: يهدونه الطّريق. وفي سورة ص:﴿وَاهْدِنَا إِلَى سَوَاء الصِّرَاطِ﴾[٣] يعني أرشدنا.ونحوه كثير.

الوجه الثامن: هدى يعني أمر محمّد يعني أمر النبي

وقد ذكر المفسرون هذا المعنى لكلمة (الهدى) عند تفسير آيات عديدت منها: قوله تعالى في الذين كفروا: ﴿مِّن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَى﴾[٤] يعني أمر مُحمّد أنه رسول الله وقامت عليهم الحجة بالنبي والقرآن ،وهو ما فسره قتادة[٥]. وفي البقرة:﴿إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَى﴾[٦] يعني أمر أمر محمّد أنّه رسول الله،وهو ما فسره الربيع والسدى وقتادة ، حيث قال قتادة: "وكتموا الإسلام، وكتموا مُحمّدا وهم يجدونه مكتوبا عندهم"[٧]. وفي الذين كفروا أيضا:﴿وَشَاقُّوا الرَّسُولَ مِن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الهُدَى﴾[٨] يعني أمر مُحمّد أنّه نبي وأنه رسول الله. وهو ما فسره يحي أنه قال: من بعد ما تبيّن لهم الإيمان، وقامت عليهم الحجّة على النبي والقرآن، يعني المنافقين[٩].

الوجه التاسع: هدى يعني القرآن

وقد يوجد هذا المعنى لكلمة (الهدى) في آيات كثيرة منها ما جاء في سورة النجم:﴿وَلَقَدْ جَاءهُم مِّن رَّبِّهِمُ الْهُدَى﴾[١٠] يعني القرآن، فيه بيان كل شيء. وفي سبحان: ﴿وَمَا مَنَعَ النَّاسَ أَن يُؤْمِنُواْ إِذْ جَاءهُمُ الْهُدَى﴾[١١] يعني القرآن. وفيه بيان كل شيء.وهو ما ذكره ابن عاشور[١٢] .

---

(١) تفسير القرآن العظيم،٢٢٦/٦

(٢) سورة طه، الآية:١٠

(٣) سورة ص، الآية: ٢٢

(٤) سورة مُحمّد، الآية: ٢٥

(٥) جامع البيان،١٨٠/٢٢

(٦) سورة البقرة، الآية: ١٥٩

(٧) جامع البيان،٢٥٠/٣

(٨) سورة مُحمّد، الآية:٣٢

(٩) جامع البيان، ٢٢/ ١٨٦

(١٠) سورة النجم، الآية:٢٣

(١١) سورة الإسراء، الآية:٩٤، سورة يوسف، الآية:١١١، سورة الكهف، الآية:٥٥

(١٢) ابن عاشور، التحرير والتنوير ،٣٤٩/١٥

الوجه العاشر: هدى يعني التوراة

وقد ذكر هذا المعنى- أى التوراة-لكلمة (الهدى) الطبري [١]،وابن كثير [٢]،وابن عاشور[٣]وغيرهم عند قوله تعالى:﴿وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْهُدَى﴾[٤] يعني التّوراة. وفي قوله تعالى: ﴿وَجَعَلْنَاهُ هُدًى لِّبَنِي إِسْرَائِيلَ﴾[٥] يعني التّوراة. وقال الحسن:﴿وَجَعَلْنَاهُ﴾ يعني موسى ﴿هُدًى لِّبَنِي إِسْرَائِيلَ﴾.[٦] وفي وفي أوّل سبحان مثلها.

الوجه الحادي عشر: هدى يعني التوفيق

ومن معانى لكلمة(الهدى) التوفيق كما يتضح ذلك في قوله تعالى: ﴿وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ﴾[٧] إلى الاسترجاع والصّبر، يعني هم الموفّقون. وفي التّغابن: ﴿وَمَن يُؤْمِن بِاللَّهِ يَهْدِ قَلْبَهُ﴾[٨] يعني يوفّق قلبه إلى إلى الاسترجاع عند المصيبة فسلّم ورضي وعرف أنها من الله.

وهذا المعنى للهدى قد ذكره الراغب الأصفهاني[٩]،والقرطبي[١٠]،وابن القيم[١١]والفيروزآبادى[١٢] أيضا:حيث يقول ابن القيم عند تقسيمه الهدى إلى أربعة أنواع منها: هداية التوفيق الذي يختص بهِ مَن اهْتَدَى، ومنه قوله تعالى: ﴿وَلَوْ شَاء اللهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلكِن يُضِلُّ مَن يَشَاء وَيَهْدِي مَن يَشَاء

---

(١) جامع البيان ٢١/ ٤٠٣

(٢) تفسير القرآن العظيم، ٧/ ١٥١

(٣) ابن عاشور، التحرير والتنوير، ١٦٩/٢٤

(٤) سورة غافر، الآية:٥٣

(٥) سورة السجدة، الآية:٢٣

(٦) سورة الإسراء، الآية:٢

(٧) سورة البقرة، الآية:١٥٧

(٨) سورة التغابن، الآية: ١١،وفي سورة القصص:﴿ إِنَّكَ لا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ ﴾، أى أنك لا توّفق، كما قال الطبري: عند الآية المذكورة: (إِنَّكَ) يا محمد (لا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ) هدايته (وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ) أن يهديه من خلقه، بتوفيقه للإيمان به وبرسوله. انظر: الطبري، جامع البيان ١٩/ ٥٩٨

(٩) الراغب الأصفهاني، غريب القرآن، ٣١٤/٥

(١٠) القرطبي، أبو عبد الله محمد بن أحمد ، الجامع لأحكام القرآن،بتحقيق: أحمد البردوني وإبراهيم أطفيش، دار الكتب المصرية ، القاهرة،الطبعة: الثانية، ١٣٨٤هـ ، ١٦٠/١

(١١) بدائع الفوائد، ٣٥/٢

(١٢) بصائر ذوى التمييز،٣١٣/٥

وَلَتُسْأَلُنَّ عَمَّا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ﴾، وقوله تعالى ﴿وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُواْ لَوْلاَ أُنزِلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِّن رَّبِّهِ قُلْ إِنَّ اللّهَ يُضِلُّ مَن يَشَاء وَيَهْدِي إِلَيْهِ مَنْ أَنَابَ﴾، وقوله:﴿وَالَّذِينَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَآتَاهُمْ تَقْواهُمْ﴾[١] ونظائرُهُ.

الوجه الثاني عشر: هدى يعني التوحيد

وذلك قوله في القصص:﴿إِن نَّتَّبِعِ الْهُدَى مَعَكَ نُتَخَطَّفْ مِنْ أَرْضِنَا﴾[٢]يعني التّوحيد، وهو ما فسر به الطبري فى الآية المذكورة بقوله:"وقالت كفار قريش: إن نتبع الحقّ الذي جئتنا به معك، ونتبرأ من الأنداد والآله يتخطفنا الناس من أرضنا بإجماع جميعهم على خلافنا وحربنا[٣]" ومثله في الصّفّ:﴿هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَى وَدِينِ الْحَقِّ﴾[٤] يعني التوحيد يعني الإسلام. ومثلها في براءة. وفي إنّا فتحنا لك:﴿هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَى﴾[٥] يعني التّوحيد، ﴿وَدِينِ الْحَقِّ﴾. يعني الإسلام.

الوجه الثالث عشر: هدى يعني سنة

وقد يُراد بالهدى معنى سنة كما في الزخرف:﴿وَإِنَّا عَلَى آثَارِهِم مُّهْتَدُونَ﴾[٦] يعني مستنون سنتهم في الكفر. وقال مجاهد: سنتهم. وفي الأنعام يقول للنّبي:﴿فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ﴾[٧] يعني بسنتهم، التوحيد، "اقتده"، يعني استنّ بها.وهو ما ذهب إليه الطبري، وابن عاشور حيث يقول الطبري عند تفسير الآية المذكورة: "فبالعمل الذي عملوا، والمنهاج الذي سلكوا، وبالهدى الذي هديناهم، والتوفيق الذي وفقناهم ="اقتده"، يا مُحَّد، أي: فاعمل، وخذ به واسلكه، فإنه عمل لله فيه رضًا، ومنهاجٌ من سلكه اهتدى[٨].

---

(١) سورة النحل،الآية:٩٣، سورة الرعد، الآية:٢٧ ،وسورة مُحَّد، الآية:١٧

(٢) سورة القصص، الآية:٥٧

(٣) جامع البيان، ٦٠١/١٩

(٤) سورة الصف، الآية:٩

(٥) سورة الفتح، الآية:٢٨

(٦) سورة الزخرف، الآية:٢٢

(٧) سورة الأنعام، الآية: ٩٠

(٨) جامع البيان، ١١/ ٥١٩، التحرير والتنوير،٧/ ٣٥٥

الوجه الرابع عشر: هدى يعني التوبة

وهو ما فسر به ابن عباس، وسعيد بن جبير، وإبراهيم التيمي، وقتادة، والسدى، ومجاهد،وأبو العالية، والضحاك كما رجحه الطبرى أيضا بعد ذكر الأقوال المذكورة[١] ذلك قوله في الأعراف:﴿إِنَّا هُدْنَا إِلَيْكَ﴾[٢].

الوجه الخامس عشر: هدى يعني يصلح

ويكون معنى لكلمة (الهدى) الإصلاح كما في سورة يوسف:﴿وَأَنَّ اللّهَ لاَ يَهْدِي كَيْدَ الْخَائِنِينَ﴾[٣] يعني لا يصلح عمل الزّناة، وهو ما ذكره الطبري، وابن عاشور حيث قال الطبري "لا يسدّد صنيع من خان الأمانات، ولا يرشد فعالهم في خيانتهموها[٤].

الوجه السادس عشر: هدى يعني الإلهام

ومن دلالات كلمة (الهدى) الإلهام كما في سورة طه:﴿الَّذِي أَعْطَى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهُ ثُمَّ هَدَى﴾[٥] يعني ألهمه لمرعاه، فمنها ما يأكل النّبت، ومنها ما يأكل الحب، ومنها ما يأكل اللّحم. وقوله:﴿خَلْقَهُ﴾ يعني صورته التي تصلح له. قال:﴿ثُمَّ هَدَى﴾ يعني ألهمه كيف يأتي معيشته ومرعاه، وذلك قوله في سبّح اسم ربّك الأعلى:﴿وَالَّذِي قَدَّرَ فَهَدَى﴾[٦] يعني قدّر الخلق، الذّكر والأنثى، "فهدى" يعني ألهم كيف يأتيها وتأتيه.

وهذا المعنى قد ذكره الراغب الأصفهاني[٧]، وابن القيم[٨]، والفيروزآبادى[٩] أيضا حيث يقول ابن ابن القيم بيانا عن عدة إطلاقات لمعنى الهدى،منها: " الهداية العامة (الفطرية) التي عَمَّ الله سبحانه وتعالى بها الخلق جميعاً، والمذكورة في قولِهِ سبحانه وتعالى:﴿قَالَ رَبُّنَا الَّذِي أَعْطَى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهُ ثُمَّ هَدَى﴾[١٠]،

---

(١) جامع البيان، ١٥٢/١٣، بصائر ذوى التمييز،٥/ ٣٥٣

(٢) سورة الأعراف، الآية:١٥٦

(٣) سورة يوسف، الآية:٥٢

(٤) جامع البيان، ١٦/ ١٤١، التحرير والتنوير،١٢/ ٢٩٣

(٥) سورة طه، الآية: ٥٠

(٦) سورة الأعلى، الآية:٢

(٧) المفردات في غريب القرآن،٨٣٥/١

(٨) بدائع الفوائد، ٣٥/٢

(٩) بصائر ذزى التمييز،٣١٣/٥

(١٠) سورة طه، الآية:٥٠

أي أعطى كل مخلوق صُورَتَهُ التي لا يتشابه فيها مع غيره وأعطى كل عضو شَكلَهُ وهيأته وأعطى كل موجود خلقةُ المختص به ثم هَدَاهُ إلى ما خلقهُ لهُ من الأعمال(١).

ويقول الفروزآبادى عند تقسيمه لفظ "الهدى" إلى أربعة أنواع، منها: الهداية الّتي عمّ بها كلّ مكلّف من العقل والفطنة والمعارف الضّروريّة، بل عمّ بها كلّ شيء حسب احتماله، كما قال تعالى: ﴿رَبُّنَا الَّذِي أَعْطى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهُ ثُمَّ هَدى﴾(٢).(٣)

الوجه السبع عشر: الهداية في الآخرة إلى الجنة والنار

وهذا المعنى ذكره الراغب الأصفهاني(٤)، وابن القيم(٥)،والفيروزآبادى(٦)، حيث يقول ابن القيم القيم عند بيان معاني الهدى منها: الهداية في الآخرة إلى الجنة والنار إذ سِيق أهْلُهما إليهما، قال تعالى: ﴿سَيَهْدِيهِمْ وَيُصْلِحُ بَالَهُمْ﴾، وقال تعالى: ﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُواْ وَعَمِلُواْ الصَّالِحَاتِ يَهْدِيهِمْ رَبُّهُمْ بِإِيمَانِهِمْ تَجْرِي مِن تَحْتِهِمُ الأَنْهَارُ فِي جَنَّاتِ النَّعِيمِ﴾، وقال تعالى: ﴿احْشُرُوا الَّذِينَ ظَلَمُوا وَأَزْوَاجَهُمْ وَمَا كَانُوا يَعْبُدُونَ * مِن دُونِ اللَّهِ فَاهْدُوهُمْ إِلَى صِرَاطِ الْجَحِيمِ﴾(٧).

المبحث الرابع: أربعة تقسيمات لكلمة (الهدى) عند العلماء الكرام

بعد ما ذكرنا عن المفسرين أهم دلالات مختلفة لكلمة (الهدى) في القرآن الكريم ومعانيه، نذكر هنا أربعة تقسيمات له عند العلماء الكرام، وهي كالتالي:

التقسيم الأول: هداية الإيمان

قال الله تعالى في سورة البقرة: ﴿ذَلِكَ الْكِتَابُ لاَ رَيْبَ فِيهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ﴾(٨) والمعنى: إن هذا القرآن الذي بين أيديكم لا شك فيه بأنه من عند الله قرآناً عربيا غير ذي عوج، نزل بلغة العرب، ومن كلماتهم التي منها حروفهم، والتعبير بذلك، وهي إشارة للبعيد مع قرب القرآن إلينا، دلالة على الاهتمام به والتعظيم، وأن فيه هداية وإرشاداً لمن استرشد به، والهدى في الآية بمعنى البيان والدلالة والتعليم والدعوة

---

(١) بدائع الفوائد، ٣٥/٢

(٢) سورة طه، الآية: ٥٠

(٣) بصائر ذوى التمييز،٣١٣/٥

(٤) المفردات ٥/ ٣١٤

(٥) بدائع الفوائد، ٣٥/٢ – ٣٧

(٦) بصائر ذوى التمييز،٣١٣/٥

(٧) سورة محمد، الآية:٥، سورة يونس، الآية:٩ ، سورة الصافات، الآيتان:٢٢ – ٢٣

(٨) سورة البقرة، الآية: ٢

إلى مصالح العبد في معاده، فيعرف الخير من الشر، والصالح من الطالح، وهذه الهداية خاصة بالمكلفين، وهي حجة الله على خلقه التي لا يعذب أحداً إلا بعد إقامها عليه، قال تعالى في سورة الإسراء:﴿وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّى نَبْعَثَ رَسُولاً﴾[١] وهي التي فيها الحساب والعقاب؛ لأنها تقع في الدائرة التي يسيطر عليها الإنسان، قال الله تعالى في سورة فصلت: ﴿أَمَّا ثَمُودُ فَهَدَيْنَاهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمَى عَلَى الْهُدَى﴾[٢]، وهذه الهداية هي التي أثبتها الله لرسوله مُحَمَّد ﷺ حيث قال في سورة الشورى الآية:﴿وَإِنَّكَ لَتَهْدِي إِلَى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ﴾[٣] ،ونفي عنه ملك الهداية الموجبة، وهي هداية التوفيق والإلهام بقوله في سورة القصص: ﴿إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَن يَشَاءُ﴾[٤] أي إنك لا تستطيع امتلاك السيطرة على البشر بعقولهم وحواسهم، فإن ذلك من اختصاص الله تعالى.لقوله تعالى: ﴿يَهْدِي بِهِ اللّهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهُ سُبُلَ السَّلاَمِ وَيُخْرِجُهُم مِّنِ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ بِإِذْنِهِ﴾. وقال تعالى: ﴿وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَن تُؤْمِنَ إِلاَّ بِإِذْنِ اللّهِ وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِينَ لاَ يَعْقِلُونَ﴾[٥] النفس هي كل مكلف عاقل بالغ بلغته الدعوة، والرجس هو العذاب الذي يجازي به المسيئ.

التقسيم الثاني: هداية المشيئة

قال الله تعالى:﴿وَاللّهُ يَهْدِي مَن يَشَاء إِلَى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ﴾ وقال الله تعالى: ﴿لَّيْسَ عَلَيْكَ هُدَاهُمْ وَلَكِنَّ اللّهَ يَهْدِي مَن يَشَاءُ﴾[٦].

إن معنى المشيئة هنا هو معنى الإرادة، ومعنى هذه الآيات هو أنه لا يهتدي أحد جبرا عن الله ولا يضل أحد جبرا عنه، بل يهتدي بإرادة الله ومشيئته، ويضل من يضل بإرادته ومشيئته، والله في الآية الثانية يخاطب نبيه مُحَمَّد ﷺ، لما رأى من حرصه وشدة مكابدته في تحمل ما يلقاه من قومه في سبيل تبليغ الدعوة، عليك البلاغ وعلينا الحساب، ﴿إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَن يَشَاءُ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ﴾.[٧]

---

(١) سورة الإسرا، الآية:١٥

(٢) سورة فصلت، الآية: ١٧

(٣) سورة الشورى،الآية: ٥٢

(٤) سورة القصص، الآية:٥٦

(٥) سورة النساء ، الآية:٢٦، سورة المائدة، الآية:١٦، سورة يونس،الآية:١٠٠

(٦) سورة البقرة، الآيتان: ٢١٣ -٢٧٢

(٧) سورة القصص، الآية: ٥٦

وقال في سورة البقرة:﴿وَلَوْ شَاء اللّهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِينَ مِن بَعْدِهِم مِّن بَعْدِ مَا جَاءتْهُمُ الْبَيِّنَاتُ وَلَكِنِ اخْتَلَفُواْ فَمِنْهُم مَّنْ آمَنَ وَمِنْهُم مَّن كَفَرَ وَلَوْ شَاء اللّهُ مَا اقْتَتَلُواْ وَلَكِنَّ اللّهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيدُ﴾.[١] حيث تركهم يفعلون ما يريدون ومن ذلك الاقتتال.

وقال تعالى:﴿ قُلْ إِنَّ الْهُدَى هُدَى اللّهِ أَن يُؤْتَى أَحَدٌ مِّثْلَ مَا أُوتِيتُمْ أَوْ يُحَآجُّوكُمْ عِندَ رَبِّكُمْ قُلْ إِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاء وَاللّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ﴾ وقال تعالى: ﴿وَمَن يُضْلِلِ اللّهُ فَلَن تَجِدَ لَهُ سَبِيلاً﴾ وقال تعالى: ﴿وَمَن يُرِدِ اللّهُ فِتْنَتَهُ فَلَن تَمْلِكَ لَهُ مِنَ اللّهِ شَيْئًا أُوْلَئِكَ الَّذِينَ لَمْ يُرِدِ اللّهُ أَن يُطَهِّرَ قُلُوبَهُمْ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَلَهُمْ فِي الآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ﴾ وقال تعالى: ﴿وَلَوْ شَاء اللّهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَكِن لِّيَبْلُوَكُمْ فِي مَآ آتَاكُم فَاسْتَبِقُوا الخَيْرَاتِ إِلَى الله مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا﴾[٢].

التقسيم الثالث: هداية التوفيق ومباشرة الإنسان للفعل

قال تعالى:﴿أُوْلَئِكَ الَّذِينَ اشْتَرُوُاْ الضَّلاَلَةَ بِالْهُدَى فَمَا رَبِحَت تِّجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُواْ مُهْتَدِينَ﴾[٣]

أولئك الموصوفون بالصفات السابقة من قوله تعالى:﴿اشْتَرُوُاْ الضَّلاَلَةَ بِالْهُدَى﴾ أي استبدلوا واختاروا الضلالة، الشر على الخير، وأصل الضلالة الحيرة والجور عن القصد، وفقد الاهتداء، وبالرغم من أن الله سبحانه خلق الضلالة والهدى، ووصفه أمامهم ﴿وَهَدَيْنَاهُ النَّجْدَيْنِ﴾[٤] ويسره لعقولهم، وقد كان في وسعهم اختيار الهدى والإيمان، فعدلوا عنه إلى الضلال، فكأنهم بذلك دفعوا الهدى ثمنا للضلالة، وليس معناه أنهم كانوا مهتدين ثم ضلوا ﴿فَمَا رَبِحَت تِّجَارَتُهُمْ﴾ يوم القيامة، بل خسروا بهذا العمل حيث رجح ميزان سيئاتهم على حسناتهم ﴿وَمَا كَانُواْ مُهْتَدِينَ﴾ أي في عدادهم، وهذه الهداية هي هداية التوفيق، والله سبحانه هو الذي خلق الهداية والضلال،ولكن الذي باشر الفعل واختار هو الإنسان، فله قدرة وتأثير في الفعل والاختيار، ولذلك يحاسب عليها.

وكما يقصد نفس المعنى والنوع في الآيات التالية:

﴿أُوْلَئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُاْ الضَّلاَلَةَ بِالْهُدَى وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ فَمَآ أَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ﴾ وقال تعالى:﴿كَيْفَ يَهْدِي اللّهُ قَوْمًا كَفَرُواْ بَعْدَ إِيمَانِهِمْ وَشَهِدُواْ أَنَّ الرَّسُولَ حَقٌّ وَجَاءهُمُ الْبَيِّنَاتُ وَاللّهُ لاَ يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ﴾. وقال تعالى: ﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُواْ ثُمَّ كَفَرُواْ ثُمَّ آمَنُواْ ثُمَّ كَفَرُواْ ثُمَّ ازْدَادُواْ كُفْرًا لَّمْ يَكُنِ اللّهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ

---

(١) سورة البقرة، الآية:٢٥٣

(٢) سورة آل عمران، الآية: ٧٣، سورة النساء، الآية:٨٨ سورة المائدة ، الآيتان:٤١ –٤٨

(٣) سورة البقرة، الآية: ١٦

(٤) سورة البلد، الآية: ١٠

وَلاَ لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيلاً﴾[١] أي بعد إصرارهم وعصيانهم المستمر لم يشأ الله أن يهديهم إلى طريق الإسلام ليدخلوا الجنة، بل تركهم على كفرهم، وأمهلهم ليدخلهم النار.

التقسيم الرابع: هداية المعاد في الآخرة

قال تعالى: ﴿إِنَّ اللَّهَ يُدْخِلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ يُحَلَّوْنَ فِيهَا مِنْ أَسَاوِرَ مِن ذَهَبٍ وَلُؤْلُؤًا وَلِبَاسُهُمْ فِيهَا حَرِيرٌ * وَهُدُوا إِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ وَهُدُوا إِلَى صِرَاطِ الْحَمِيدِ﴾[٢].

واضح في الآية بأن الهداية إلى صراط الحميد هي بعد دخولهم الجنة أو هو طريقهم إليها، فهي هداية إلى المعاد، وقال تعالى في شأن الشهداء في سورة محمد تعالى: ﴿وَالَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَلَن يُضِلَّ أَعْمَالَهُمْ * سَيَهْدِيهِمْ وَيُصْلِحُ بَالَهُمْ﴾.[٣]

فهذه هداية بعد قتلهم ولا تكون إلا بالمعاد، والمؤمن يدعو الله دائما في صلاته وفي سورة الفاتحة أن يهديه الصراط المستقيم، ومنه الهداية إلى المعاد، وقال جل شأنه في هداية الكفار إلى جهنم في سورة الصافات ﴿احْشُرُوا الَّذِينَ ظَلَمُوا وَأَزْوَاجَهُمْ وَمَا كَانُوا يَعْبُدُونَ * مِن دُونِ اللَّهِ فَاهْدُوهُمْ إِلَى صِرَاطِ الْجَحِيمِ﴾[٤] .

الخاتمة: وهى تشتمل على أهم نتائج البحث

١- إن اشتقاقات لفظ " الهدى" في القرآن الكريم متعددة كما تعددت جهة المعاني التى ورد عليها هذا اللفظ

٢- إن أهم دلالات لفظ " الهدى " وجهة المعاني التى ورد عليها ثمانية عشر وجها

٣- إن هناك أربعة تقسيمات للفظ "الهدى" عند العلماء الكرام

٤- إن من أكبر نعم الله على العبد أن يهديه الله سبيل الرّشاد و إن الهدى طريق موصّل إلى رضوان الله وجنّته

٥- إن نشر الهدى في المجتمعات يزيد في الطّاعات ويبعد عن المعاصي

❁ ❁ ❁

---

(١) سورة البقرة، الآية: ١٧٥، سورة آل عمرآن، الآية:٨٦ وسورة النساء، الآية:١٣٧

(٢) سورة الحج، الآيتان:٢٣-٢٤

(٣) سورة محمد، الآيتان: ٤-٥

(٤) سورة الصافات،الآيتان: ٢٣-٢٤

الزوائد في أسماء الإشارة

Additional in the demonstrative pronouns

د. خليق الرحمن*

ABSTRACT

Arabic is one of the ancient languages which were strengthened with the revelation of the Holy Quran. The Arabic Language is intact with its Characterstics, qualities, and use of words, grammar and initiative use. It is spoken among people across the globe. In Arabic Language, the words which are used to point out something or point towards familiar's thing are called demonstrative pronouns. Demostrative pronouns come before the noun,There are ten demonstrative pronouns in Arabic as compared to English.It is very important to make sure that demonstrative pronouns agree with the noun it refers to in number and gender case.These nouns in Arabic are called "nouns of pointing"

The demonstrative pronouns are nearer or point towards something for away, it is singular or plural, it is literal or imaginative, and for this specific and particular words are used. Along with this, for certain and meanings, some additional letters are also used for this purpose with the demonstrative pronouns for example:

(ہائے، تشبیه، کاف خطاب، لام بعید،) with certain purposes and meanings,The basic forms of demonstratives is nearest demonstrative called (ہائے،تشبیه) or Haa of attention.Middle demostratives are obtained by adding the letter "Kaaf".The letter "kaaf" is called "Vocative Kaaf".

.There are some permissible and some prohibited forms. In this article, discussion has been made in this regard. It describes the use of demonstrative pronouns and dimensions in which these three additional letters can be used with the demonstrative pronoun and where these are not allowed. It will also discuss whether an additional letter with additional letters can be used with demonstrative nouns, Furthers; how these letters can be pronounced when used with the demonstrative pronouns.

Keywords: *dimensions, demonstrative pronouns, purposes, Arabic Language, use of demonstratives, vocative*

---

* الأستاذ المساعد بقسم الدراسات الإسلامية، جامعة للإدارة والتكنولوجيا، لاهور

الحمد لله الذي علم بالقلم، علم الإنسان ما لم يعلم، والصلاة والسلام على سيد البشر وعلى آله وصحبه الذين هم بحور العلم والحكم.

أما بعد: قبل أن نبحث عن زوائد أسماء الإشارات لابد لنا أن نذكر تعريف اسم الإشارة وأحواله بالإختصار:

اسم الإشارة:

صرح الأشموني في شرحه على ألفية ابن مالك أن اسم الإشارة ما وضع لمشار إليه. (١)

وقال ابن حاجب في كتابه "الكافية" أسماء الإشارة ما وضع لمشار إليه. (٢)

في هذا التعريف قوله ما: جنس يشمل جميع الأسماء وقوله "وضع لمشار إليه " فصل ليخرج منه الأسماء كلها غير اسم الإشارة.

وقال مُلا جامي في توضيح هذا التعريف: إن أسماء الإشارة ما وضع لمعنى مشارٍ إليه بإشارة حسية؛لأن الإشارة عند ذكرها مطلقا حقيقة في الإشارة الحسية. (٣)

وإذا كان المراد بالإشارة إشارة حسية فحسب،وكان استعمال أسماء الإشارات في هذا المعنى المخصوص حقيقة لا مجازا؛لأجل استعمالها في معناه الموضوع له فلا يعترض عليه بأن هذا التعريف ليس مانعا عن دخول الغير فيه لدخول ضمير الغائب فيه؛لأنه أيضاً وضع لمعنى مشار إليه، وإنما لا يرد الاعتراض؛لأن ضمير الغائب ليس موضوعاً لمعنى يشار إليه بإشارة حسية؛ بل هو موضوع للمعنى المشار إليه بإشارة ذهنية فإنا إذا قلنا "زيد هو قائم" فالضمير "هو" في الجملة قد وضع للإشارة إلى زيد الموجود في الذهن لا إلى زيد الموجود في الخارج المحسوس المبصر فافترق الضمير والإشارة بهذا التوضيح (٤).

فإن قيل إن التعريف لا يكون جامعاً حيث لا يكون مشتملاً على قوله تعالى:﴿ذلكم الله ربكم﴾(٥) ؛لأن الله تعالى غير محسوس فليست الإشارة إليه إشارة حسية فمثل ما في هذه الآية لا يدخل في أسماء الإشارات مع أنه داخل فيها، أجيب بأن مثل هذه الإشارة قد يحمل (٦) على المجاز أي على

---

(١) علي بن مُحَّد الأشموني، شرح الأشموني على ألفية ابن مالك (مع شرح الشواهد للعيني) دار إحياء الكتب العربية (قاهرة)، الطبعة الأولى، ٩٩/١

(٢) ابن الحاجب، عثمان بن عمر، كافية ، مكتبة الحسن، لاهور، باكستان ، ص: ٤٩

(٣) الجامي ،عبدالرحمٰن بن أحمد ، شرح ملاجامي مكتبة العلوم الإسلامية، لاهور، باكستان، ص :٢١١

(٤) محرم آفندي وعبدالله آفندي، محرم آفندي على شرح ملا جامي، مكتبة إمدادية، ملتان، باكستان، ٦٠/٢

(٥) سورة فاطر،الآية: ١٣

(٦) قد، هنا للتحقيق كقوله تعالى: ﴿ قَدْ يَعْلَمُ اللَّهُ ﴾ سورة الأحزاب،الآية: ١٨

الاستعارة التصريحية بأن يشبه غير المحسوس بالمحسوس المبصر،ويطلق عليه لفظ وضع للمحسوس لتنزيله منزلة المحسوس المشاهد. (١)

ومما يجب ملاحظته أن هذا الحد وإن ذكر فيه لفظ المشار إليه، ولكن لا يلزم منه أخذ المحدود في الحد وليس التعريف من قبيل قولك "العلم ما أوجب لمحله كونه عالما" (٢)؛لأنه عرف اسم الإشارة الاصطلاحي بالمشار إليه اللغوي فلا يتوقف أحدهما على الآخر، ولا دور فيه إذن (٣).

وفي شرح المفصل الإشارة أن تختص لك شيأ تعرفه بحاسة البصر وما عدا ذلك من المعارف هو أن تخصص لك شخصا تعرفه بقلبه فلذلک قالوا: إن أسماء الإشارة تتعرف بشيئين بالعين وبالقلب. (٤)

وقال الشيخ مصطفى الغلاييني في "جامع الدروس العربية": إسم الإشارة ما يدل على معين بواسطة إشارة حسية باليد ونحوها، إن كان المشار إليه حاضراً ،أو إشارة معنوية إذا كان المشار إليه معنى،أو ذاتاً غير حاضرة" (٥)، هذا التعريف يدل على الأمرين، الأمر الأول أن الإشارة قد تكون حسية وقد تكون معنوية،والأمرالثاني أن المشار إليه يمكن أن يكون حاضراً وعسى أن يكون غائباً، فإذا تفكرنا ونظرنا حق النظر في هذا التعريف عرفنا أن لا يسهل لنا حينئذ أن نفرق بين إسم الإشارة وضمير الغائب لاسيما للمبتدئين.

وقد ذهب قوم إلى أن اسم الإشارة هو أن تشير به إلى كل ما بحضرتك ما دام حاضراً فإذا غاب عنك زال عنه ذلك الإسم. (٦)

وقال عبا س حسن في تعريف إسم الإشارة: "إسم يعين مدلوله تعيينا مقرونا بإشارة حسية إليه". (٧)

توضيح الكلام أنك إذا ترى عصفوراً فتقول مشيراً إليه هذا رشيق فكلمة "هذا" منفردة تدل على مجرد الإشارة فقط من غير دلالة على مشار إليه أهو محسوس أم غير محسوس؟ طير أم غير طير؟ ومن أى جنس أو نوع ؟ ولكن إذا انضم إليها "رشيق" فحينئذ كلمة هذا تدل على مجموع الأمرين الجسم المحسوس

---

(١) محرم آفندي على شرح ملا جامي، ٦٠/٢

(٢) ابن الحاجب عثمان بن عمر، شرح الكافية ، ايج ايم سعيد كمپني، كراتشي، باكستان، الطبعة الأولى، ١٣١١هـ (عبرة لطباعة دارالطباعة العامرة)، ص:٧١

(٣) المرجع السابق، ص: ٥١٥

(٤) موفق الدين يعيش بن علي ، شرح المفصل، إدارة الطباعة المنيرية، مصر، ١٢٦/٣

(٥) مصطفى الغلاييني، جامع الدروس العربية، المطبعة القصرية للطباعة، والنشر، لبنان، الطبعة العاشرة،١٢٨/١

(٦) شرح المفصل، ١٢٦/٣

(٧) عباس حسن، النحو الوافي ، المسألة ٢٤، دارالمعارف، مصر، انتشارات، ناصر خسرو، طهران، إيران، الطبعة الثالثة، ١٩٦٦م،٢٨٩/١

للعصفور والإشارة إلى ذالك الجسم وهذان الأمران متصلان يقعان في وقت واحد لاينفصل أحدهما عن الآخر. [١]

وفي شرح شذور الذهب في تعريف إسم الإشارة: "هو ما دل على مسمى وإشارة إلى ذلك المسمى؛ تقول مشيراً إلى زيد مثلاً "هذا" فتدل لفظة "ذا" على ذات زيد وعلى الإشارة لتلك الذات" [٢].

وقد صرح عباس حسن أن الإشارة لابد لها أن تكون حسية فأما مدلولها المشار إليه فالغالب أن يكون حسيا وهذا هو الأصل كما سبق المثال آنفا ويمكن أن يكون معنوياً [٣] نحو قوله تعالى:﴿ تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي نُورِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَن كَانَ تَقِيًّا﴾. [٤]

هذا، ومن المعلوم أن أسماء الإشارة هى من قبيل المبنيات إلا المثنى منها فإنهم مختلفون فيه؛ فقال فريق منهم: إنه معرب؛لأنه يختلف إعرابه باختلاف العوامل فيعرب بالألف في الرفع نحو ذان برهانان وتان غرفتان والياء في غير ذالك نحو إن ذين برهانان وإن تين غرفتان ومررت بذين وبتين.

وقال الجمهور: لايختلف ذلك باختلاف العوامل،وإنما ذان وتان هما صورتان قد توضعان ابتداء للمثنى المرفوع ،وكذلك ذين وتين للمثنى غير المرفوع على هذا الوجه فهو على صورة المعرب باتفاق وموافقة لا باختلاف في العوامل[٥].

وقد يروي "ذان وتان" [٦] في الأحوال الثلاث من الرفع والنصب والجر على من يثبت ألف المثنى المثنى في تلك الأحوال الثلاث كما في قوله تعالى:﴿ قَالُوا إِنْ هَذَانِ لَسَاحِرَانِ ﴾ [٧] بتشديد نونِ "إن" مع مع إثبات ألف التثنية في قراء ة [٨] وهي لغة بني الحارث [٩].

ومما ينبغى أن يذكر أن أسماء الإشارة من قبيل المعارف مع ذلك أنها تعد من المبهمات،لا لأن تتنكر؛لأنه ممنوع فيها بل لأن يشار بها إلى كل ما بين يديك حقيقتا،أقول: وهو الغالب،أو حكما من غير

---

(١) النحو الوافي ، ٨٦/١-٢٨٩، المسألة: ٢٤

(٢) جمال الدين عبد الله ابن هشام الأنصاري، شرح شذور الذهب، ص: ١٣٧، قديمي كتب خانه، كراتشي، باكستان

(٣) النحو الوافي، ٢٨٩/١

(٤) سورة مريم،الآية: ٦٣

(٥) شرح ملا جامي، ص: ٢١٢

(٦) بإثبات الألف

(٧) سورة طه،الآية: ٦٣

(٨) جامع الدروس العربية، ١٢٩/١-١٣٠

(٩) شرح المفصل، ١٣٠/٣

تعيين ولا تفصيل لذلك المشار إليه إلا بأمر خارج عن لفظها وهذا هو الإبهام الذي لايتغير به تعريف هذه الأسماء،فإذن يلازمها البيان وهو الجنس (١) قول هذا الرجل أو هذا الثوب إلى نحو ذلك.

فالحاصل أن أسماء الإشارة المبهمة توضح بما بعدها وهو المشار إليه بخلاف الضمير للغائب فإنه يتضح بما قبله في الأغلب. (٢)

الزوائد في أسماء الإشارة:

إن أسماء الإشارات من الأسماء التي ترد عليها بعض الزوائد من الحروف،فالآن نريد أن نبين أحوالها الهامة بتفصيل مقصود:

الزوائد التي تدخل عليها هي: هاء التنبيه،ولام البعد،وكاف الخطاب على الترتيب

(الف) هاء التنبيه

ها التنبيه تشتمل على حرفين: مثل "لا"و"ما" وليست من الحروف الأصلية لإسم الإشارة،بل هى كلمة زائدة؛لأنها تسقط منه جوازا في مثل "هذا" حتى يصير هو "ذا" ولم تلتحق وجوبا بمثل "ذلك" وهي تستعمل في أوائلها ليتنبه المخاطب على من يشار إليه. (٣)

وجه التسمية:

وإنما سميت بذلك؛لأن المقصود منها إما تنبيه الغافل على ما بعدها وإما توجيه غير الغافل إلى أهمية ما بعدها حتى يفرغ له ويتوجه إليه (٤).

وقال ابن يعيش في شرح المفصل: إن العرب إذا أرادوا تعظيم الأمر والمبالغة في توضيح المرام جمعوا بين هاء التنبيه وإسم الإشارة وقالوا: "هذا،وهذه،وهاتا،وهاتي" ف"ها" كلمة تنبيه،و"ذا"إسم الإشارة،والمقصود منه" توجه أيها المخاطب إلى ما أشير إليه" وإن ها التنبيه تستعمل للقريب أيضا (٥).

وبهذا تبين أن ها التنبيية لا تستعمل لدفع الغفلة فحسب،بل يمكن أن لا يكون المخاطب في الغفلة،وتستعمل هى لتعظيم الأمر،وعلو شأن ما بعدها،ويمكن أن تستعمل في كليهما معا كما في قوله تعالى: ﴿ إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ يَقُصُّ عَلَى بَنِي إِسْرَائِيلَ ﴾ (٦).

---

(١) كون البيان جنسا لا وصفا فأمر غالب وليس بلازم ، النحو الوافي، رقم الحاشية: ٣ ، ٤٦٦/٣

(٢) شرح المفصل، ١٢٦/٣، النحو الوافي، ٣٠٦/١

(٣) شرح شذور الذهب، ص: ١٣٨

(٤) النحو الوافي، رقم الحاشية: ٣، ٢٩٤/١

(٥) المرجع السابق

(٦) سورة النمل،الآية: ٧٦

فمن الحسن أن يقال: إن "ها" التنبيه في هذه الآية تدل على أهمية القرآن وعظمته،ويمكن أن تدل على الأمرين معا التنبيه والتعظيم،فالمراد حينئذ "تنبه أيها المخاطب وتوجه إلى عظمة القرآن الذي يقص على بني إسرائيل أكثر الذي هم فيه يختلفون" وهذا أحسن.

مواضع ها التنبيه في أسماء الإشارة:

١) إنما تدخل "ها" للتنبيه على المجرد من كاف الخطاب نحو هذا وهذه وهذان وهاتان وهؤلاء،وهذا كثير.

٢) وعلى المحلي بالكاف وحدها نحو: هذاك، وهاتيك،وهاذانك،وهاتانك، وهؤلائك إلا أن هذا الثاني قليل. [١]

وقال ابن هشام: "وتقديم "ها" للتنبيه على المجرد كثير،وعلى ذي الكاف قليل،وعلى ذي اللام ممنوع". [٢] وهذا أحسن الكلام !

تنبيه : إنما تدخل "ها" التنبيه في تلك المواضع كلها جوازا،لكن في ضوء ما نقل عن الكوفيين قد بقي موضع من أسماء الإشارة تدخل فيه هاء التنبيه وجوبا لاجوازا،وهو إسم الإشارة المحذوف قبل نعت "أي" في النداء في مثل:يأيها الرجل فيا حرف النداء،وأي منادي مبني على الضم،وها للتنبيه قد دخلت وجوبا على إسم الإشارة المقدر في رأي الكوفيين والرجل نعت "أى" المنادي.

وقال آخرون: تدخل"ها"التنبيه على الرجل نعت المنادي وجوبا لاجوازا للتنبيه إلى أن الرجل هو المقصود بالنداء وللتعويض عما يضاف إليه كلمة "أي"، ولا يمكن أن يقال: يا الرجل بحذف أيها لما فيه من جمع بين ياء النداء ولام التعريف فلذلك أتينا بكلمة "أى" بينهما لكى يمكن مناداته مع دخول ها التنبيه وجوبا[٣].

خلاصة الكلام أن هاء التنبيه تدخل على أوائل أسماء الإشارة

١) فعلى المجرد من الزوائد كثيرا

٢) وعلى المتحلي بالكاف قليلا

٣) وعلى اسم الإشارة المقدر قبل نعت "أى" في النداء وجوبا كما يراه الكوفيون

---

(١) شرح الأشموني، ١٠٢/١

(٢) ابن هشام، جمال الدين عبدالله بن يوسف الأنصاري، الجامع الصغير في علم النحو، مكتبة الحلبوني، دمشق، الطبعة الأولى، ص:١١

(٣) ابن هشام، جمال الدين الأنصاري، مغني اللبيب مع حاشية الدسوقي لمصطفى مُحَمَّد عرفة الدسوقي، قديمي كتب خانه، كراتشي، باكستان ، ٣١٩/٢

موانع الهاء في أسماء الإشارة :

هناك مواضع تمنع دخول "ها" التنبيه فيها، وهى مايلى:

١) دخول "ها" التنبيه على ذي اللام من أسماء الإشارة ممنوع،(١) فلايقال هذا لك وههنا لك.

٢) وكذلك لاتدخل على ثَمّ ولا في لغاتها فلا يقال هاثم.

٣) وهكذا لا تدخل على هنا بتشديد النون، (٢) فلا يقال:ههنا بتشديد النون.(٣) فحاصل الكلام أن "ها" التنبيه لا تدخل على ثم،وهنا بتشديد النون،وذي اللام من أسماء الإشارة للبعيد،فيمكن أن توضع قاعدة كلية،ويقال:إن "ها" التنبيه لا تدخل على جميع أسماء الإشارة التي للبعد، ويترشح هذه القاعدة من عبارة مغني اللبيب والحاشية عليه للدوسوقي (٤) ويتخرج عليها "ثم" و "هنا" بشرط تشديد النون مع سائر لغاتهما،وكذلك لا تدخل "ها" على اسم واحد مشار به إلى مكان قريب وهو "هنا" بضم الهاء وتشديد النون (٥)،ولكن قال الدسوقي في حاشيته على مغني اللبيب:إن هنا بضم الهاء وتشديد النون لإشارة إلى البعيد.(٦)

فإذن لا يحتاج إلى المزيد ويكفي هذه القاعدة أن ها التنبيه لاتدخل على جميع أسماء الإشارة المختصة للبعد فحسب خلافا لما عدا ذلك من القرب والوسط فإنها تسبق عليهما.

الفصل بين ها التنبيه وبين اسم الإشارة .

يجوز أن يفصل بين هاء التنبيه وبين إسم الإشارة بضمير المشار إليه

مثلا: ها أنا ذا،وها نحن ذان،وها نحن أولاء

وها أنا ذي،وها نحن تان،وها نحن أولاء

وها أنت ذا،وها أنتما ذان،وها أنتم أولاء

وها أنت ذه،وها أنتما تان،وها أنتن أولاء

---

(١) الجامع الصغير، ص: ١١

(٢) لابتخفيفها فإنه يجوز فيه دخول ها التنبيه كما في القرآن الكريم ﴿ إِنَّا هَاهُنَا قَاعِدُونَ ﴾ (سورة المائدة،الآية: ٢٤).

(٣) مغني اللبيب، ٣١٨/٢، وفي هنا بتشديد النون ثلاث لغات،الأولى بفتح الهاء للبعد،والثانية بكسرها للبعد،والثالثة بضمها للقرب مع تشديد النون في الثلاث كما في "شرح الأشموني على ألفية ابن مالك، ١٠٣/١"،ولكن مؤلف مغني اللبيب ابن هشام لم يستوعب هذه اللغات،وقد ذكر فيها لغتين أو لبين،ولم يذكر الثالثة كما في كتابه الآخر "الجامع الصغير" ص: ١٢

(٤) مغني اللبيب ، ٣١٨/٢

(٥) وهو للقريب كما في شرح الأشموني، ١٠٣/١

(٦) مغني اللبيب، ٣١٨/٢

وها هو ذا،وها هما ذان،وها هم أولاء

وها هي تي،وها هما تان،وها هن أولاء .

فتقول: هانا ذاأسمع النصيحة،وهانت ذا تعمل الخير

هذا هو أولى وهوالكثير الورود في بليغ الكلام كما قال تعالى:﴿ هَاأَنتُمْ أُوْلاء تُحِبُّونَهُمْ وَلاَ يُحِبُّونَكُمْ ﴾[١] وقليلا ما تعاد هاء التنبيه توكيدا للتنبيه وتقويته بعد ما يفصل بينها وبين اسم الإشارة كما قال تعالى:﴿ هَاأَنتُمْ هَؤُلاء حَاجَجْتُمْ ﴾[٢] وقلما يفصل بينهما بغير ضمير المشار إليه كالقسم بالله نحو،ها–والله– ذا رجل أمين. وإنْ الشرطية نحو،ها– إن– ذي حسنة تتكررْ يضاعفْ ثوابُها. وإنَّ التوكيدية نحو،ها–إنَّ ذي عِذرة.إلا أن الفصل بينهما بكاف التشبيه في مثل "هكذا" شائع ذائع.[٣]

ملحوظة: كثيرا ما يدخل ها التنبيه على ضمير المرفوع المنفصل إذا كان خبره إسم الإشارة مثل"هانذا" [٤] [٤] المقيم على طلب الدين.

ويدخل أيضا إذا كان خبره غير اسم الإشارة،لكن بقلته،ومنه قول أمير المؤمنين عمر ﷺ هذا رسول الله،وهذا أبوبكر،وهانا عمر .

وإنما يترتب على ذلك الحكم الكثير الشائع ما أسلفنا من الأمثلة لجواز الفصل بين هاء التنبيه وإسم الإشارة بضمير المشار إليه [٥].

صدارة ها التنبيه:

إن ها التنبيه تقتضي الصدارة فلذلك كثيرٌ من النحاة حكموا بتقديم اسم الإشارة المسبوق بالتنبيه تقديما واجبا سواء أكان الإشارة مبتدأ أم خبرا،مثل الخبر المقدم بتقديم واجب "ها هنا العلم والأدب" ومثل المبتدأ المقدم بتقديم واجب "هذا أخي".

فقد تعين في هذا المثال أن يكون إسم الإشارة هو المبتدأ ولا يصح أن يكون خبرا؛لأنه اسم مستحق للصدارة بلحوق ها التنبيه الواجبة الصدارة ،وكلما كان المبتدأ لازم الصدارة يجب تقديمه على

---

(١) سورة آل عمران،الآية: ١١٩

(٢) سورة آل عمران،الآية: ٦٦

(٣) شرح الأشموني، ١٠٤/١، جامع الدروس العربية ، ١٢٩/١، النحو الوافي، ٣٠٢/١

(٤) أصله ها أنا ذا ولكن قواعد الكتابة تقتضي هكذا باتصال الحروف، النحو الوافي رقم:٤ هامش ، ٢٩٥/١

(٥) النحو الوافي، ٢٠٣/١

الخبر،ولكن في مثل "هانَذا" لايتصور صدارة اسم الإشارة إذ لا تلحقه ها التنبيه مباشرة بل هى تسبق الضمير فذلك الضمير هو المبتدأ لأجل صدارة الهاء،واسم الإشارة هو الخبر. [١]

وهذا كله عند فريق من النحاة دون فريق؛لأنهم لا يرون كذلك ويقولون على ضوء ما في الأدلة القوية السماعية:إن الصدارة من أجل صدارة هاء التنبيه غالب ومستحسن وليس بواجب،فيحكمون بتقديم إسم الإشارة المبدوء بالتنبيه تقديما مستحسنا لا واجبا وهو الظاهر،فيصح تأخيره كما يحسن تقديمه. [٢] فإذن يصح المثال: "العلم والأدب ها هنا" كما يحسن العكس"ها هنا العلم والأدب" وكذلك يصح "أخي هذا" كما يحسن "هذا أخي" وإذا كان كذلك فيحسن أن يجعل هذا في "هذا أخي" مبتدأ ولا يجب.

وهكذا في"هانذا" يحسن أن يكون الضمير مبتدأ [٣] ولكن لا يجب؛لأن المبتدأ في المثالين لايلزم فيه الصدارة،بل الصدارة والتقدم حسن فيه في هذا الرأي القوي فلا وجه هنا لتعيين المبتدأ وتاخير الخبر على سبيل الوجوب لا على سبيل الاستحسان.

التغير في ها التنبيه :

قد يقع التغير في حرفيها وهو كما يلي:

(١) قد يتغير الحرف الأول "هـ" فيكون مضموما،نحو يا أيه الرجل مكان يأيها الرجل بحذف ألف ها التنبيه وجوبا للتقاء الساكنين وضم الهاء جوازا لاتباع ضمة "أى" كما في لغة بني أسد،وعليه قراءة ابن عامر نحو أيه المؤمنون [٤] و"أيه الثقلان"[٥] و" يا أيه الساحر" [٦]

(٢) وقد يكون ساكنا كما في تلك الآيات عند حالة الوقف. [٧]

(٣) وقد يتغير الألف الحرف الثاني كما يتغير الهاء فيسقط للساكنين كما يسقط لكثرة الاستعمال

---

(١) في "هاأناذا"

(٢) النحو الوافي، ١/٢٩٥-٣٠٤-٤٥١-٤٥٣-٤٥٨

(٣) رقم هامش: ٢ وفيه أيضا أن مثل "هانذا" يجوز أن يكون "هذا أنا" رعاية للقاعدة العامة بتقديم إسم الإشارة وتاخير الضمير،ولكن الأول أولى وأسمى وهو الأكثر ر،النحو الوافي، ١/٤٥٥

(٤) سورة النور،الآية: ٣١

(٥) سورة الرحمٰن،الآية: ٣١

(٦) سورة الزخرف،الآية: ٤٩

(٧) مغني اللبيب، ٢/٣١٩

فسقوط الألف فيها على ثلاثة أنواع:

الأول أن تسقط في اللفظ ثابتة في الخط نحو يأيها الرجل،قد سقط الألف فيه لفظا للتقاء الساكنين؛ لا كتابة.

والثاني عكسه يعني أن تسقط في الخط ثابتة في اللفظ،نحو:هذا فإن الألف فيه ملفوظة وإن لم تكن مكتوبة لكثرة الاستعمال.

والثالث أن تسقط في اللفظ والخط معا نحو يا أيه الرجل فسقوط الألف فيه واجب من حيث اللفظ للساكنين وجائز من حيث الخط لكثرة الاستعمال. (١)

وجوه الاستعمال لهاء التنبيه :

تستعمل هاء التنبيه في اسم الإشارة لعدة وجوه وهى ماجمعتها فيما بين يديك:

(١) أن تستعمل لدفع الغفلة.

(٢) وأن تستعمل لتعظيم الأمر كما في قوله تعالي: ﴿ إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ يَقُصُّ عَلَى بَنِي إِسْرَائِيلَ ﴾ (٢) أي "تنبه أيها المخاطب وتوجه إلى عظمة القرآن الذي يقص على بني إسرائيل ... " فهى للأمرين معا التنبيه والتعظيم.

(٣) وأن تستعمل للتعويض نحو "يا أيها الرجل" فإن الهاء فيه عوض عن المحذوف الذي يضاف إليه كلمة "أى" وتنبيه إلى أن الرجل هو المقصود بالنداء،فهى أيضا للأمرين معا التنبيه والتعويض.

(٤) وأن تستعمل للقرب كما قيل في شرح المفصل (٣)، ولكن أُري أن في هذا الوجه نظرا من قِبل أنها إن تستعمل للقرب فكيف يجوز أن تلحق بأسماء الإشارات التي للمتوسط مع أنها تدخل فيها،وإن كانت بقلتها أللهم،إلا أن يقال إن المتوسط كأنه قريب كما خطر ببالي والله أعلم.فيترشح من هذا التوضيح أن تسميتها "ها التنبيه" من قبيل تسمية الكل باسم الجزء الذي هو تنبيه،وهو شائع فيها،ولعل التسمية بالتنبيه لذالك الشيوع وكذلك يتوضح منه أن ها التنبيه تستعمل في اسم الإشارة لأمور معا كما في الأمثلة الخالية آنفا.

تنبيه:وجدير بالتنبيه إلى أنه قد يمكن أن الهاء على أول اسم الإشارة لا تكون للتنبيه،بل هى اسم فعل بمعنى "خذ" نحو "هذا" أي خذ ذا على تقدير أن الهاء في "هذا" اسم فعل،وليست تنبيها فأصبح "هذا" إذن جملة مفيدة من غير حذف في الكلام.

---

(١) شرح المفصل، ١٣٦/٣

(٢) سورة النمل،الآية: ٧٦

(٣) شرح المفصل، ١٣٦/٣

(ب) لام البعد: هو حرف ثان يدخل على اسم الإشارة

وجه التسميه: اللام حرف واحد قد تزداد في أسماء الإشارات لتدل على البعيد مثلا "ذلك" أو "تالك" يدل على المشار إليه البعيد بلحوق اللام ومن أجل ذلك تسمى لام البعد.

حركة لام البعد:

وقد تكون تحتها كسرة عندما كان قبلها ساكن في مثل ذلك وتالك،وقد تكون ساكنة فيحذف الساكن الأول الذي قبل ذلك السكون في مثل تي وتا اسمي الإشارة فيقال:تِلك وتَلك بحذف الياء الساكن في الأول والألف في الثاني للتقاء الساكنين.

الشرط لإلحاق لام البعد:

لا تزداد هذه اللام في أسماء الإشارات إلا بكاف الخطاب بخلاف العكس فإنه يجوز أن تلحقها الكاف بدون اللام [١].

مواضع اللام في أسماء الإشارة:

لاتكون اللام بدون الكاف في الإشارات ولا تتصل اللام بالكاف في جميع أسماء الإشارات،بل في الصيغ المعدودة التالية فحسب!

(١) في المفرد المذكر نحو ذاک فتقول "ذلك" بعد ما يلحقه اللام .

(٢) في الصيغ الثلاثة من العشرة للمفرد المؤنث.

وهى تي،وتا،وذي التي يجوز أن تدخلها الكاف،فإذن يدخلها اللام أيضا حتى تتشكل هذه الثلاث بهذه الصورة "تِلك وتالك وذِلك". [٢]

(٣) في الجمع المقصور نحو أولاک فتقول حينما يلحقه اللام أولي لك .

(٤) في الجمع الممدود أيضا لكن على الرأي المرجوح نحو أولاء لَك. [٣]

موانع اللام في أسماء الإشارة:

قد امتنع لام البعد في بعض من أسماء الإشارة وهى ما يأتي:

(١) في أسماء الإشارة التي لايصاحبها كاف الخطاب[٤]

(الف) وهن الصيغ السبعة من العشرة للمفرد المؤنث،وهى ما سوى تي،وتا،وذي،أي ذِه،

---

(١) النحو الوافي، ٢٩٢/١-٢٩٣-٢٩٤

(٢) شرح المفصل، ١٣٦/٣، النحو الوافي، ٢٩٨/١

(٣) النحو الوافي، ٢٩٣/١-

(٤) المرجع السابق، ٢٩٣/١

وذِه،وذِهى،وذات وته وته وتهى ، يمتنع دخول اللام على هؤلاء السبع فلا يقال ذه ك وذه لك.

(ب) وكذلك لاتدخل في إسم الإشارة "ثَمّ" بلغاتها كما لا تدخلها الكاف [(١)]

(ج) وهكذا لا تدخل على جميع لغات هنا إلا على كلمة هنا بضم الهاء وتخفيف النون،فإنه يجوز فيها أن يقال "هنا لک" لما يصح فيه "هناک" وما سوى ذلك من اللغات فلم أجده كذلك والله أعلم.

(د) وكذلك لا تدخل اللام في مثل هانذا[(٢)]لأنه لا يلحقه الكاف في الفصحى فلا يدخله اللام إذن![(٣)]

(هـ) ولا تدخل في اسم الإشارة المنادي نحو"ياذا" فلا يقال يا ذلك لِما لا يجوز فيه "ياذاك" إلا أن يكون هو مندوبا فيصح إذن لحوق الكاف به فيقال "'واذاك" مثلا. ولعله يصح "واذلك" حينما يجوز "واذاك" كما يقتضي القياس والله أعلم!

(٢) في المثنى مذكرا كان أو مؤنثا نحو ذانك،وتانك،فلا يقال ذانلك أو تانلك

(٣) في الجمع الممدود على القول الراجح فلا يقال أولاءلک

(٤) في تلك الصيغ من أسماء الإشارة التي تصدر فيها ها التنبيه فلا يقال إجماعا هذالک ولا ها تالك ولا هؤلاء لک لكراهة كثرة الزوائد [(٤)] ولأن الهاء واللام لا تجتمعان معا [(٥)].

وجوه استعمال اللام :

وهى ما يأتي:

(١) كما ذكر أن اللام زيدت في أسماء الإشارة حتى تدل على بعد المشار إليه وهو الأكثر.

(٢) وقد يستعمل هذا اللام للمشار إليه القريب لتدل على عظمة المشير قال تعالى:﴿ وَمَا تِلْكَ بِيَمِينِكَ يَا مُوسَى﴾[(٦)] أو على عظمة المشارإليه قال عزوجل: ﴿ذَلِكُمُ اللهُ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ ﴾[(٧)].
﴾[(٧)].

---

(١) النحو الوافي ، ٢٩٠/١

(٢) أي اسم الإشارة الذي بينه وبين هاء التنبيه فاصل كالضمير وغيره

(٣) المرجع السابق ، ٢٩٣/١

(٤) المرجع السابق ، ٢٩٤/١، شرح شذور الذهب، ص: ١٣٨، شرح الأشموني،١٠٢/١

(٥) شرح المفصل، ١٣٦/٣

(٦) سورة طه،الآية: ١٧

(٧) سورة يونس،الآية: ٣

كذا قال ابن هشام في كتابه [١].

وفي هاتين الآيتين تنزيل البعد الرتبي وهو لله تبارك وتعالى منزلة البعد المكاني وفي ﴿ ذَلِكَ الْكِتَابُ لاَ رَيْبَ ﴾[٢] البعد الرتبي لكتاب الله عزوجل فلذلك نزله الله تبارك وتعالى منزلة البعد المكاني فقال: ذلك الكتاب،بدل هذا الكتاب،بحجة أن الكتاب بعيد رتبة أي له علو وعظمة.

(ج) كاف الخطاب الحرفية :

زيادتها في أسماء الإشارة:

وهى الأخيرة من الزوائد في أسماء الإشارة،وقد زيدت منفردة فيها لتدل على توسط المشار إليه بين القرب والبعد [٣].

وجه التسمية: ولدلالتها على الخطاب،وعلى حال المخاطب تسمى بكاف الخطاب،وبتجردها عن معنى الإسمية وكونها حرفا [٤] تسمى الحرفية فلذلك يقال لها: كاف الخطاب الحرفية.

الإيضاح : قد [٥] تتنوع كاف الخطاب إلى قسمين:

الأول ما يفيد الخطاب مع الإسمية في مثل أخيك وأبيك مما له محل من الإعراب فإنه يفيد الخطاب وإنه اسم مضمر.

والثاني ما يفيد الخطاب بتجرده عن معني الاسمية وهى الكاف التي تلحق بأسماء الإشارة نحو ذاك وذانك وتانك مما ليس له موضع من الإعراب[٦].

وإلا كان لها أي للكاف محل من إعراب الخفض؛لأجل الإضافة وهى ممتنعة؛لأن أسماء الإشارة لا تضاف بحجة أنها تلازم التعريف فلا تقبل التنكير بحال،وإذن لاتفيدها الإضافة شيأ من التعريف أو التخصيص فلا تكون الإشارة مضافة ولاتصير الكاف اسما ومضافا إليه[٧].

والدليل الثاني أن جميع أسماء الإشارة حتى المثنى منها لا تضاف؛لأن ما سوى المثنى منها مبني، والمبني لا يكون مضافا في أكثر أحواله،فلا يكون الكاف اسما ومضافا إليه [١] .

---

(١) الجامع الصغير في علم النحو، ص: ١١

(٢) البقرة،الآية: ٢

(٣) النحو الوافي، ٢٩٢/١

(٤) شرح المفصل، ١٣٤/٣

(٥) هنا "قد" مثل "قد" في ﴿ قَدْ يَعْلَمُ اللَّهُ الْمُعَوِّقِينَ مِنكُمْ ﴾ سورة الأحزاب،الآية: ١٨

(٦) شرح المفصل، ١٣٤/٣

(٧) شرح الأشموني، ١٠٢/١، شرح شذور الذهب، ص: ١٣٨

والثالث أن إثبات نون المثنى في مثل ذانك وتانك يدل على حرفية الكاف؛لأنها لوكانت اسمية لحذفت النون منهما بالإضافة [٢].

التصرف في كاف الخطاب الحرفية:

التصرف في كاف الخطاب الحرفية كتصرف في كاف الضمير فهما سِيان في حركة وعلامات دالة على تفرد المخاطب وتعددٍ. تقول ذاك ذاكما ذاكم كما تقول:لك لكما لكم،وتقول:ذاك ذاكما ذاكن كما تقول:لك لكما لكن الحركة والعلامة في كلتيهما سواء وهكذا تقول في كلام مفيد:ذاك كتابك يا تلميذ وذاكما كتابكما يا تلميذان وذاكم كتابكم يا تلاميذ،وذاك كتابك يا تلميذة،وذاكما كتابكما يا تلميذتان،وذاكن كتابكن يا تلميذات فالتغير على حسب أحوال المخاطب في كلا الكافين سواء [٣]، وجدير بالذكر أن المخاطب هو المسبب لاختلاف حركة الكاف والعلامة في اسم الإشارة [٤] كما ترى في الأمثلة التالية:

(١) كيف ذاك الرجل يا رجل بتفرد اسم الإشارة "ذا"؛لأن المشار إليه هو المفرد وبإيراد الكاف مفردة لكون المخاطب مفرداً ومفتوحة لكون المخاطب مذكراً مثل قول القائل في القرآن الكريم:﴿ ذَلِكَ لِيَعْلَمَ أَنِّي لَمْ أَخُنْهُ بِالْغَيْبِ ﴾. [٥]

(٢) كيف ذاك الرجل يا امرأة قد أفردت اسم الإشارة لتفرد المشار إليه،وأوردت الكاف مفردة بتفرد المخاطب،ثم كسرتها لتأنيث المخاطب كما كان قول جبريل لمريم في القرآن الكريم: ﴿ قَالَ كَذَلِكَ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ ﴾. [٦]

(٣) كيف ذاكما الرجل يا رجلان بإفراد اسم الإشارة من أجل تفرد المشار إليه وبتثنية الكاف لتثنية المخاطب كما كان قول يوسف لصاحبَي السجن ﴿ ذَلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِي رَبِّي ﴾.[١]

---

(١) النحو الوافي، ٢٩٢/١

(٢) شرح المفصل، ١٣٤/٣. وكذلك كانت الكاف كاف الخطاب الحرفية في حيهلك ورويدك والنّجاءَك و﴿ أَرَأَيْتَكَ هَذَا الَّذِي كَرَّمْتَ عَلَيَّ ﴾ (سورة الإسراء،الآية: ٦١) وأرأيتك زيداً ماصنع وليسك زيد قائما ونعمك الرجل زيد وبيسك الرجل فلانٌ وكلاك بالتشديد، مغني اللبيب، ٤٩٤/١ - ٤٩٦

(٣) جامع الدروس العربية ، ١٣٠/١.

(٤) قال ابن يعيش في شرح المفصل ١٣٤/٣، "ويوضح لك ذالك (أي اختلاف حركة الكاف والعلامة. راقم) نعت اسم الإشارة ونداء المخاطب " ولكن من البداهة أن نعت اسم الإشارة أي المشار إليه لا عمل له في اختلاف حركة الكاف والعلامة نعم إنما هو متعلق باسم الإشارة كما هو الظاهر

(٥) سورة يوسف،الآية: ٥٢

(٦) سورة مريم،الآية: ٢١

(٤)كيف ذانك الرجلان يا رجل بتثنية اسم الإشارة لتثنية المشار إليه،وتفرد الكاف لتفرد المخاطب،ثم فتح الكاف لتذكير المخاطب.

(٥)كيف أولئكم الرجال يا رجال بجمع اسم الإشارة لجمع المشار إليه،وبجمع الكاف لجمع المخاطب مع تذكيرها لتذكير المخاطب وفي القرآن الكريم: ﴿ ثَلَاثٍ ذَلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ﴾ [٢].

(٦)كيف أولئك الرجال يا رجل بجمع اسم الإشارة لجمع المشار إليه،وانفردت الكاف لانفراد المخاطب وهي مفتوحة لتذكير المخاطب.

(٧) كيف أولئكن النساء يا نساء بجمع اسم الإشارة لجمع المشار إليه،وجمع الكاف لجمع المخاطب مع تانيثها لتأنيث المخاطب.وقالت امرأة العزيز : ﴿ فَذَلِكُنَّ الَّذِي لُمْتُنَّنِي فِيهِ ﴾ [٣].

(٨) كيف ذاكن الرجل يانساء بإفراد اسم الإشارة لتفرد المشار إليه،وجمع الكاف لجمع المخاطب مع تانيثها لتأنيث المخاطب [٤].

استثناء:

وقد استثنيت من ذالك كلمة "هنا" اسم الإشارة والظرف معا فإن الكاف اللاحقة بها مفردة مفتوحة دائما فلا تختلف بحال ما باختلاف المخاطب فلذا تسمى بكاف الخطاب غير المتصرفة [٥].

ومما يلاحظ أن حروف الخطاب بحسب التقسيم العقلي ستة:وهي ك،كما،كم وك كما،كن؛لأنها إما للمفرد أو المؤنث أو المجموع،وكل واحد منها:إما مذكر وإما مؤنث فهذه ستة،والمثنى منها مشترك بين المذكر والمؤنث فترجع إلى خمسة بحسب الواقع.

وأن أسماء الإشارة على ستة أنواع كذالك "وهى" ذا، ذان، أولاء وتا، تان، أولاء؛لأنها إما للمفرد أو المثنى أو المجموع وكل واحد منها إما مذكر أومؤنث فهذه ستة عقلا راجعة إلى خمسة حقيقة؛لأن الجمع من أسماء الإشارة مشترك بين المذكر والمؤنث،فيصير المجموع الحقيقي خمسة وعشرين بضرب الخمسة من أسماء الإشارة في الخمسة من حروف الخطاب، المجموع العقلي ستة وثلاثين بضرب الستة في الستة [٦].

---

(١) سورة يوسف،الآية: ٣٧

(٢) سورة فاطر،الآية: ١٣/٣٥

(٣) سورة يوسف،الآية: ٣٢/١٢

(٤) شرح المفصل، ١٣٤/٣

(٥) النحو الوافي، ٢٩٦/١

(٦) شرح الأشموني، ١٠١/١

أقسام التصرف في الكاف:

أقسام التصرف في هذه الكاف فيما يلي:

١- التصرف الكامل :

في التصرف الكامل تختلف الحركة والعلامة لاختلاف المخاطب،ففي الأمثلة تختلف حركة الكاف من الفتح إلى الكسر كما تختلف العلامة من الإفراد والتثنية إلى ميم جمع المذكر ونون النسوة على حسب أحوال المخاطب، وهذا هو التصرف بكماله،وهو الأكثر والأحسن لزيادة الوضاحة و عدم اللبس فيه.

٢- التصرف الناقص :

في التصرف الناقص تختلف حركة الكاف من الفتح إلى الكسر فحسب بحسب تذكير المخاطب وتانيثه،ولكن لا توجد فيها علامة،فكان التصرف هنا في الحركة لا في العلامة فأصبح هذا التصرف أقل من ذلك التصرف وضاحة ورتبة. (١) والأحسن أن يقال: إن في التصرف الناقص تختلف حركة الكاف،ولكن لاتختلف فيه العلامة،وإنما هى ثابتة على كل حال،وهى إفراد كاف الخطاب (٢).

٣- ويتلوه لغة أخرى:

قد ذكرها ثقات وهى: عبارة عن إفراد كاف الخطاب المفتوحة في جميع أحوال المخاطب من التذكير والتانيث والإفراد والتثنية والجمع فهى خالية عن التصرف مطلقا.

كما في الأمثلة التالية:

- كيف ذاك الرجل يا امرأة بفتح الكاف مع أن المخاطب هو المؤنث
- كيف ذاك الرجل يا امرأتان أو يا رجلان بفتح الكاف المفردة كذلك
- وفي القرآن الكريم: ﴿ وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا ﴾ (٣) ، مكان " وَكَذَلِكم... " الذي يقتضيه القياس الشائع كما يراعي هذا القياس في الآية الأخرى: ﴿كَذَلِكُمْ قَالَ اللَّهُ مِن قَبْلُ ﴾ (٤).
- ﴿ إِن تَنصُرُوا اللَّهَ يَنصُرْكُمْ ﴾ إلى قوله عزوجل: ﴿ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ كَرِهُوا...﴾ (١) في هذه

---

(١) النحو الوافي، ٢٩٢/١، رقم ١ من هامش

(٢) كما يفهم من عبارة شرح المفصل، ١٣٥/٣

(٣) سورة البقرة،الآية: ١٤٢

(٤) سورة الفتح،الآية: ١٥

الآية "ذلك" مكان "ذلكم" مع أن الخطاب لجماعة [٢].

مواضع الكاف:

(١) تدخل هذه الكاف على المفرد المذكر والمثنى والمجموع مطلقا،نحو ذاك وذانك وتانك وأولاك وأولئك بخلاف المفرد المؤنث فانها تدخل في صيغها الثلاث من العشرة فقط وهى تي وتا وذي حتى تكون تيك وتاك وذيك بعد ما لحقتها الكاف

(٢) وهكذا تدخل في "هنا" المخفف اسم الإشارة والظرف معا نحو هناك

(٣) وفي اسم الإشارة المنادي المندوب مثلا واذاك

موانع الكاف:

(١) لاتدخل هذه الكاف على الرأي الصحيح في بقية السبعة التي للمفرد المؤنث وهى ذِه ،وذِه، وذهى، وذات، وته وته وتهى.

(٢) ولاتدخل في اسم الإشارة "ثَمّ" بلغاتها [٣]

(٣) وكذا لا نجد فيما سوى هنا المخفف من لغاتها؛لأنها كلها للبعيد في رأي إلا كلمة هنه فأصلها هنا المخففة [٤]

(٤) وهكذا لا تدخل في اسم الإشارة الذي بينه وبين ها التنبيه فاصل،كالضمير وغيره،نحو هانذا محب لک فلا يقال في الفصحى هانذاك [٥].

(٥) ولا تدخل على اسم الإشارة المنادي نحو:يا هذا فلا يقال يا هذاك [٦]،إلا أن يكون هو مندوبا كما سبق أنفا في مواضع الكاف.

(٦) ولا تدخل على المثني والمجموع إذا كانا مبدوءين بحرف التنبيه، فلا يقال:هذانك وهاتانك وهؤلاك وهؤلئك.

هذا عند ابن مالك خلافا لأبي حيان فإنه ذهب إلى جوازه بقلته. [٧]

---

(١) سورة مُحَمّد،الآية: ٧-٨-٩

(٢) شرح المفصل، ١٣٥/٣

(٣) النحو الوافي، ٢٩٢/١

(٤) شرح المفصل، ١٣٨/٣

(٥) النحو الوافي، ٢٩٣/١

(٦) المرجع السابق، ٢٩٥/١

(٧) بهاء الدين ،عبدالله بن عقيل، شرح ابن عقيل (مع منحة الجليل)،رقم ١ من هامش، المكتبة التجارية الكبرى، مصر، الطبعة الرابعة عشرة، ١٣٨٤هـ،١٣٤/١

فوائد الكاف:

إن الكاف لها ثلاث فوائد:

الأولى: منها أنها تدل على من في الوسطى والثانية: أنها تدل على الخطاب والثالثة: أنها تدل على أحوال المخاطب ،ففي لغة أولى أنها دالة على جميع أحوال المخاطب من كونه مذكرا أومؤنثا،مفردا أومثنى أومجموعا.وفي لغة ثانية أنها تدل على تذكير المخاطب وتانيثه فحسب ،وفي لغة أخيرة أنها تدل على نفس الخطاب فقط كما مرت تلك اللغات فيما مضى من أقسام التصرف في هذه الكاف.

هل تجتمع الزوائد في اسم الإشارة معا ؟

لا تجتمع تلك الزوائد في اسم الإشارة معا لكراهة كثرة الزوائد،أو لعدم السماع من العرب،وهو خير العلل في مثل هذا فلا يقال:هذا لك مثلا وقد تجتمع بعضها ببعض دون بعض .[١]

(١) فأما الهاء فهى قد تجتمع مع الكاف،نحو هذاك ولكن لا تجتمع مع اللام فلا يقال هذا لک

(٢) وأما اللام فلا تجتمع بأحد منها،إلا أن توجد الكاف وحدها نحو ذلك بغيرها التنبيه إذ لا تكون لأن تجتمع بالهاء بحال ما فلا يقال هذا لك.

(٣) وأما الكاف فهى قد تجتمع مع الهاء نحو هذاک كما تجتمع مع اللام نحو ذلك

واجتماع الكاف مع اسم الإشارة بدون اللام في مثل"ذاك" على لغة تميم وباللام في مثل "ذلك" على لغة الحجاز [٢]

إعراب الزوائد في اسم الإشارة:

الزوائد في اسم الإشارة لا يكون لها موضع من الإعراب،فإن وجدت فيه "ها" التي للتنبيه "مثل هذا" قيل فيها: إنه حرف تنبيه مبني على السكون لا محل له من الإعراب وإن وجدت فيه اللام مثل "ذالك أو تلك" قيل فيها: اللام حرف مبني على حسب موقعه لا محل له من الإعراب وإن وجدت فيه الكاف نحو "ذاك و هناك" قيل فيها: الكاف حرف مبني على حسب موقعه لا محل له من الإعراب [٣].

---

(١) شرح الأشموني، ١٠٢/١

(٢) المرجع السابق ، ١٠٢/١

(٣) النحو الوافي، ٣٠٢/١

each parent that the fetus inherits, whereas multifactorial disorders occur due to genetic and environmental factors.(1)

Conclusion

This article outlines the key factors associated with the prenatal period and the early development of the fetus. The findings from the *Sunnah* of the Prophet (S.W.A) and western psychological research and studies highlight the impacts of various factors on the prenatal development of children; specifically maternal nutrition, the mother's emotional state, impact of heredity, the sound of the mother's voice in womb, the family environment including domestic stability, and the potential harms of intoxicants (teratogens). Moreover, the *Sunnah* highlights the impact of mother's religious nature, the personality of parent, the mutual responsibilities of husband and wife, issues of divorce, mother's lawful [*Ḥalāl*] food. This shows that the *Sunnah* is distinctive in illuminating these aspects from a religious and humanistic paradigm. By contrast, contemporary psychological research gives explanation to the effects of genetic errors on maternal and fetal wellbeing. However, the *Sunnah* promotes treatment of any kind of diseases as clearly mentioned in a tradition, whereby the Prophet (peace be upon him) said, "There is no disease that Allah has sent down except that He also has sent down its treatment."(2) This tradition highlights that the *Sunnah* approves the use of medicines [based on lawful ingredients] for the treatment of diseases, having the intention of cure [*Shifā'*] from Allah Almighty as the Holy Qur'an states about the Prophet Ibrāhīm (peace be upon him): "And when I am ill, it is He [Allah] who cures me."(3) To summarize, the article predominantly has provided a summary of key findings drawn from the *Sunnah* and contemporary psychological research and studies to develop an understanding of factors affecting prenatal development of the child in mother's womb particularly for the welfare of Muslim communities.

(1) Hoffnung M., *Lifespan Development,* p. 71.
(2) Bukhārī, *Ṣaḥīḥ al-Bukhārī,* 7/326.
(3) Sūrah Ash-Shu'rā: 26/80.

on the fetus and prenatal development.(1) Drugs such as heroin, cocaine, alcohol and tobacco affect the fetus and unborn children are at greater risk of a variety of problems and disorders across the lifespan.(2) Recent evidence has shown that children of moderate or social drinkers have lower IQ (below 85) and a poorer attention span. Bee recommends cessation of drinking during pregnancy.(3)

vii. Impacts of Family and Social Environment

For healthy prenatal development a stable social environment is significant. Domestic violence is a serious hazard for pregnant women and their babies. The pregnant woman's environment can be seriously impacted by high-risk family stress and violence as well as the physical condition of pregnancy. Prenatal care is strongly influenced by life circumstances, ethnic conditions, and socioeconomic status of women.(4) Significant sociocultural dimensions that affect prenatal care include; ethnicity, decision making patterns, religious preference, language, communication style, and common etiquettes.(5)

viii. Genetic Errors during Conception

Genetic errors occur at the moment of conception that cannot be altered. Such errors lead to conditions such as; Downs syndrome(6) in which children have distinctive facial features and are typically retarded; Sex-chromosome anomalies(7) in which children show unusual physical features and some cognitive deficits; Fragile-X syndrome(8) where children experience adverse intellectual or behavioral consequences); Single-Gene defects(9) where the child inherits a gene for a specific disease).(10) Recessive Recessive gene disorders can occur due to a pair of recessive genes from

---

(1) Santrock, *Children,* pp. 124–126.
(2) Hoffnung M.., *Lifespan Development,* pp. 85–86.
(3) Bee, *The Developing Child,* p. 54.
(4) Hoffnung M., *Lifespan Development,* p. 89.
(5) Santrock, *Children,* p. 120.
(6) A child has three copies of chromosome due to the failure of proper meiosis. Santrock, *Children,* p. 120.
(7) Klinefelter's syndrome is due to XXY pattern of chromosome that causes boys underdeveloped testes and learning and language disabilities, whereas Turner's syndrome is due to XO or XXX pattern that causes girls sterile. Bee, *The Developing Child,* pp. 47–49.
(8) It occurs due to an abnormal section of DNA at a specific location on the X–chromosome ordinarily from a carrier mother. Bee, *The developing child,* p. 49.
(9) Mental retardation is caused by 141 diseases or disorders with known genetic loci and 361 more whose loci have not yet been identified. Wahlstrom, J., "Gene map of mental retardation," *Journal of Mental Deficiency Research* 34, (1990): pp. 11–27.
(10) Bee, *The Developing Child,* pp. 47–49.

breast-feeding behavior. The long-term influences include the development of the nervous and visual systems, as well as behavioral and psychological functioning. During the prenatal stage, genetic influences play an important role in the foundation of the subsequent development of behavior.(1) The Following model shows the interaction of information from both the genotype and environment in determining behavior.

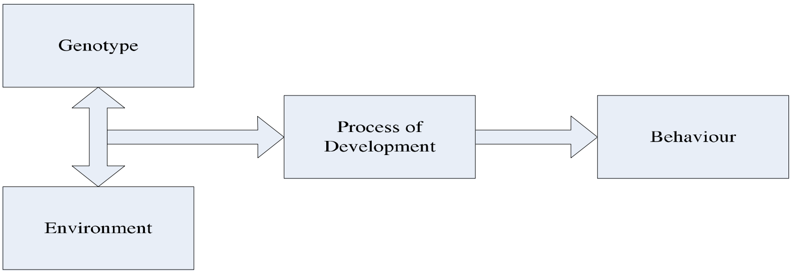

Model of the information from the genotype and environment to determine behavior(2)

vi. Impacts of Teratogens during the Prenatal Period

Teratology is defined as, "the study of birth defects and behavioral problems that arise from environmental influences during the prenatal period." Tetragons are environmental agents that cause disruption to fetal development.(3) Such agents are also referred to as developmental toxins and and include ethanol, tobacco, rubella, external pressure, radiation, and maternal stress.(4) A range of studies has confirmed the harmful effects of drug taking at the prenatal stage and after birth. For example, in the case of smoking during pregnancy, nicotine contracts the blood vessels and reduces the blood flow to the placenta; resulting in a decrease in the healthy nutrition of the fetus.(5) Further, children of smoking mothers have higher rates of behavioral problems.(6) A mother's moderate drinking of alcohol, cigarette smoking, a partner's smoking, cocaine, marijuana, and heroin use, are not recommended during pregnancy because they can have deleterious effects

(1) Peter Hepper, "Prenatal Psychological and Behavioural Development," pp. 92–113.
(2) This model is drawn from Peter K. Smith., *Understanding Children's Development,* p. 34.
(3) Danuta Bukatko, and Marvin W. Daehler, *Child Development,* p. 126.
(4) Kathleen J. Sipes Kolberg, "Environmental Influences on Prenatal Development and Health," p. 94.
(5) Bee, *The Developing Child*, p. 53.
(6) Fergusson, D. M., Horwood, L. J., and Lynskey, M. T., "Maternal smoking before and after pregnancy: Effects on behavioral outcomes in middle childhood," *Pediatrics* 92, (1993): pp. 815–822.

pregnancy are more likely to give birth to infants with abnormalities.(1) Emotional stress is also associated with spontaneous abortion, difficult labour, premature birth, and newborn respiratory complications as well as a range of physical defects.(2) Lipton suggests that parents must remain conscious to the fact that their thoughts, attitudes and behaviors will profoundly influence their child's development and health from conceiving through prenatal and postnatal development.(3) However, psychological research has examined no demonstrated link between minor maternal everyday stress levels and the fetus health or infant outcomes.(4)

iv. Impacts of Mother's Voice and other Sounds on the Fetus

A mother's voice stimulates the sensory experience of the fetus. This voice exposure during the fetal stage and early infancy plays an important role for language development in children. Further, the emotional aspect of speech is significant for emotional development before and after birth.(5) In one study researchers examined the effects of sound on the foetus [fetus] heart rate and rhythms of kicking and found a positive correlation with auditory stimulation; the findings confirm that the foetus [fetus] is cognitively sophisticated prior to birth.(6) Experimental investigations have confirmed the prenatal learning of voices for the fetus inside the uterus of the mother. The studies highlight the new born child's preference for the mother's voice after birth, due to prenatal learning. Some studies have examined the impacts of maternal heartbeat as well as music during pregnancy and found a positive correlation to the learning of language after birth.(7)

v. Prenatal Behavior after Birth

Studies have shown that prenatal behaviors and abilities have an immediate and long-term influence after birth. The direct influences of prenatal behavior of the fetus include maternal recognition, attachment and

---

(1) Michele Hoffnung, Robert J Hoffnung, Kelvin L Seifert, Rosanne Burton Smith, 'Alison Hine, Lynn Ward, and Cat Pause, *Lifespan Development,* 2nd ed. (Queensland: John Wiley and Sons, 2013), p. 90.

(2) Hoffnung M, *Lifespan Development,* p. 90.

(3) Bruce H. Lipton, "Maternal Emotions and Human Development", accessed May 4, 2015 from https://birthpsychology.com/free–article/maternal–emotions–and–human–development

(4) Hughes, Noppe, and Noppe, *Child Psychology*, p. 71.

(5) Baltes E., "Modularity, domain specificity and the development of language," *Discussion in Neuroscience* 10, (1994): pp. 136–149.

(6) Peterson, *Looking Forward Through the Lifespan: Developmental Psychology,* p. 90.

(7) Peter Hepper, "Prenatal Psychological and Behavioural Development," in *Handbook of Developmental Psychology,* Jaan Valsiner and Kevin J. Connolly (London: SAGE Publications, 2003), pp. 92–113.

positive emotional experiences to general anxiety and/ or low mood to intense fear and prolonged depression.(1) During early pregnancy, maternal stress may increase the level of corticotrophin-releasing hormone (CRH)(2)that is associated with premature delivery.(3)

iii. Impacts of Maternal Stress on the Embryo and Fetus

Serious prolonged stress in comparison to mild stress may increase the risk of serious complications during pregnancy.(4) Recent studies have examined the effects of induced maternal stress, emotions, and hormonal changes on fetal functioning.(5) Prenatal maternal stress is associated with cognitive, behavioral, physical, and emotional problems in children.(6) Studies have shown that prenatal stress affects physical and functional development in infants and is associated with more difficult child behavior during the first 10 years of childhood.(7) Maternal stress affects the health of the embryo or fetus negatively and alters the fetal and infant developmental trajectory by disturbing hormones (cortisol, gonadotropins, estrogen and progesterone), nutrient, bold flow and oxygen availability to the embryo or fetus.(8) Bergh highlighted that several behavioral problems including ADHD(9) in children were linked to prenatal anxiety, stress, and depression of mothers.(10) Women who experience severe stress and anxiety during

---

(1) Santrock, *Children,* p. 130.

(2) Hobel C. J., Dunkel-Schetter, C., Roesch, S. C., Castro, L. C., and Arora, C. P., "Maternal Plasma Corticotrophin-Releasing Hormone Associated with Stress at 20 Weeks' Gestation in Pregnancies Ending in Preterm Delivery," in *Children,* Santrock, p. 130.

(3) Santrock, *Children,* p. 130.

(4) Kail and Wicks-Nelson, *Developmental Psychology*, p. 54.

(5) Di Pietro J. A., et al., "Fetal response to induced maternal stress," *Early Human Development* 11, (2003): pp. 41–45.

(6) King, S., et al., "Prenatal maternal stress from a natural disaster predicts dermatoglyphic asymmetry in humans," *Developmental Psychology* 21, (2009): pp. 343–353.

(7) Mulder E. J. H., et al., "Prenatal maternal stress: effects on pregnancy and the (unborn) child," *Early Human Development* 70, (2002): pp. 3–14.

(8) Kathleen, "Environmental Influences on Prenatal Development and Health," in Life–span Perspectives on Health and Illness, ed. Thomas L. Whitman, Thomas V. Merluzzi and Robert D. White., (London: Lawrence Erlbaum Associates Inc., 1999), pp. 94–96.

(9) Attention Deficit Hyperactivity Disorder (ADHD) is a disability in which children consistently show one or more of these characteristics over a period of time including inattention, hyperactivity, and impulsivity. Santrock, *Children,* p. 299.

(10) Bergh B., et al., "Antenatal Maternal Anxiety and Stress and the Neurobehavioural Development of the Fetus and Child: Links and possible mechanisms. A Review," *Neuroscience and Biobehavioral Reviews* 29, (2005): pp. 237–258.

receives nutrients from the mother through the placenta.(1) However, poor maternal nutrition is a risk factor for the fetus.(2) For instance, sub-healthy levels of nutrition appear to effect the development of the nervous system, whereas malnutrition is understood to influence vulnerability in fetal development,(3) particularly in the central nervous system, and subsequent intellectual performance in children.(4) Prenatal malnutrition influenced by inadequate maternal diet during pregnancy can cause serious damage to the developing fetus' organs including the brain,(5) pancreas, liver, and blood vessels, which result in lifelong health problems.(6) Therefore, maternal malnutrition in pregnancy is perilous to the development and nourishment of fetus.(7)

ii. Impacts of Mother's Emotional State on the Fetus

The mother's emotional state is a significant factor that impacts upon the prenatal stage of development.(8) The mother and fetus have no neural connections between each other; therefore, maternal psychological functioning may be translated into physiological effects that impact the developing fetus.(9) Usually, the expectant [pregnant] mother experiences variation in her emotional conditions,(10) which may include positive association with producing a child, optimism and hope about becoming a parent, as well as negative mood swings which may result in crying and/ or depression.(11) A range of studies have shown that a mother's emotional state may affect the level of birth complications and low birth weight. Prenatal problems including poor environmental factors seem to produce long-term negative effects in children.(12) The emotional state of the mother during pregnancy can influence the fetus and birth. Such states may range from

---

(1) Jeffrey Trawick-Smith, *Early Childhood Development: A Multicultural Perspective,* 5th ed. (New Jersey: Pearson, 2010), p. 75.

(2) Peter K. Smith, Helen Cowie and Mark Blades, *Understanding Children's Development,* 4th ed (Oxford: Blackwell Publishing, 1988), p. 69.

(3) Helen Bee, *The Developing Child,* 8th ed. (New york: Longman Inc., 1997), pp. 56–58, 63.

(4) Morgan P. J., et al., "Prenatal Malnutrition and Development of the Brain," *Neuroscience and Behavioral Reviews* 1, (1993): pp. 91–128.

(5) Berk, *Development Through the Lifespan,* p. 92.

(6) Barker D. J., "Human Growth and Cardiovascular Disease," Nestlé Nutrition Workshop Series 61 (2008): pp. 21–38.

(7) Lamb, et al., *Development in Infancy*, p. 105.

(8) Bee, *The Developing Child*, pp. 53, 62.

(9) Encyclopedia of Infant and Early Childhood Development, ed. Marshall M. Haith and Janette B. Benson, (London: Academic Press, 2008), 2/604–614.

(10) Beeber, L., "The Pinks and the Blues: Symptoms of Chronic Depression in Mothers during their Children's First Year," in *Children,* Santrock, p. 114.

(11) Santrock, *Children*, p. 114.

(12) Bee, *The Developing Child*, pp. 53, 62.

Asmā' bint 'Umays reported that the Messenger of Allah (peace be upon him) said to her: "Should I not teach you phrases that you may say at times of distress or during distress?

((اللهُ اللهُ رَبِّي لاَ أُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا))[١]

"Allah, Allah! He is my Lord; I do not associate any partners with Him."

Factors Affecting Prenatal Development from a Contemporary Psychology Perspective

This section provides an overview of theoretical and empirical psychological studies and research addressing the factors affecting prenatal development. Contemporary Psychologists have listed a number of factors influencing the physical and psychological development at the prenatal period that may serve to influence the developing child during the prenatal period. The following section highlights the interplay of these factors within the framework of theoretical and empirical research of psychology.

i. Impacts of Maternal Nutrition and Diet on Fetus

A developing fetus receives nutrition from the mother's blood and is fully dependent on it.[2] Maternal diet affects the developing fetus.[3] Many studies indicate that adequate maternal food consumption has a significant impact on the health of newborn babies.[4] For unborn children, the mother is the sole and vital source of balanced nutrition consisting of proteins, fats, carbohydrates, minerals, and vitamins for the developing fetus.[5] For a healthy woman, a well-balanced diet is needed, given that physical and neural growth and development of the fetus is maintained through the mother's food consumption.[6] Conversely, a malnourished mother will generally give birth to a malnourished baby given that the developing fetus

(1) Ibid, 2/219. Hāfiz Zubayr 'Alī Zay said: [This Hadīth is] *Hasan*.
(2) Matthews, F., Youngman L., and Neil A., "Maternal Circulating Nutrient Concentrations in Pregnancy: Implications for Birth and Placental Weights of Term Infants," in *Children,* John W. Santrock, 8th ed. (Boston: McGraw Hill, 2005), p. 129; Schaffer, *Introducing Child Psychology,* p. 58.
(3) Michael E. Lamb, Marc H. Bornstein and Douglas M. Teti, *Development in Infancy: An Introduction*, 4th ed. (New Jersey: Lawrence Erlbaum Associates, Publishers, 2002), p. 105.
(4) Laura E. Berk, Development Through the Lifespan, 16th ed. (Boston: Pearson, 2014), p. 92.
(5) Robert V. Kail and Rita Wicks-Nelson, *Developmental Psychology*, 5th ed. (New Jersey: Prentice Hall, 1990), p. 53.
(6) Danuta Bukatko, and Marvin W. Daehler, *Child Development: A Thematic Approach,* 5th ed. (Boston MA: Houghton Mifflin Company, 2004), p. 142.

Abu Hurairah reported that the Messenger of Allah (peace be upon him) said: "He who ruins a woman for her husband, or a slave for his master, is not of us."[1]

ix. The Supplication (Du'ā') Therapy for a Pregnant Woman

The Arabic word *'Du'ā'* is translated as prayer, supplication and invocation.[2] Islamic supplications connect humankind to Allah Almighty to seek His divine help in all matters of life. The *Sunnah* recommends Muslims (male and female) reciting the supplications for the safety and protection from all mental and physical sicknesses. During pregnancy, a woman undergoes psychological and physical changes, which may lead her to suffer from different negative thoughts, emotional swings, and physical problems. Through supplications by creating a strong bond and firm belief in Allah Almighty, a pregnant woman can secure herself from all psychological disturbances and physical problems, which may influence the fetus health in the womb. The Prophet (peace be upon him) used to recite the supplications during day and night time particularly after *Fajr* and *Maghreb* prayers.[3] Some specific supplications to deal with the distress situations in general and during pregnancy in particular are mentioned below:

((لاَ إِلَهَ إِلاَّ اللَّهُ الْعَظِيمُ الْحَلِيمُ، لاَ إِلَهَ إِلاَّ اللَّهُ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ، لاَ إِلَهَ إِلاَّ اللَّهُ رَبُّ السَّمَوَاتِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيمِ)) [٤]

"None has the right to be worshipped but Allah, the Majestic, the Most Forbearing. None has the right to be worshipped but Allah, the Lord of the heavens and the earth, and the Lord of the Tremendous Throne."

((اللَّهُمَّ رَحْمَتَكَ أَرْجُو فَلاَ تَكِلْنِي إِلَى نَفْسِى طَرْفَةَ عَيْنٍ وَأَصْلِحْ لِى شَأْنِى كُلَّهُ لاَ إِلَهَ إِلاَّ أَنْتَ))[٥]

"O Allah, for Your mercy I hope, so do not abandon me to myself for an instant. Set all my affairs straight, there is none worthy of worship but You."

---

(1) Abū Dāwūd, *Suanan Abi Dāwūd,* 3/19. Hāfiz Zubayr 'Alī Zay said: [Hadīth is] *Hasan.*

(2) Rūhī Ba'lbakkī. *al-Mawrid (Qāmūs),* p. 543.

(3) These supplications can be recited and memorized from the book *Ḥiṣn Al-Muslim* compiled and referenced by Sa'īd Ibn 'Ali *al-Qaḥṭāni* and published by Dār al-Ishā'at Karachi Pakistan. This book can also be obtained through play store in android mobile phone. *Author*

(4) Bukhārī, *Ṣaḥīḥ al-Bukhārī,* 8/199.

(5) Abū Dāwūd, *Suanan Abi Dāwūd,* 5/406. Shaykh Nāsiruddīn Albānī said: *The Chain is Hasan.*

> *Abu Sa'īd reported: The women requested the Prophet (peace be upon him), "Please fix a day for us (to preach). "So the Prophet (S.W.A) preached them and said, "A woman whose three children died would be screened from the (Hell) Fire by them, "Hearing that, a woman asked, and "If two died?" The Prophet (S.W.A) replied, "Even two would screen her from the (Hell) Fire."*(1)

viii. Divorce and its impacts on Prenatal Stage

Divorce not only breaches the family bond but also disturbs the children upbringing and rearing practices. Although, the *Sunnah* allows divorce during pregnancy, however, the eminent religious scholars dislike divorce of a pregnant woman in order to provide secure and safe birth. Generally speaking, the *Sunnah* highly stresses the issue of divorce for the safety of marriage bond between husband and wife. For example, the Prophet (peace be upon him) highlights the severity of doing divorce as:

> *Abdullah bin Umar reported that the Messenger of Allah (S.W.A) said: "The most hated of permissible things to Allah is divorce."*(2)

Similarly, the *Sunnah* does not allow divorcing woman even in a joke.

> *Abu Hurairah reported that the Messenger of Allah (S.AW) said: "Three things, when done in earnest are counted as earnest, and when done in jest, are also counted as earnest: Marriage, divorce, and taking (a divorcee) back."*(3)

Furthermore, the *Sunnah* does not allow a woman to demand divorce, when it is not absolutely needed.

> *Ibn Abbas narrated that the Prophet (S.W.A) said: "No woman asks for divorce when it is not absolutely necessary, hut she will never smell the fragrance of paradise, although its fragrance can be detected from a distance of forty years travel."*(4)

Moreover, the Prophet (S.W.A) does not recognize the indiviDu'ā'l among his *Ummah* [not a true follower of Islam], who causes misunderstanding between husband and wife that leads to a divorce.

---

(1) Bukhārī, *Ṣaḥīḥ al-Bukhārī,* 2/202.
(2) Ibn Mājah, *Sunan Ibn Mājah,* 3/154. Hāfiz Zubayr 'Alī Zay said: [This Hadīth is] *Ṣahih.*
(3) Abū Dāwūd, *Suanan Abi Dāwūd,* 3/29. Hāfiz Zubayr 'Alī Zay said: [Hadīth is] *Hasan.*
(4) Ibn Mājah, *Sunan Ibn Mājah,* 3/175. Hāfiz Zubayr 'Alī Zay said: [Hadīth is] *Hasan.*

> *causes intoxication in large amounts, a small amount of it is (also) unlawful."*[(1)]

The use of *khamr*[(2)] as a remedy from a disease is prohibited in a tradition:

> *Wā'il Al-Ḥaḍramī, reported that Tariq bin Suwaid Al-Ju'fī asked the Prophet (peace be upon him) about Khamr, and he forbade him or expressed his disapproval of his making it. He said: "I only make it as a remedy." He said: "It is not a remedy, but it is a disease."*[(3)]

This shows that intoxicants, even in small amount, have evil effects on health, particularly in case of a pregnant woman whose fetus is totally dependent upon her for feeding. In a tradition, Abu Dardā' mentions:

> *"My close friend (peace be upon him) advised me: 'Do not drink wine for it is the key to all evils.'"*[(4)]

vii. Strategies for the Psychological Health of Mother and Fetus

Despite the instructions for a family care, the *Sunnah* addresses the issues of psychological health of a pregnant woman and eventually the fetus. For example, a tradition protects the psychological health of a pregnant woman in case of miscarriage by mentioning the reward as:

> *Mu'ādh bin Jabal reported that the Prophet (peace be upon him) said: "By the One in Whose Hand is my soul! The Miscarried fetus will drag his mother by his umbilical cord to Paradise, if she sought reward (for her loss)."*[(5)]

Likewise, to remove the fear of death during pregnancy, the *Sunnah* dignifies a woman's death among martyr as mentioned in a tradition: "*and the woman who dies in pregnancy is a martyr.*"[(6)]

The *Sunnah* also protects the psychological health of a woman in case of her child's death by explaining its reward as:

---

(1) Ibn Mājah, *Sunan Ibn Mājah,* 4/386–87. Hāfiz Zubayr 'Alī Zay said: The chain of this [Hadīth] is *Ṣahih.*

(2) The Arabic word *khamr* (خمر) means to veil, cover; to hide, conceal. It is also used for wine; liquor, alcoholic beverage, and drink, intoxicant, inebriant, booze; alcohol, and spirits. Rohi Baalbaki, *al-Mawrid (Qāmūs): A Modern English Arabic Dictionary,* 7th ed. (Beirut: Dar Al-'Ilm Lil-Malayīn, 1995), p. 523.

(3) Muslim, *Ṣaḥīḥ Muslim,* 5/329.

(4) Ibn Mājah, *Sunan Ibn Mājah,* 4/377. Hāfiz Zubayr 'Alī Zay said: The chain of this [Hadīth] is *Hasan.*

(5) Ibid, 2/451. Nāsiruddīn Albānī said: [This Hadīth is] *Hasan.* Sunan Ibn Mājah, (Beirut: Darul Fikr, n.d.), 1/513.

(6) An-Nasā'i, *Sunan An-Nasā'i,* 3/31–32. Hāfiz Zubayr 'Alī Zay said: The chain of this [Hadīth] is *Ṣahih.*

". . . the man is a guardian of his family and responsible for his charges . . .,"[1] *"The best of you is the one who is best to his wife . . .,"*[2] *"I enjoin good treatment of women . . . And their [women's] rights over you are that you treat them well in clothing them and feeding them,"*[3] *"Treat women nicely,"*[4] and *"And I command you to take care of the women in a good manner."*[5] Similarly, the Prophet (S.W.A) commands a Muslim wife as: *"a woman is a guardian of her husband's house and responsible for her charges . . . ,"*[6] and *"Any woman who dies when her husband is pleased with her, will enter Paradise."*[7] *"The Messenger Messenger of Allah (S.W.A) never beat any of his servants or wives and his hand never hit anything."*[8] Therefore, Muslim husband and wife can provide the best foundations to the home environment by controlling domestic violence and avoidance behavior, so that social relations can remain in harmony with the harmonious concord between husband and wife, which eventually leads towards the best care of the fetus/child.

vi. Prohibition of Intoxicants and its relevance to the Mother-Fetus Safety

The *Sunnah* prohibits the intoxicants like alcohol, opium, cocaine, marijuana, and heroin for Muslims and considers them in unlawful things. Therefore, a pregnant woman should not use the intoxicants as these have harmful effects on her and her fetus. The *Sunnah* counts intoxicants in unlawful things as mentioned in a tradition:

> *Ibn Umar reported that the Messenger of Allah (peace be upon him) said: "Every intoxicant is Khamr and every intoxicant is Ḥarām [unlawful].*[9]

In another tradition, even small amount of intoxicants is prohibited:

> *Abdullah bin Umar reported that the Messenger of Allah (peace be upon him) said: "Every intoxicant is unlawful and whatever*

(1) Ibid, 3/420.
(2) Ibn Mājah, *Sunan Ibn Mājah,* 3/131. Hāfiz Zubayr 'Alī Zay said: [This Hadīth is] *Hasan.*
(3) At-Tirmidhī, *Jāmi' Al-Tirmidhī,* 2/531. Hafiz Zubair 'Ali Za'ī said: [This Hadīth is] *Ṣaḥīḥ.*
(4) Bukhārī, *Ṣaḥīḥ al-Bukhārī,* 4/329.
(5) Ibid, 7/81.
(6) Ibid, 3/420.
(7) Ibn Mājah, *Sunan Ibn Mājah,* 3/64. Hāfiz Zubayr 'Alī Zay said: [This Hadīth is] *Hasan.*
(8) Ibid, 3/134. Hāfiz Zubayr 'Alī Zay said: [This Hadīth is] *Ṣahih.*
(9) Muslim, *Ṣaḥīḥ Muslim,* 5/353.

The *Sunnah* describes the impact of heredity on the physical traits such as color, shape, and body structure of a child. For example, a tradition illustrates the physical impact of heredity at prenatal stage by mentioning the resemblance of a child with parent as:

> *Anas said: "The Messenger of Allah said: 'The man's water is thick and white, and the woman's water is thin and yellow. Whichever of them comes first, the child will resemble (that parent).'"*(1)

This refers to a man and woman's seminal fluid, and whose fluid discharges first or becomes dominant and more in volume, the child will get resemblance of disposition and gender to that parent (father or mother).(2)

Similarly, a tradition explains the resemblance of a child with his/ her paternal and maternal relatives as:

> *". . . If her [woman] water prevails over that of the man, then the child will resemble his maternal uncles, and if the man's water prevails over hers, then he will resemble his paternal uncles."*(3)

In addition, another tradition presents the practical example of transferring physical characteristics from the parent to the child, whereby a man complained about the black color of his boy, and the Prophet (peace be upon him) said:

> *"May be your latest son has this color because of heredity."*(4)

v. Home Environment and its Impacts on Pregnant Woman

The *Sunnah* addresses the family life in such a way that promotes and strengthens a healthy and prosperous and caring home environment for the development of children personality. There are a number of factors that may influence the family environment including spouses' personality, religious beliefs, character, communication ways, language style, etiquettes, mutual respect, economic conditions, and domestic violence. The *Sunnah* affirms the protection of husband and wife through their certain qualities: i.e., mutual responsibilities and rights, religiousness, righteousness, piousness, nice speech, Islamic etiquettes and morals, respectful and lovely behavior to deal with all matters of family life including the fetus care. For instance, the Prophet (peace be upon him) commands a Muslim husband as:

---

(1) An-Nasā'ī, *Sunan An-Nasā'ī,* 1/135. Hāfiz Zubayr 'Alī Zay said: The chain of this [Hadīth] is *Ṣahih.*

(2) Muḥammad bin 'Ali, al-Lu'luwī, *Zakhīrat al-'uqbā Fī Sharh al-Mujtabā,* 1st ed. (Riyāḍ: Dār al-Mirāj al-Duwlia, 1996), 4/210.

(3) Muslim, *Ṣaḥīḥ Muslim,* 1/429. See also: Bukhārī, *Ṣaḥīḥ al-Bukhārī,* 6/171–72.

(4) Bukhārī, *Ṣaḥīḥ al-Bukhārī,* 7/149–50.

> *deeds. Verily, I am Well-Acquainted with what you do,"*[1] *and He [Allah] says: O you who believe! Eat of the lawful things that we have provided you with . . .*[2]*, then he mentioned a man, who has undertaken a lengthy journey and is disheveled and dusty, raising his hands towards heaven and saying: O Lord, O Lord! But his food is unlawful, his drink is unlawful, his clothing is unlawful, and he is nourished with what is unlawful, so how can he receive a response?"*[3]

This tradition reveals the importance of eating lawful things; therefore, a pregnant woman should take care of her diet as it directly influences her child's health in the womb. Furthermore, the verse of Holy Qur'an gives a wonderful principle of eating and drinking by stating:

> *"Eat and drink but waste not by extravagance."*[4]

The Prophet (peace be upon him) also recommends Muslims to be moderate in their eating and drinking without extravagance and conceit:

> *"Eat, drink, wear clothes and give alms without extravagance and without conceit."*[5]

This tradition gives a general principle that is also beneficial for a pregnant woman, as her balanced diet will offer better nutrition to her fetus.

Moreover, the *Sunnah,* apart from the general exemptions for women,[6] defers her mandatory fasting to secure the physical health of mother and her fetus as mentioned:

> "*Allah has waived half of the prayer and fasting for the traveler, and from pregnant and breastfeeding woman."*[7]

This shows that He [Allah] has waived half of the prayer from the traveler for relief, and has waived fasting from the pregnant and breastfeeding woman because of her child.[8]

iv. Impact of Heredity on the Prenatal Stage

---

(1) Sūrah Al-Mu'minūn: 23/51.
(2) Sūrah Al-Baqarah: 2/172.
(3) Muslim, *Ṣaḥīḥ Muslim,* 3/59.
(4) Sūrah Al-A'rāf: 7/31.
(5) Bukhārī, *Ṣaḥīḥ al-Bukhārī,* 7/373. Also see: Ibn Mājah, *Sunan Ibn Mājah,* 4/493. Shaykh Albānī said: [This Hadīth is] *Hasan*. Ṣaḥīḥ Ibn Mājah, 2/283.
(6) For example, women are given exemption of prayer and fasting during menses period, and similarly after the birth of baby for forty days. *Author*
(7) Al-Nasā'ī, *Sunan Al-Nasā'ī,* translated by Nasiruddin al-Khattab (Riyāḍ: Dārussalām, 2007), 3/238. Hāfiz Zubayr 'Alī Zay said: [This Hadīth is] *Hasan*.
(8) Mahmoud bin Ahmad, Badr Al-Dīn, Al-'Aynī, *Nukhabat Al-Afkār Fī Tanqīḥ Mabanī al-Akhbār Fī Sharh M'ānī al-Āthār,* 1st ed. (Qatar: Wazārat al-Awqāf Wa al-Shu'ūn al-Islamiyah, 2008), 6/379.

and mother during intimate relationships,[(1)] as well as he will not harm the child physically and psychologically.[(2)]

ii. Characteristics/ Qualities of the Parent (Husband and Wife) and its Impacts on Prenatal Development

The *Sunnah* strongly emphasizes the characteristics of religion and character while looking for a man and woman for an Islamic marriage. A tradition clearly mentions the impacts of neglecting a religious man having best character in the form of turmoil (*Fitnah*) and discord (*Fasād*) in the society.[(3)] Similarly, a tradition highlights the influences of neglecting a religious woman as: "take possession of (marrying) the religious woman (otherwise) you will be a loser"[(4)] and "a pious wife that helps you in your worldly and religious affairs is better than what people have accumulated".[(5)] Therefore, the husband and wife having religious and pious pious personality can provide sound foundations to a family life for the development of children. Consequently, Muslim husband and wife can provide the best possible foundations to a happy and joyful family life, which in turn leads towards the care of their fetus. On the other hand, they may affect the physical and psychological health of the fetus by neglecting their mutual responsibilities and rights.

iii. Maternal Diet and its impact on the Fetus

During pregnancy, a woman's physical health is an important factor to effect the development and growth of a fetus. A pregnant woman can affect her fetus in two ways; by eating unlawful things as well as by unbalanced diet. The *Sunnah,* in general, recommends Muslims (men and women) lawful food and prohibits unlawful food. Besides, Allah Almighty does not accept the worship of the indiviDu'ā'l, who nourishes oneself with unlawful things.

> *Abu Hurairah said: "The Messenger of Allah (peace be upon him) said: . . . Allah has enjoined upon the believers that which He has enjoined upon the Messengers. He [Allah] says: O (you) Messengers! Eat of the Tayyibāt [the lawful] and do righteous*

---

(1) Abdul Rahmān bin Abī Bakr, Jalāl al-Dīn, al-Suyūṭī, *al-Tas'hīh Sharh al-Jāmi' al-Ṣaḥīḥ* (Riyāḍ: Maktabah al-Rushd, 1998), 1/310.

(2) Humza Muḥammad, *Manār al-Qārī Sharh Mukhtaṣar Ṣaḥīḥ al-Bukhārī*, 5/118.

(3) See Al-Tirmidhī, Muḥammad Ibn 'Īsā, *Jāmi' Al-Tirmidhī,* translated by Abu Khalīl (Riyāḍ: Dārussalām, 2007), 2/455. Shaykh Albānī said: [This Hadīth is] *Hasan*. Nasiruddin, al-Albānī, *Irwā'Al-Ghalīl* (Beirut: Al-Maktab Al-Islāmī, 1985), 6/266.

(4) Bukhārī, *Ṣaḥīḥ al-Bukhārī,* 7/32–33.

(5) Al-Bayhqī, Ahmad bin Al-Husayn, *Sha'ab Al-Īmān,* (Riyāḍ: Maktabah Al-Rushd, 2003), 6/247. Shaykh Albanī said: [This Hadīth is] *Ṣahih*. *Ṣaḥīḥ al-Jami'*, (Damascus: al-Maktab al-Islamī, 2010), 2/812.

((بَارَكَ اللَّهُ لَكَ وَبَارَكَ عَلَيْكَ وَجَمَعَ بَيْنَكُمَا فِي خَيْرٍ)) (1)

"May Allah bless you, and (shower) His blessings upon you, and combine you together in good.'"

Another tradition mentions the words:

((بَارَكَ اللَّهُ لَكُمْ وَبَارَكَ عَلَيْكُمْ وَجَمَعَ بَيْنَكُمَا فِي خَيْرٍ)) (2)

"May Allah bless you [both], and (shower) His blessings upon you, and combine you together in good."

The supplication includes all good that can be obtained through it [marriage], whether the children or anything else. This supplication is the way [*Sunnah*] of the Messenger of Allah (peace be upon him) that contains goodness and blessing [for a marriage]. (3)

Furthermore, the Prophet (peace be upon him) commands a Muslim husband to recite the supplication before having intimate relationships (sexual intercourse) with his wife in order to protect themselves and the child from *Satan*.

Ibn 'Abbās reported that Allah's Messenger (peace be upon him) said: "If anyone of you, when intending to have a sexual relation with his wife, says:

((بِسْمِ اللَّهِ اللَّهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ، وَجَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا)) (4)

"In the Name of Allah, O Allah! Protect us from Satan and keep Satan away from what you will give us."

This shows that the Prophet (peace be upon him) motivates us to recite this blessed supplication before having intimate relationships to protect ourselves and our children from the harms of *Satan*.(5) There are different opinions [of scholars] about the harms [of *Satan*] including: He [*Satan*] will not become dominant upon him [child] because of the recitation of supplication, he will not harm his [child's] body, he will not convert his [child's] faith to infidelity, and he will not harm by joining his [child] father

(1) Abū Dāwūd, Sulaymān bin Ash'ath, *Sunan Abi Dāwūd,* translated by Yāsir Qāḍi (Riyāḍ: Dārussalām, 2008), 2/544. Hafiz Zubayr 'Alī Zay said: [This Hadīth is *Ṣaḥīḥ*].
(2) Ibn Mājah, Muḥammad bin Yazīd, *Sunan Ibn Mājah,* trans by Naṣīruddīn al-Khaṭṭāb (Riyāḍ: Dārussalām, 2007), 3/93. Hāfiz Zubayr 'Alī Zay said: [This Hadīth is] *Ṣaḥīḥ*.
(3) Abdul Mohsin al-'Abbād, *Sharh Sunan Abi Dāwūd,* (Riyāḍ: Maktabah Shāmilah, 2011), 12/95.
(4) Bukhārī, *Ṣaḥīḥ al-Bukhārī,* 9/298.
(5) Hamza Muḥammad Qasim, *Manār al-Qārī Sharh Mukhtaṣar Ṣaḥīḥ al-Bukhārī* (Damascus: Maktabah Dār al-Biyān, 1990), 5/117.

Introduction:

Marriage is a social and spiritual contract whereby a man and woman. This article underlines the factors affecting prenatal period from the perspectives of the *Sunnah* and contemporary psychology. Prenatal period begins with conception and ends at birth i.e. until nine months of pregnancy,(1) which sometimes lasts for six months.(2) The *Sunnah,* however, is considered unique in stating a child's developmental stages from conception to birth in the mother's womb as mentioned in tradition: a drop of semen, a clot, and a little lump of flesh.(3) Prenatal development is defined as, "all growth and elaboration of organic structures in a fetus that takes place from the moment of conception until birth."(4) The following section delineates the factors affecting the development during prenatal stage from the *Sunnah* and contemporary psychology realms.

Factors Affecting Prenatal Development from the *Sunnah* Perspective

Indeed, Islam sheds light on the importance of children even before birth and stresses on their complete care.(5) The *Sunnah* gives prime importance to the prenatal child care for a healthy and secure birth and describes a number of factors that can influence the prenatal development. The following discussion depicts common factors affecting the prenatal stage positively or negatively from the *Sunnah* perspective:

i. Prophetic Supplications for the Prenatal Child-Care

The *Sunnah* introduces the supplications related to the prenatal care of children. For example, the Prophet (peace be upon him) used to congratulate a newly-married person with the supplication of Allah's blessings and goodness in all matters of life including children.

> *"Abu Hurairah reported that the Prophet (peace be upon him) would say, when he wished to congratulate someone who got married:*

---

(1) Abdul Rahmān, Al-'Īswī, *Psychologia al-Tanshi'a al-Ejtimā'iyyah* (Al-Iskandria: Dār al-Fikr al-Jāmi'ī, 1984–85), p. 40.

(2) Mālik bin Anas, *al-Mu'aṭṭā* (Abu Ẓabī: Mu'assasat Zāyid bin Sulṭān, 2004), 4/1109–1110.

(3) Bukhārī, Muḥammad bin Ismā'īl, *Ṣaḥīḥ al-Bukhārī,* (Riyāḍ: Dārussalām, 2007), 1/217.

(4) *The Cambridge Dictionary of Psychology,* ed. David Matsumoto, (Cambridge: Cambridge University Press, 2009), p. 397.

(5) 'Aṭiyya bin Muḥammad, Sālim, *Sharḥ Bulūgh al-Marām,* (Riyāḍ: Maktabah Shāmila, n.d.), 136/ 9.

Factors Affecting Prenatal Development

(An Analysis from the *Sunnah* and Contemporary Psychology)

Muhammad Tahir*
Dr. Muhammad Tahir Khalily**

ABSTRACT

Recent investigations suggest that certain factors play an important role in the development of a child during prenatal period. This article aims to examine the factors affecting prenatal development, significantly, before and during pregnancy with respect to the development of a child's personality at later stages of life.

The *Sunnah* and contemporary psychology highlight a number of factors that may have direct or indirect impact on maternal and fetus health. The *Sunnah* explicitly discusses these factors from a religious and humanistic paradigm for maternal-child health and care during pregnancy. Conversely, contemporary psychologists examine such factors based on the investigations conducted during pregnancy. In order to provide a comprehensive overview of the issue, this research employs content analysis methodology to find out commonalities and differences between the authentic traditions (*Hadīths*) of the Prophet Muhammad (S.W.A) and contemporary psychological studies and research.

This study attempted to integrate the religious and psychological perspectives on mother-child healthcare strategies, therefore, is considered beneficial for humanity specifically for Muslim communities globally. Findings of this article suggest that physical, psychological, religious, and social factors may affect the mother and her fetus respectively from the *Sunnah* domain. On the other hand, psychological studies stresses physical, psychological, and social factors with no emphasize on religious aspects, which are key determinant to affect mother and her fetus during pregnancy. This endeavor also gives an extensive insight into the factors influencing the development at prenatal period from a mother-child care perspective, and hopefully, will serve humankind particularly Muslim parent to take care of their child during prenatal stage.

***Keywords*:** *Factors, prenatal, development, Sunnah, contemporary psychology.*

* PhD Scholar, Faculty of Usuluddin (Islamic Studies), International Islamic University, Islamabad, Pakistan, Visiting Scholar, Griffith University, Brisbane, Austr'Alia

** Professor, Chairman Department of Psychology, International Islamic University, Islamabad, Pakistan

Marriage is a serious and sensitive issue of our society; therefore, Islam gives right to man and woman to choose or select his/her life partner. This contract is a lifetime contract; therefore, the acceptance of the bride and groom is essential. Islam does not ignore the importance of parents too. But it does not mean that they are the only authority to decide on the fate and future of their children. Pakistani Law also prohibits the forced and other marriages which are illegal, inhuman and un-Islamic and allows a man and woman to choose his/her partner.

Rigid Attitude from both ends regarding marriage contract

In Pakistani Society, Parents consider themselves the sole authority to contract the marriages of their children. If sometime they enquire about the consent from the female, but need a positive response from her.[1] Sometimes parents show cruelty and selfishness for their children and want to bring such an obedient daughter (s) in law for their son (s), who can serve them like a servant whole day without complaining. Over here the parents ignore happiness and gladness of their offspring and do not think about their wishes. When the temperament or nature of the two persons will not match, resultantly, quarreling with each other will be started and love as well as harmony will be destroyed. It is such a big issue of Pakistani society, which directly affects the lives of the woman being considered like a weak entity. That is why; she affects more by this practice. This is a fact that it doesn't count in the realm of Islamic teachings. It is only a social and cultural practice, which is spreading the negative effects rapidly in public/people.

On the other hand, the young generation is also not taking care of the efforts and pains faced by the parents since their birth. They are becoming selfish but even egoistic related to their future. They consider themselves more intelligent and smart in camper to their parents and thus want to decide about their life partner themselves.

A Moderate Solution

It is clear that the Walī and female has the equal right of approval and consent related to marriage issue. When a Walī shows extremism in his authority, we see the result in kind of forced marriage, exchanged marriage, vannī marriage etc. But when he shows negligence in fulfilling his responsibilities, the result comes in shape of love marriages, eloped marriages, court marriages etc.

The simple solution in this situation is that "If there is a difference of opinion between Walī and girl, the Walī should convince her by explaining the ups and down of the life. In other case, he should marry her according to her own will". (2) There is a similar point of view by Allāma Anwar Shah Kashmīrī that Walī should be directed to get consent from female and female should be instructed to involve the Walī in her matter, so that female may not become a test for male and male may not be so strict on her.(3)

Conclusion:

(1) Hāfiza Shāhida Parvīn, 'Aṣrī masāil aur Islāmī ta'līmāt, Punjab University, Lahore, 2013, PP-145
(2) M. Iqbāl Kailānī, Nikāḥ kay masāil, Hadīth publications, Lahore, 1996, PP-25
(3) Allāma Anwar Shāh Kashmīrī, Faizul Bārī 'alaa Saḥīḥ Al- Bukhārī, Al-Majlis Al-'Ilmi, Cairo,1938, Vol: 2, PP- 287

maintain that an individual is permitted to deal with family matters autonomously especially associated with the issue of marriages. Parents or guardians usually use their authority as a Walī and make the decision of marrying their children without their consent through child marriage, exchange marriage, marriage with Holy Qur'ān or even by force. Exchange marriage is a custom structure that offers social protection of the society in a country which otherwise is incapable to offer such type of security to its public. That is why it finds support from the community. The exchange (Watta Satta) weddings are restricted to close relatives, i.e. cousins and similar caste and ethnicity in Pakistan. [(1)] The caste weddings, child marriages, consanguineous and forced marriages have not only been produced by this Watta Satta marriages, but it also the result of domestic violence and crimes of honor in the society. [(2)]

Similarly, Vannī is another cruel custom of marriage in Pakistan. Female even babies in their cradles are given at weddings as compensation for the offenses committed by their men folk. The term "Vannī" means to give the women in the wedding or exchange marriage to the aggrieved party to resolve the bloody dispute. [(3)]

The above mentioned approaches seems to increase that is causing unlimited problems among and for the society as Hafiza Shahida said that " The choice of female or male is not taken into account. Forced marriage, mismatched and dislike marriages are causing an increase in the stack of issues. [(4)]

The Prevention of Anti-Women Practices (Criminal Law Amendment Bill 2011) protects the women's right under Section 498B. It clearly states that the person who will force any woman to wed will be punished with imprisonment which will not be less than three years and will be liable to fine of 500,000 rupees. And the person who will force a woman for marrying with Holy Qur'ān will be punished with imprisonment that will not be less than three years and five 500,000 rupees. [5] The main purpose of the above mentioned law is to defy all these ruthless practices in the society.

---

(1) Muhammad Zamān, "Socio-cultural Security, Emotions and Exchange Marriages in an Agrarian Community", South Asia Research, Vol.28 (3), 2008

(2) Muhammad Zamān, Exchange Marriage System and Muslim Family Laws in Pakistan, Pakistan Journal of History and Culture, Vol. XXXIII, No. I, 2012, p:11

(3) Arshad Munīr and Ghulām 'Alī Khān, A Social Custom "Vannī": Introduction and Critical Analysis, AL-ADWA, 40:28, P: 37-44

(4) Hāfiza Shāhida Parvīn, 'Aṣrī masāil aur Islāmī ta'līmāt, Punjab University, Lahore, 2013, PP-70

(5) Navīda Norīn, Dr. Razia Musarrat, Protection of women rights through legal reforms in Pakistan, Journal of Public Administration and Governance ISSN 2161-7104 2013, Vol. 3, No. 4, P:130

Shaguftah was twenty-year-old girl and married the man she loved but the parents had disapproved it. She was gunned down by her brother when she was going to her job in a bus. (1) Murtaḍā Buro belong to Jam Colony of Hyderabad and had love marriage with Shāziya Jamālī in 2016. He was killed by unknown person on 10th of this November 2016 when he was going to school on Rickshaw to drop his kids. (2)

(ii) Eloped Marriage:

Eloped marriage is a practice rising rapidly in Pakistani culture. When a girl leaves her house suddenly with her lover without the consent of her parents and gets married, it is called elopement and such way is named as eloped marriage. It usually occurs as a result of arranged marriage or in disobedience to parents' dislike of a favored suitor. The recent incident happened in a village of Mānsehrah "Riyan Banda Oghi village" on 29th August 2016.

An official of Oghi police told *The Express Tribune* on Sunday that an 18-year-old daughter of Jan Muhammad went missing from her house. Police registered a case on the complaint of the orphan girl's guardian, Riyāz, who is also her cousin, against Amin and five others from the same village. However, on Saturday, the girl appeared before the court of the Oghi magistrate and said she was engaged to her relative Amin from early childhood, but her cousin Riyāz was determined to marry her to his younger brother. However, she was not ready for the union and thus left the house with Amin. (3)

(iii) Court Marriage:

Court marriage, also known as registered marriage, is a legal way of solemnizing a relationship. It takes place across different countries as per the marriage laws and legal procedures of that country. Opting for a court marriage is a growing trend among the Pakistani community. (4) It is usually considered a last choice for couples when they believe that their parents may not support of their plans to marry.

Customary Practices related to marriages and Pakistan

There is another tragedy that the customary practices are more powerful and effective than state laws in Pakistan. Therefore, it is hard to

---

(1) Hinā Jilānī, Relatives with blood on their hands, Published Sep 10, 2010, retrieved from http://www.dawn.com/news/561976 on 23/12/2016

(2) Monthly Juhd e Ḥaq, Published by HRCP, December 2016, PP-25

(3) The Express Tribune, September 5, 2016

(4) Paratham (2011). Court Marriage, retrieved from http://www.marriage.co.in/court-marriage.html on 17-12-2016

If we analyze the Pakistani society, this comes clear that the marriages are decided and rejected with the acceptance and rejection of the parents or guardians. This is not a condemnable rather a good manner of moral character, which shows the obedience of new generation before their parents or elders as taken with respect to them. This is also a sign of a good training, which is given by the parents or guardians to their children from the initial stage of their life. Islam also consider a Walī a sincere helper and protector who guard the integrity and prestige of spouse. (1) However, it must also be considered that Islam gives a right of liking and disliking to man and woman to choose or select his or her life partner. The bride and groom are the real persons in this marriage contract. That is why, their (bride and groom) consent and happiness is essential for their future. In many cases it has been noticed that the bride and groom was forced for marriage. This practice is very common in the rural areas of Sindh, Punjab, Baluchistan and Khayber Pakhtūnkhah, that the decision about marriages are taken by parents or elders and do not give any importance to the wish of their offspring wholly or partially. Female is the most victimized part of these unpleasant decisions. Mujāhid Al-Islam says very right that "Sadly, there is very less weight age of likeness and consent of female from society, sometime marriage is decided without the consent of female and even oppression by the Walī. It is a fact that the female has been deprived of from the Right to choose her life partner in our society especially in rural areas". (2) Resultantly, new generation adopts other ways i.e. court marriage, eloped marriage and love marriage etc., to achieve their wish and dream. Following are a little bit explanation of abovementioned nontraditional ways.

(i) Love Marriage:

Although arranged marriage is still the custom and practiced generally in sub-content (3) and love, liking and loving association before matrimony is not encouraged and the desire for a love-marriage often encounters strong displeasure from parents (4), love marriage is becoming a frequent occurrence now a day, mostly in urban areas. Family members usually resist and disapprove such type of marriages and sometime even kill the spouse.

---

(1) Sakrodhvi, Jamīl Ahmad, Ashraf Al-Hadāya, An explanation of Hidayah, Kitāb Al-Nikāḥ, Dār Al-Ishā'at, Karachi, 2009, pp. 49

(2) Mujhahid Al-Islam Qasimī, La̱rkay aur La̱rkiyu̱n kay Nikāh ka Ikhtiyār, Idarah Al-Qur'ān, Karachi, 1999, PP-5

(3) Mullatti, L. (1995). "Families in India: Beliefs and realities" *Comparative Family Studies,*vol. 26, no. 1, pp. 11-24

(4) Grover, S. (2009). "Lived experiences: Marriage, notion of love, and kinship support amongst poor women in Delhi" *Contributions to Indian Sociology,* vol. 43, no.1, pp. (1-33)

Nehis and Walter Eric has the opinion that Muhammad (S.W.A) had thirteen women [(1)], while Kenneth Boa described the number between 10 to 12 [(2)]. Similarly, J. J. Saunders put the number between ten or twelve. [(3)] However, It is clear that the Holy Prophet (S.W.A) had eleven wives and one concubine. [(4)]

The Holy Prophet (S.W.A) married Haḍrat Khadija Tul Kubra (May Allah be pleased with her) at the age of twenty-five years. This was his first marriage. It was Haḍrat Khadījah Al-Kubrā (May Allah be pleased with her) who sent the proposal herself by Haḍrat Nafīsah and Haḍrat Muhammad accepted it.[(5)] Haḍrat Sawdah Bint-e-Zam'ah (May Allah be pleased with her) was the second wife of the Holy Prophet and He (S.W.A) sent her the message for nikāḥ himself by someone.[(6)] Haḍrat Umm-e-Salmā Salmā (May Allah be pleased with her) narrated that The Holy Prophet (S.W.A) came and requested her for marriage. She replied that she was an old woman, a mother of the orphans and unable to accept his other wives. The Holy Prophet (S.W.A) however, convinced her and got her consent for marriage. [(7)] Haḍrat Juwayriyah (May Allah be pleased with her) was a captive and became the concubine of Thābit Bin Qays (RA). However, she made an agreement of freedom after a certain payment to her master. The Holy Prophet asked her that He was ready to pay the required amount for her freedom if she agreed to marry Him.

Haḍrat Juwayriyah (May Allah be pleased with her) accepted the offer and got married with The Holy Prophet (S.W.A). [(8)] In short, it is cleared that most of the marriages of The Holy Prophet (S.W.A) were conducted with the mutual agreement between the spouses. Islam does not allow coercion and compulsion in any way specifically in marriage; when two people start living together for the whole life.

Marriages in Pakistani Culture:

---

(1) Nehis, G. and Walter Eric, Reach *out: A Guide to Muslim Evangelism.* Life Challenge, Nairobi,1994, P:4

(2) Boa, Kenneth, *Cults, World Religions and You.* Victor Books, Chicago, 1986, P:51

(3) Saunders, J.J., *A History of Medieval Islam.* Routledge and Kegan Paul, London,1965, P:35

(4) see: Muhammad Salīm, Hafiz, Justification of the marriages of the Beloved Holy prophet, paper published in Pakistan Journal of Islamic Research Vol 9, 2012, P:1-20

(5) Muhammad bin Sād,Ṭabqāt ibn e Sa'd, translated by Mawlānā Rāghib Rāhmānī, Nafīs Academy, Karachi, 1987, Vol: 8,PP-31

(6) Ibid: PP-76

(7) Ibid: PP-121

(8) Abdul Rahmān Ibn Khaldūn, Tārīkh ibn e Khaldūn, translated by Hakīm Ahmad Husayn, Nafīs Academy, Karachi, 2003, Vol: 1, PP-175

Furthermore; Abdullāh Ibn 'Abbās (RA) states: "A virgin came to the Prophet (S.W.A) and mentioned that her father had married her against her will, so the Prophet (S.W.A) allowed her to exercise her choice". (1)

"Khansā' Bint Hizām Al Anṣariyyah (May Allah be pleased with her) states that her father married her off to someone forcefully whom she did not like. She took her case to the Holy Prophet (S.W.A) and upon listening to her; the Holy Prophet (S.W.A) rejected the marriage and declared the marriage as void". (2)

Once a young woman came to Bībī 'Ā'ishah (RA) and told that her father wedded her with his nephew while she disliked that nephew. Haḍrat 'Ā'ishah (RA) asked her that she should wait for the Holy Prophet (S.W.A). When Haḍrat Muhammad (S.W.A) came, she told him about her case. The Holy Prophet (S.W.A) allowed her to make a decision of the fate of her matrimony. The girl then replied that she upheld the decision of her father, but she only wanted to say that fathers have fewer powers in marrying their daughters". (3) This is explained from the above Qur'ānic verse and the sayings of our Holy Prophet (S.W.A) that the permission is necessary of divorcee, widow and virgin (unmarried) for the marriage contract in Islam. Even the father or guardians cannot force her against her wish.

In short, we can find many sayings and directions of the Holy Prophet

(S.W.A) on the subject matter. Given the importance of the need, Imām Al-Bukhārī has specified many chapters for the discussed subject i.e. "Force Marriage is not permitted", "when a daughter is wedded without her permission than her wedding is null and void" and "Father etc cannot wed his daughter (virgin or not) except with her approval". All above directions and practices explained that Islam has never seized the choice of will from women rather permission is obligatory". (4)

The Marriages of Holy Prophet (S.W.A):

There are differences of opinions among scholars as to the actual number of the Holy Prophet's (S.W.A) wives. Famous orientalist Gerhard

(1) Translation of Sunan Abi-Dāwūd, Marriage (Kitāb Al-Nikāḥ), Book 11, Number 2091
(2) Imām Bukhārī, Kitabun Nikah, Chapter, if a man gives his daughter in marriage while she is averse to it, then such marriage is invalid, No:5138
(3) Al-Nasā'ī, Ahmad bin Shu'ayb. Sunan Nassai, Kitāb Al-Talāq, Bāb mā jā'a fil khula'. Lahore: Makatabah Rahmāniya, 2004 , vol: 2, p. 77
(4) Niyāz Muhammad, Kūlsūm Bībī, Women's Consent in Marriage: A Critical Study in Islamic Perspective, paper published in Peshawar Islamicus, July-December 2012, University of Peshawar, Pakistan, p: 45-56

Prophet Mohammad (S.W.A) said,

> *"The widow and the divorced woman shall not be married until her order is obtained, and the virgin girl shall not be married until her permission is obtained"*(1)*. Similarly, "the Holy Prophet (S.W.A), forbids to force a virgin lady into matrimony without her consent, whether it be her father or someone else. Moreover, Bībī 'Ā'ishah (RA) narrated that she questioned the Prophet (S.W.A) "In the case of a young girl whose parents marry her, should her permission be sought or not?" He responded, "Yes, she must give her permission." She again requested, "But a virgin will be shy, O Allah's Messenger." He replied: "Her silence is [considered as] her permission".* (2)

And "Haḍrat Abu Hurayrah (RA) states:

> *"That the Prophet (S.W.A) said: "No previously-married woman should be married off without being consulted, and no virgin should be married off without asking her permission." They said: "O Messenger of Allah, what is her permission?" He said: "If she remains silent".* (3)

Similarly "Abdullāh Ibn 'Abbās (RA) narrates that the Holy Prophet (S.W.A) said that if a woman wants to marry and is already a divorcee or a widow, her right of free consent and free choice is superior then the right of her guardian. If she has not previously been married and this is her first marriage, even then her parents or other guardians cannot enforce their choice on her. They are not allowed to force her to marry any one against her free choice and free consent". (4)

More is defined in the words of "Haḍrat Abu Hurayrah (RA), as, he narrates:

> *"The Prophet (S.W.A) said: An orphan virgin girl should be consulted about herself; if she says nothing that indicates her permission, but if she refuses, the authority of the guardian cannot be exercised against her will".*(5)

---

(1) Al-Bukhārī, Kitāb Al-Nikāḥ, Chapter: The father or the guardian cannot give a virgin or matron in marriage without her consent, No:5136

(2) Muslim, The Book of Marriage, Chapter: Seeking Consent of Al-Thayyibin Marriage in Words and of a virgin in (Meaningful) silence, No: 3306

(3) Muslim, The Book of Marriage (Kitāb Al-Nikāḥ), Book 008, No 3303 and Al-Bukhārī, 4843

(4) Al-Muslim, Book of Marriage, Chapter: Seeking Consent of Al-Thayyibin Marriage in Words and of a virgin in (Meaningful) silence, No: 3308

(5) Abū Dāwūd, Sunan Abi-Dāwūd, Marriage (Kitāb Al-Nikāḥ), Book 11, No 2088

In a Muslim and especially in Pakistani Community, a father, grandfather or uncle is the one who contract the marriage of a woman on her behalf. It is called Walī in Islamic Sharia. "Walī" is an Arabic word having meanings of "curator" "custodian", "helper", "protector", and "supporter". It can refer to someone who has "Wilayah" (authority or guardianship) over somebody else. (1) Traditional Muslim jurisprudence requires a guardian for an unmarried female who has not reached at the age of maturity (2) as a protecting measure of her who may be swept by their sentiments. They presented some Ahādīth in which Holy Prophet said that no marriage is valid without the Walī.(3) However, Hanafīs say that the female has the equal rights to make the agreement of his own marriage and there is no need of a Walī for the purpose.(4) They also have the proof from Hadīth(s) in which Holy Prophet directed not to marry any female without her approval or consent.(5) This is why Sahib e Hidāyah stated that the marriage of a free, sensible and mature woman either virgin or previously married is valid without the Walī.(6) Although, the Pakistani woman has the right to decide her marriage without a guardian as stated in the law

> *"Consent of Walī is not required and a Muslim female can enter a valid Nikaḥ/Marriage by her own free will"* (7)

But it is not being practiced usually and commonly.

Islam doesn't appreciate pressuring in any aspect of life, even in the affair of marriage. Islam emphasizes to know the willingness of man and woman to choose his/her life partner and, therefore, disallows the forced marriage. The Muslim woman has the right of refusal and acceptance of the proposal of marriage, even against her parents' will.

Allah says in the Qur'ān:

> *"O you who have believed, it is not lawful for you to inherit women by compulsion"*. (8)

---

(1) Hans Wehr, Dictionary of Modern Written Arabic: Arabic-English, edited by J.M Cowan, 4th Revised Edition, Otto Harrassowitz, Germany,1994, pp-1289
(2) Abdul Rahmān Al-Jazīrī, Kitāb Al-Fiqh 'Alā Al-Madhāhib Al-Arba'ah.
(3) Ahmad bin Hambal, Al-Musnad, Mu'assasat Al-Qurṭabah, Cairo, Egypt, Hadīs No: 2260
(4) Al-Ḥibrī, 'Azīzah. "Islam, Law and Custom: Redefining Muslim Women's Rights." American University International Law Review 12, no. 1 (1997): 1-44.
(5) Al-Dārmī, Abu Muhammad Abdullah, Sunan Al-Dārmī, Chapter, Nikāḥ, Shabbīr brothers, Lahore, 2008, Hadīs No: 2222 to 2227
(6) Sakrodhvi, Jamīl Ahmad, Ashraf Al-Hidāyah, An explanation of Hidāyah, Kitab Al-Nikāḥ, Dār Al-Ishā't, Karachi, 2009, pp. 49
(7) Rāshida Muhammad Husayn Patel , Family Laws and Judicial Perceptions
(8) Al-Qur'ān, 4:19

simultaneously. Upon pregnancy and delivering a child, she passed some days and then she would ask all of them to come to her. Upon her call, none of them would refuse to come. When they all assembled before her, she used to say to them, "You (all) know what you have done, and now I have given birth to a child. So, it is your child O so-and-so!" Naming whoever she liked, and her child would be attributed to him and he could not deny him.

Kind No. 4. The fourth form of marriage was that numerous people would involve in a sexual relationship with a woman and she had no right to reject anyone who came to her. Those were famous as prostitutes who used to fix banners at their doors as a sign [that they are prostitutes], and he who would wish, could have sexual intercourse with them. If any one of them got pregnant and delivered a child, then all those men would be gathered for her and they would call the *Qā'if* (some person skilled in recognizing the likeness of a child to his father) to them and would let the child be attributed to the man (whom they recognized as his father) and she would let him adhere to him and be called his son. The man would not refuse all that". (1)

Although the atmosphere was on the whole not favorable for women in the pre Islamic era, but even then we can see many cases where the girl had been consulted in choosing the groom even in that period. The history tells that when Hārith bin 'Awf solicited a father for his consent to get married one of his three daughters, the two senior ones rejected to wed him, but the "Buhaytha" the youngest daughter agreed to accept 'Awf as a husband. (2) Similarly, there is a proof of consent and consultation in the story of a famous poetess Al-Khansā' regarding her marriage. Her father consulted her regarding her wedding to Durayd bin al-Ṣimmah. Likewise, when Abu Sufyān and Suhayl ibn 'Amr sent a proposal for marrying Hind Binte 'Utbah, her father gave her the right to choose her husband, so she preferred Abu Sufyān and she married him. (3)

Islamic Marriage and its Importance:

The Holy Prophet (S.W.A) eradicated all the types of marriages, which were immoral and observed in pagan Arab except the type of marriage, which is present today and fulfills all the conditions and pillars of Islamic marriage.

---

(1) Al-Bukhārī, Kitāb Al-Nikāḥ, Chapter: Whoever said, "A marriage is not valid except through the Walī." No:5133
(2) Levy, Reubenq, The Social Structure of Islam, Cambridge University Press, Cambridge, 1957, p:93
(3) Al-Hūfī, Ahmad: Al-mar'ah fil-Shi'r al-Jahiliyy, Dār Al- Nahḍat, Miṣr, Cairo, p:184

stepmother, or in another case, the stepson had sexual relation with his stepmother without marriage. A similar situation was present in the entire world. The humanity was being exploded. The great early philosophers in all their magnificence and intellectual fame even motivated the misery of women. Plato believed and taught that if there is a bad man in the world, he would come back as the women in his second life. (1) Aristotle says that women are maimed men. (2) The woman's condition was very pathetic and she was treated in an extremely painful way. It was the Holy Prophet Haḍrat Muhammad's social reforms that ceased such horrible immoral practices. (3)

Marriage in the Days of Ignorance:

In the overview of history, there were many evils in pre- Islamic Arabia. Such as the wrong concept of marriage, the status of woman was no more than asset for a man, she was bought and sold and was treated like a slave or a property, and her existence was considered dishonorable. The moral evils were common in the Arab society, due to which the Arab society was being increasingly sunk in the swamp.

Haḍrat 'Ā'ishah (May Allah be pleased with her) elucidated this matter in the Hadith reported by Al-Bukhaari narrated by 'Urwah Ibn Al-Zubayr (RA), Haḍrat 'Ā'ishah (RA) narrated him that there were four kinds of marriages in the days of ignorance which are followers:

Kind No. 1. This is matched to the Islamic way, which is present today. A man would request the hand of a lady from her guardian, or her father, or her brother. After accepting the message, the Mahr (dower) would settle and then the marriage would hold (after adopting all other procedures).

Kind No. 2. In this kind a man will give permission to his wife after the bath of period (menses) to visit so and so and keep sexual relation with that visited person. During this relationship, the husband would keep away himself from her and will never have sexual intercourse with her until pregnancy appeared from the other man with whom she had been asked for sexual intercourse. When she conceived from that man, then she came back to her husband and he (husband) would have sexual intercourse with her if he wished. The purpose of this function was bearing an intelligent and beautiful baby. Such a marriage was called as Al-Istibdā'.

Kind No. 3. In this kind of marriage a woman used to sleep with a group of ten people. Each one would have sexual relation with her

(1) Plato, Timaeus: Leob Classical Library. (Trans.) R. G. Bury. Heinemann, London, 1929 P:91
(2) Aristotle, the Generation of Animals. Leob Classical Library, 1943, P:175
(3) Carmody, Denis L. and John Carmody, the Story of World Religions. Mountain view, Mayfield, California, 1988, p:251

Introduction:

Marriage is a social and spiritual contract whereby a man and woman are made life partner by religious and legal commitment for whole life. It is an Islamic procedure to secure the Muslims, especially from sins and evil acts. Marriage has a very important role in the life of human beings, due to which two families get closer. This is not only confluence of two bodies and two souls, which make a family, but this is the formation of the society subsequently. The Islamic intellectual therefore always expressed and favored a married life in performing extra obligatory actions. (1)

The Holy Qur'ān says:

"And marry the unmarried among you and the righteous among your male slaves and female slaves". (2)

The Holy Prophet (S.W.A) advised the youth:

"O' class of youth, who of you have potential (to carry the burden) of marriage, he should marry". (3)

Satisfaction and acceptance are, however, necessary for this contract by the both partners i.e. the bride and the groom. A good and lovely relationship is required in this association, which is probable in this case, that a guardian consults their daughters or sisters before engaging in contract. When the decision of marriage will be taken by heart from the side of spouse, then the life will be easy, trouble less and joyful. And if the decision will be taken on the basis of coercion, as a result of the difference of temperament, the breaches will certainly be produced in this relationship and this will be finished very easily.

The Period of Ignorance:

Looking back into the history before Islam, it is disclosed that the women's condition was not good; she was considered like insects in pagan Arab. Whereas she was deprived of all basic rights, even she couldn't select and chose her life partner. (4) The woman was a victim of persecution. All decisions related to the woman's life were taken by her father and brother and she couldn't raise her voice for her right. When a woman's husband expired, she was distributed as inheritance and stepson got married with his

---

(1) Ahmad, Jamīl, Mawlānā, *Ashraf Al-Hidāyah Sharḥ Hidāyah*,Darul Ishā'at, Karachi, 1998,Vol: 4 p, 18

(2) Al-Qur'ān,24:32

(3) Al-Bukhārī,Muhammad bin Ismā'īl Al-Bukhārī, *Sahīh Bukhārī* ,Kitāb Al-Nikāḥ, Qadīmī Kutub Khānā, Karachi 1961, vol:2, p.758

(4) Bashir Rind & Arshad Munir, Huquq e Niswān: Tārīkhī, Tehzībī wa Mazhabī taqābulī mutāl'a, Al-Eda, Peshwar, issue:25, December 2012, PP: 35

Forced Marriages in Pakistan
(From Islamic Perspective)

Dr. Naseem Akhter *
Dr. Arshad Munir **

ABSTRACT

Matrimony is famous as a civil contract but it is a fact that this is also a religious and spiritual contract between the spouses which gives a chance to live happily and lawfully in the public in each of them. In Pakistani Society, parents and guardians are used to set up the matrimony publicly as a reverent family event through conferring their blessings and guidance for deciding about a life partner. They are the one who mostly choose the partner for their sons and daughters. In Islam, it is called "Wilāyah”. A father, grandfather or sometime brother usually performs as Walī according to Islamic Sharia. However, it is noticed that the parents or guardians do not give importance to the will of couple and decide the fate of the couple forcefully.

We can see the example in kind of forced marriage, exchanged marriage, Wannī marriage etc. The new generation seems rebellion against such traditional approach and thus adopting nontraditional ways of marriages like court marriage, eloped marriage, love marriage etc. They are not only reluctant to accept the family decision but also taking steps to decide about their marriage themselves. Although Islam allows the parents to make arrangements of their children especially for marriage as they are the most sincere and true members among all human but never says to decide about it without their consent. This paper deals with such conflicts between both approaches and locates real Islamic picture within the context of existing Sharia’s injections.

***Keywords*:** *Consent for Marriage, Forced Marriage, Islamic Wedding, Pakistani Culture*

* Department of Islamic Studies, Shahīd Benazīr Bhutto Women University, Peshawar
** Department of Islamic Studies, Ghazi University, Dera Ghazi Khan

context with Islamic preaching for the actual betterment of Islamic community.

Results:

1. PRSIs convey that Islamic injunctions regarding veil, non-exposing of private parts of body by shortened dresses and casting down looks in public is clear and Law enforcement through legislation is mandatory for the betterment of Pakistani society on the basis of injunctions in Sūrah Al-Nūr and Al-Aḥzāb, although amendments in the Constitution of Pakistan is not compulsory.
2. PRSIs opinioned that veiling or full body dresses present modesty, sobriety and prevail positive attitude for peaceful development of society. However, nakedness or exhibiting of naked or semi-naked bodies through shortened dresses in public creates emotional disorder and disturbs working efficient aptitude on the way of social development.
3. PRSIs opined that revealing of adornment and exhibiting of naked or semi-naked bodies in public shows shabby character and becomes the main cause of gazing, teasing and sexual harassment in society.

Recommendations:

1. Members of Pakistani society should observe full body covering dresses in public.
2. Members of Pakistani society should caste down their looks in public.
3. Government of Pakistan may introduce veiling system as per Qur'ānic injunctions in Pakistani society.

of Islamic Republic of Pakistan or Legislation in Pakistani Laws is mandatory regarding Dress Code in context with Islamic preaching for the actual betterment of Islamic community and 17 % 'Pakistani Recipients of Sitārā-i-Imtiyāz' were Disagree with this statement and 33 % 'Pakistani Recipients of Sitārā-i-Imtiyāz' were of NO opinion about it.

Findings:

1. Pakistani Recipients of Sitārā-i-Imtiyāz' had opinion that Qur'ān and Sunnah convey optimal preaching regarding Islamic Dress Code and non-exposing clandestine / private / confidential parts of body and non-revealing of adornment in public and to caste down the looks in public.
2. Majority of 'Pakistani Recipients of Sitārā-i-Imtiyāz' had opinion that Full body covering dress is modest, sober and gentle and covering of Private Parts of body in public is a positive attitude towards the betterment of society.
3. Majority of 'Pakistani Recipients of Sitārā-i-Imtiyāz' had opinion that concealing of adornments in public creates superiority, modesty and sobriety among society and to cast down the looks in public is gentleness.
4. Majority of 'Pakistani Recipients of Sitārā-i-Imtiyāz' had opinion that exposing bodies due to shortened dresses among mix genders atmospheres creates jealousy amongst ladies, enmity among men and emotional disorder in society and a naked person or exhibiting private parts of body, in public, disturbs others' mental & emotional peace and working aptitude.
5. Majority of 'Pakistani Recipients of Sitārā-i-Imtiyāz' had opinion that revealing of adornment and exhibiting of body in public shows shabby character and shortened dresses and exposing of bodies in public are the main factors of gazing, teasing and sexual harassment in society.
6. Majority of 'Pakistani Recipients of Sitārā-i-Imtiyāz' had opinion that veiling and full body covering dresses is a social element, which has an important part in the betterment of society and Law and enforcement of Order is compulsory for the betterment of society. And shortened dresses and exposing of bodies should be restricted by Law and Order for the betterment of Society
7. A majority of 'Pakistani Recipients of Sitārā-i-Imtiyāz' had opinion that amendment in Constitution of Islamic Republic of Pakistan or Legislation in Pakistani Laws is mandatory regarding Dress Code in

9. 39 % + 61 % = 100 % 'Pakistani Recipients of Sitārā-i-Imtiyāz' were Agree and Quite Agree respectively that a naked person or exhibiting private parts of body, in public, disturbs others' mental & emotional peace and working aptitude.
10. 56 % + 44 % = 89 % 'Pakistani Recipients of Sitārā-i-Imtiyāz' were Agree and Quite Agree respectively that revealing of adornment and exhibiting of body in public shows shabby character.
11. 28 % + 44 % = 72 % 'Pakistani Recipients of Sitārā-i-Imtiyāz' were Agree and Quite Agree respectively that shortened dresses and exposing of bodies is the main factoring of gazing, teasing and sexual harassment and 6 % + 17 % = 23 % 'Pakistani Recipients of Sitārā-i-Imtiyāz' were Quite Disagree and Disagree respectively with this statement and 5 % 'Pakistani Recipients of Sitārā-i-Imtiyāz' were of NO opinion about it.

Regarding Law and Enforcement:

12. 44 % + 39 % = 83 % 'Pakistani Recipients of Sitārā-i-Imtiyāz' were Agree and Quite Agree respectively that veiling and full body covering dresses is a social element, which has an important part in the betterment of society and 11 % 'Pakistani Recipients of Sitārā-i-Imtiyāz' were Disagree with this statement and 6 % 'Pakistani Recipients of Sitārā-i-Imtiyāz' were of NO opinion about it.
13. 61 % + 39 % = 100 % 'Pakistani Recipients of Sitārā-i-Imtiyāz' were Agree and Quite Agree respectively that Law and enforcement of Order is compulsory for the betterment of society.
14. 39 % + 33 % = 72 % 'Pakistani Recipients of Sitārā-i-Imtiyāz' were Agree and Quite Agree respectively that shortened dresses and exposing of bodies should be restricted by Law and Order for the betterment of Society and 6% + 6% = 12 % 'Pakistani Recipients of Sitārā-i-Imtiyāz' were Disagree with this statement and 16 % 'Pakistani Recipients of Sitārā-i-Imtiyāz' were of NO opinion about it.

Regarding other Religions:

15. 50 % + 33 % = 83 % 'Pakistani Recipients of Sitārā-i-Imtiyāz' were Agree and Quite Agree respectively that veil and body covering dress preaching is also in other religions besides Islam i.e. Hinduism, Christianity etc and 17 % 'Pakistani Recipients of Sitārā-i-Imtiyāz' were of NO opinion about it.
16. 33 % + 17 % = 50 % 'Pakistani Recipients of Sitārā-i-Imtiyāz' were Agree and Quite Agree respectively that Amendment in Constitution

1. 50 % + 50 % = 100 % 'Pakistani Recipients of Sitārā-i-Imtiyāz' were Agree and Quite Agree respectively that Qura'n and Sunnah convey optimal preaching regarding Islamic Dress Code.
2. 44 % + 45 % = 89 % 'Pakistani Recipients of Sitārā-i-Imtiyāz' were Agree and Quite Agree respectively that Qura'n and Sunnah convey obvious preaching in context with non-exposing clandestine / private / confidential parts of body and revealing of adornment in public and 11 % 'Pakistani Recipients of Sitārā-i-Imtiyāz' were of opinion to Disagree with it.
3. 39 % + 56 % = 95 % 'Pakistani Recipients of Sitārā-i-Imtiyaz' were Agree and Quite Agree respectively that Qura'n and Sunnah convey plain preaching to caste down the looks in public and 5 % 'Pakistani Recipients of Sitārā-i-Imtiyāz' were of NO opinion about it.

Regarding Effects of Veiling:

4. 39 % + 50 % = 89 % 'Pakistani Recipients of Sitārā-i-Imtiyāz' were Agree and Quite Agree respectively that Full body covering dress is modest, sober and gentle and 5 % + 6 % = 11 % 'Pakistani Recipients of Sitārā-i-Imtiyāz' were Quite Disagree and Disagree respectively with this statement.
5. 33 % + 67 % = 100 % 'Pakistani Recipients of Sitārā-i-Imtiyāz' were Agree and Quite Agree respectively that Covering of Private Parts of body in public is a positive attitude towards the betterment of society.
6. 33 % + 56 % = 89 % 'Pakistani Recipients of Sitārā-i-Imtiyāz' were Agree and Quite Agree respectively that Concealing of adornments in public creates a superiority, modesty and sobriety among society and 11 % 'Pakistani Recipients of Sitārā-i-Imtiyāz' were Disagree with this statement.
7. 44 % + 50 % = 94 % 'Pakistani Recipients of Sitārā-i-Imtiyāz' were Agree and Quite Agree respectively that Cast down the looks in public is gentleness and 6 % 'Pakistani Recipients of Sitārā-i-Imtiyāz' were of NO opinion about it.

Regarding Effects of Unveiling:

8. 38 % + 50 % = 88 % 'Pakistani Recipients of Sitārā-i-Imtiyāz' were Agree and Quite Agree respectively that Exposing bodies due to shortened dresses among mix genders atmospheres creates jealousy amongst ladies, enmity among men and emotional disorder in society and 6 % + 6 % = 12 % 'Pakistani Recipients of Sitārā-i-Imtiyāz' were Quite Disagree and Disagree respectively with this statement.

Showbiz Celebrities	2	11.1
Sportsmen	1	5.5
Total	18	100.0

Tabulation and Coding of Data:

The responses, obtained through the Research Investigators, were scored for statistical analysis and interpretation by a team of BWO® Punjab, Pakistan. The following scoring was adopted for data analysis.

Table for five scale Questionnaire depiction

Quite disagree	Disagree	Not Certain	Agree	Quite Agree
1	2	3	4	5

The responses of questionnaire were tabulated in statement form and interpreted in paragraph form.

Computer analysis requires that peoples' answers and observations would be converted into number form. Three steps of 'data conversion' (1) were adopted.

After this procedure, the researchers' team of BWO transferred the coded material on a tally sheet and feed in simple tables. The collected-data was analyzed through computer MS-Excel and SPSS version 15.0 by adopting the following procedures: a) Data feeding into computer, b) Data checked clinically, c) Data transformation technique was applied, d) Frequencies of all demographic variables were taken through i) determination of mean and standard deviation, ii) scoring matrix were calculated and iii) Coefficients of Correlation were computed to find the relationship between preaching of Qur'ān and Sunnah and need of Law implementation for Social betterment in Pakistan.

Limitations:

Complete description, requirements and Relation or co-relation of questions regarding SRRS cannot thoroughly discuss in this short article so details can be studied on the web page of 'Research Repository' on website of HEC, Pakistan under the PhD thesis tab.

DATA ANALYSIS (Question wise):

Regarding Islamic Preaching:

(1) Ibid 17, p.76 (read for more details; a) Allocation of codes to the answers of questions, b) Allocation of computer column to each question, c) Checking of codes)

2010 so PRSIs were chosen as sample of the research survey. The dignitaries of PRSI were the only source among Pakistani society member, whom can represent the all social communities of Pakistani society. Furthermore, the respondents from the list of PRSI were considered at the best level of reliability and credibility for authentic findings of this survey study.

The list of PRSIs was got from Cabinet Division of President Secretariat, the Federal Government of Pakistan Islamabad. A simple list of PRSIs was extracted from the main list of PRSIs except foreigner and political dignitaries. The number of respondents was twenty in newly prepared sample list. It was found that PRSIs were related to all categories defined as above under population heading.

Procedure of study (Data Collection):

The procedural steps, followed in data collection, were described below; the hard copies of Questionnaire were delivered through International Courier Service at the given official/personal addresses and soft copies through provided email addresses of the PRSIs. The questionnaire was explained by the Principal Investigator through a prior telephonic discussion with the PRSIs about the survey. The appointed Research Investigators started data collection process.

The Research Investigators again made telephonic calls to the respondents for fixing appointments of personal meetings to collect the responses in time. Any tentative variable during the survey was removed and eliminated through some personal meetings or telephonic discussions with the PRSIs by the Principal Investigator, author, and research assistants. 90% responses were received from PRSIs.

Only 2 responses could not be collected from respected PRSIs (one from Government Executives and one from Showbiz Celebrities) within the prescribed time. Due to shortage of time and resources, 90% responses were considered sufficient so the next procedure of coding of data was started for obtaining in time results.

Received Responses in Categories:

Category	**N**	%
Professors	3	16.7
Government Executives	6	33.3
Businessmen	3	16.7
Religious Leaders	3	16.7

Social Experiments etc. This study was a Survey research, so people were used as subject of research for getting data through SRRS.

This Research Survey was conducted through a developed questionnaire. The available literature related to the study was extensively reviewed before the development of the Questionnaire.

Research Instrument (Questionnaire):

A questionnaire[1] was developed pertaining four parts i.e. Islamic Injunctions regarding veiling system in public, impacts of Veiling or Unveiling, Law and enforcement regarding Islamic veiling system in Pakistan. The Questionnaire was designed, formulated, carefully observed and maintained. The Questionnaire was checked grammatically, rhetorically, conceptually and systematically by learned Professor in English Language and Islamic Studies.

Population:

The favorite population of this SRRS was the all executive dignitaries of all social groups of Pakistani society except politicians and foreigners. So it was defined as under;

(a) National level university Professors in Pakistan.

(b) National level Executives of Federal Government Pakistan

(c) National level Business Owners in Pakistan.

(d) National level Religious Leaders in Pakistan

(e) National level Show Biz Celebrities in Pakistan.

(f) National level Sportsmen in Pakistan.

Sampling:

Due to the shortage of time and sources, selection of 'sample' [(2)] for this SRRS was a critical task. As per this socio religious research study, major 'characteristics of sampling' [(3)] was observed. The population of the study was delimited to the Pakistani Recipients of Sitārā-i-Imtiyāz (PRSI)

---

(1) Ibid 15, p. 47 (Dr. Singh explained a Questionnaire as a printed list of questions that respondents are asked to answer.)

(2) Khan, *"Research Methodology"*, (New Delhi: APH Publishing Corporation, 2008), p.75 (for immediate explanation: The term sampling means the selection of a part of group or an entirety with the sole aim of collecting complete information. The selected or chosen part, which is used to determine the feature of the entire population, is known as sample.)

(3) Ibid 17, p.63, (read for explanation; i.e. a good sample must represent the entire population and a good sample also must be adequate in magnitude to certify the reliability)

H_2: Practices of wearing full body covering dresses, concealment of adornments and casting down the looks ‘in public’ creates modesty, gentleness and bashfulness in society members.

H_3: Unveiling, exhibiting of private parts of body in public create emotional disorder, sexual harassment and shabby character in society members.

H_4: The Government of Pakistan should introduce specific law regarding veiling system as provided by Qur’ān.

Design of Study:

The nature of problem(1) in this study was ‘Theoretical’ with a compulsory aspect of social environment so ‘Research Survey’ was the best type for conducting this social research work.

It was decided to conduct the social survey research in quantitative form. Of course, survey is not only a process of gathering information but, in many ways, survey research can be seen as a process of expanding the boundaries of our knowledge.(2) Five steps(3) were added in this survey study for credible and reliable results. Due to, social and religious, both aspects of the survey, it was named as Socio-Religious Research Survey (SRRS).(4)

The SRRS was done by Bismillah Welfare Organization® (BWO)(5) Punjab under the supervision of the author. Furthermore, source of the study was settled. During approximately all religious researches, all sources of information were commonly used except ‘People’ throughout the world. ‘People’ were used as respondents during Research Survey, Interviews, and

(1) Ibid, p.163 (for details; Nature of the problems can be differentiated in three major types. a) Theoretical Problem b) Factual problem c) Application Problem and styles of conducting these types of problems can be a) Survey, Experimental Method b) Historical, Case Study and Genetic Methods c) Action Research respectively.)

(2) Goddard Wayne, & Melville Stuart, *“Research Methodology: An Introduction”*, (Washington DC: Juta and Company Ltd, 2004), p.1

(3) Ibid 17, p. 12 (read for details; to understand an overall procedure of research, as Mr. Goddard explained them as a ‘Research Recipe’, which are a) Become aware of a topic and problem, b) Convert the problem into a well demarcated research problem, c) Carry out the research, d) Analyze the results, e) Write up the findings)

(4) Socio-Religious Research Survey (SRRS) is a term, generated and used by the author in 2007 during designing the surveys, which presents such types of community based surveys that relates to religious topics.

(5) Bismilah Welfare Organization® (BWO) is a non-profit organization working in the fields of Education, Poverty Eradication and Religious Tolerance registered with the Ministry of Social Sciences and Women Development Punjab, Pakistan under Voluntary Social Welfare Agencies (Registration and Control) Ordinance 1961 (XLVI of 1961) with the registration No. 03/DO/SW/JNG/2002.

transferred to the next generations. Islam stresses more on immortal properties of human beings directly or indirectly.

Modesty, bashfulness, dignity, love and gracefulness are the positive immortal properties of human beings living in any geographical or social structure. On the other hand, body attraction, face beauty and corporal beauty of body figure are the mortal properties of human beings. It is natural and fundamental that human beings give more importance to long living or immortal properties rather short living or mortal properties.

This is the basic concept of the study to search out the impacts, specifically concerned 'in public' atmosphere, of veiling system provided by the Islam that is this veiling system guide the members of a society towards the immortal values and properties of human being and not push them towards the mortal elements and properties of life?

Objectives of the Survey:

The first object of this survey was to examine the opinion of executive dignitaries of Pakistani society in context with Qur'ānic preaching regarding veiling system, i.e. exhibiting or non-exposing of private parts of body and casting down the looks or gazing to others in public.

Second object is to collect opinion about social, moral and psychological positive impacts by wearing of full body covering clothes in public.

Second object is to collect opinion about social, moral and psychological negative impacts by wearing of full body covering clothes in public.

Furthermore, the fourth and the most important aim of the survey was to collect the opinion regarding any needed amendment in the Constitution of Islamic Republic of Pakistan relating veiling system for positive impacts in Pakistani society.

Hypothesis:

Hypothesis [(1)] was made on the basis of objectives. As per above defined objectives, there were four aspects, so relatively, four hypotheses were framed.

H_1: Qur'ān and Sunnah convey optimal preaching regarding veiling system of Islam (in house, in family and in public) i.e. non-exposing of private part of body and casting down the looks in public.

---

(1) Singh Dr. Y. k., & Bajpai Dr. R. B., *"Research methodology: techniques and trends"*, (New Delhi: APH Publishing Corporation, 2007), p.91

ordered to cover the head and face. (1) The objective is that people know that they are not wicked women. This way everyone will know that they are veiled women, and cannot expect her to commit adultery. (2)

Qur'ān conveys that Allah has made the statement for the betterment of society through the injunctions of veiling system. First Sūrah Al-Nūr in verse 31, it is directed that women may not exhibit her beauty in front of such and such a variety of *Nā-Maḥram* men and women. And also let not them of striking feet against the ground that people can aware of the beauty that they have hidden. Along with this command, the command of Sūrah Al-Aḥzāb in mentioned verses, to cover the adorned from strangers and strictly forbid to exhibit semi-naked(3) or naked bodies in public. And that this aim can be fulfilled in the case that full body covering big cloth will simple.

Pakistan declared itself an Islamic Republic (4) so it is obvious to understand that its constitution will be accompanying with all specific and general injunctions of Qur'ān. To test this phenomenon of accompanying with specific injunctions of Qur'ān regarding Islamic veiling system, a countrywide Survey was designed by the author.

It was pertinent to sought out the conditions of Pakistani society and availability of Law and Order regarding veiling system, as some other Muslim countries(5) provide, regarding veil commandments of Qur'ān in Sūrah Al-Nūr and Al-Aḥzāb VS interpretation & implementation of constitution of Islamic Republic of Pakistan.

Human beings have both types of properties i.e. mortal and immortal. It is natural that the mortal properties have death and conversion into other substances but immortal properties have no death and can be

---

(1) Nīshāpūrī. Allama Nizām Din, *Gharā'ib al Qur'ān*, Vol. 22, p 32

(2) Rāzī. Imām, *Tafsīr Al-Kabīr*, Vol. 6, p 591

(3) "Semi-Naked", Semi- is a prefix means 'half' with the origin from Latin; related to Greek 'hēmi' and naked means (of a person or part of body) without clothes with the origin 'Old English 'nacod', of Germanic origin; related to Dutch 'naakt' and German 'nackt', from an Indo-European root shared by Latin 'nudus' and Sanskrit 'nagna'. So the meanings of 'semi-naked' is 'without half clothes' or more naked than usual. (retrieved from http://www.dictionary.com/browse/semi-naked)

(4) National Assembly of Pakistan, *The Constitution of Islamic Republic of Pakistan,*[modified up to 28th February 2012], Islamabad: Pakistan, Part I, "The Republic and its Territories", Article 1 (1), p. 3

(5) Jeanette. M. English, *Infidel Behind The Paradoxical Veil: A Western Women's Experience in Saudi Arabia,* (Bloomington IN: Authors House, 2011), p. 231 (Detailed discussion has been written about the veil phenomenon in Saudi Arabia and Iran that in both countries, Muslim women use veil to cover their heads, shoulders, bosoms and even entire body except hands and face.)

اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰي عَوْرٰتِ النِّسَآءِ ۪ وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ ۭ وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾(1)

And tell the believing women to lower their gaze (from looking at forbidden things), and protect their private parts (from illegal sexual acts, etc.) and not to show off their adornment except only that which is apparent (like palms of hands or one eye or both eyes for necessity to see the way, or outer dress like veil, gloves, head-cover, apron, etc.) and to draw their veils all over *Juyūbihinna* (i.e. their bodies, faces, necks and bosoms, etc.) and not to reveal their adornment except to their husbands, their fathers, their husband's fathers, their sons, their husband's sons, or their (Muslim) women (i.e. their sisters in Islam), or the (female) slaves whom their rights hands possess or old male servants who lack vigor, or small children who have no sense of the same of sex. A let them not stamp their feet so as to reveal what they hide of their adornment. And all of you beg Allah to forgive you all, O believers, that you may be successful. (2)

﴿وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا﴾(3)

And abide in your houses and do not display yourselves as [was] the display of the former times of ignorance. And establish prayer and give zakāh and obey Allah and His Messenger. Allah intends only to remove from you the impurity [of sin], O people of the [Prophet's] household, and to purify you with [extensive] purification. (15)

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ۭ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا﴾ (4)

O Prophet, tell your wives and your daughters and the women of the believers to bring down over themselves [part] of their outer garments. That is more suitable that they will be known and not be abused. And ever is Allah Forgiving and Merciful. (4)

The original words ﴿يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ﴾ exposes that ﴿جَلَابِيْب﴾ say in Arabic, a large cloth. It shows that only a fraction of that will be wrapped around the wreath. The clear philosophical meaning of this verse is that women are a part of their own cover sheets, wrapped well. (5) The system is that women hung a part of the cloth from top to forward. The women were

---

(1) Al-Qur'ān, Sūrah Al-Nūr, Verse 31

(2) Hilālī and Khan, Translation in English, Sūrah Al-Nūr, Verse 31, [Qur'ān], Version 1.12, retrieved from http://www.tanzil.net

(3) Al-Qur'ān, Sūrah Al-Aḥzāb, Verse 33

(4) Ibid 6, Sūrah Al-Aḥzāb, Verse 33

(5) Mawdūdī, Mawlāna Sayyid 'Ali, *Tafheem Al-Qur'ān,* (Delhi: India, Idāra-e-Tahqīq-e-Islam, 2006), Hashia No. 110

Introduction:

The study revolves around the Qur’ānic injunctions conveyed in Sūrah Al-Nūr and Sūrah Al-Aḥzāb regarding veiling system and written specific articles in the Constitution of Islamic Republic of Pakistan. It is noteworthy that not only Qur’ān presents specific and obvious injunctions of Islamic Veiling System but Sunnah of Holy prophet Muhammad (S.W.A) and healthy material of Islamic scholars also convey detailed explanations of Islamic veiling system. But it is need of time to collect data from Pakistani society members about the Islamic Veiling System to prove that are they feel the requirement of Islamic veiling system in Pakistani society for their betterment as per Islamic social perspective.

Literature Review:

Qur’ānic injunctions regarding Islamic Veiling System are specific and obvious given in Sūrah Al-Nūr and Sūrah Al-Aḥzāb.

First Qur’ānic version is explained as below;

﴿قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ۭ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ﴾(1)

Tell the believing men to lower their gaze [from looking at forbidden things] and protect their private parts [from illegal sexual acts, etc.]. That is purer for them. Verily, Allah is All-Aware of what they do.

From the words: ﴿يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ﴾ the mean of غَضّ are ‘disclosed’ to anyone, and to ‘cut down’. Examples disclosed ﴿غَضّ بصر﴾ is generally used ‘to lower’ or ‘keep track’. But the fact is that it is not to be looked down all the time, but did not look like staring continuously, or left someone absolutely free to see the sights as per his own will.

In other words, Allah's intention is not to ban everything around to see it, but He just want to impose a ban on certain circle. The ban which is conveying in this verse is on the alien and Nā-Maḥram(2) men about staring to women without wedlock, or people, or look at porn scenes age. Everything of this type is forbidden through this Qur’ānic preaching.

﴿وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰي جُيُوْبِهِنَّ ۠ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَاۗىِٕهِنَّ اَوْ اٰبَاۗءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَاۗىِٕهِنَّ

(1) Al-Qur’ān, Sūrah Al-Nūr, Verse 30

(2) “Na-Mahram” is an Islamic term used in Islamic Sharī‘ah. It is used for all those persons who are outside the circle of those kin of women with whom sexual intercourse would be considered incestuous, a punishable taboo. For more details, visit https://en.wikipedia.org/wiki/mahram

Qur'ānic & Legislative Facade of Veil in Pakistan

Dr. S. Aftab Aalam [1]

ABSTRACT

Qurān conveys Islamic veiling system, full body covering dress for both sexes, in Surah Al-Noor and Surah Al-Ahzaab for enduring betterment of a society. Pakistan declared itself an Islamic Republic, so ultimately; it is implicit that Quranic injunctions are being observed in its constitution directly and specifically as per the verdicts of Qurānic proselytization. A Socio-Religious Research Survey was designed and conducted with executive level dignitaries of Pakistani society (recipients of Sitara-i-Imtiaz 2010) through a research team of Bismilah Welfare Organization ® Lahore under the supervision of author. It was asked by the Pakistani Recipients of Sitara-i-Imtiaz that is Qurān conveys specific preaching regarding veiling (in-house, in family and outside house) system. It was questioned that what sort of behavioral, social, ethical and personal benefits and issues have observed due to veiling and non-veiling or semi naked social atmosphere. Lastly, it was asked that at what extend, the constitution of Pakistan construe specific laws and orders in veiling perspective and is there any need of constitutional amendments or obligatory sections in Pakistan Penal Code for the improvement of Pakistani society regarding veiling system. As the result of this Socio-Religious Research Survey, it is found that veiling system presented by Islam in Qurān have core beneficially for not only Muslims but for all community members and Quranic veiling system provides strength to modesty, sobriety, gentleness, spiritual peace and golly in the characters of all community members observing Islamic Veiling System. It is also recommended that, like some other Muslim countries, Pakistan should also adopt law and order for the upward mobility of its society members regarding Islamic veiling system.

Key Words: *Veil, Islamic veiling system, Pakistani Recipients of Sitara-i-Imtiaz, PRSI, Socio-Religious Research Survey, SRRS, Sexual Harassment, Modesty*

[1] Assistant Professor, Department of Islamic Studies, The University of Lahore, Sargodha Campus

pure product of Islamic thought and cannot be considered a by- product of the alien Greek logic and thought.

that any legal opinion (fatwá) should be developed varied or adapted in the light of changing conditions and circumstances at different times and in different places. This fundamental principle is as old as the early formative period of Islamic jurisprudence.

- Reasoning is the process, through which a link is established between the immutable and limited texts of the Sharīʻah on the one hand, and the countless facts, events, and situations on the other. The all-pervading character of Islamic jurisprudence made it absolutely necessary to exercise reasoning for the interpretation of Sharīʻah in one form or another even during the period which is usually called the period of stagnation (jumūd) and imitation.

Conclusion:

Reasoning is the process, through which a link is established between the immutable and limited texts of the Sharīʻah on the one hand, and the countless facts, events, and situations on the other. After the end of direct non-Muslim rule in most Muslim countries most Muslim jurisprudents preferred to ensure the continuing application of the Sharīʻah and the study of Islamic jurisprudence through a careful review of the legal legacy of the colonial era in order to bring the positive legal systems in line with the principal and immutable rules of Islam. Change and development of the provisions of Islamic jurisprudence are inevitable. Time and its effects must be recognized and given the attention they deserve. This is a consequence of the law of nature as ordained by Allāh Almighty. There is a growing awareness of the need for use of reasoning in the field of Islamic law as a result of the realization that many frictions, misunderstandings and conflicts of opinion on certain questions can be avoided or at least mitigated if people were given a simplified account of how the Islamic legal system works or should work in practice of reasoning. It is remarkable that though Islamic faith is taught in primary and secondary schools in most Muslim countries, there is no similar concern, except in a few countries, for the teaching of the basics of Islamic jurisprudence and foundations of jurisprudence. What the Muslims need today is not a new method but a powerful mentality capable of understanding and dealing with Islam by following the Islamic methods and practice of the early centuries of Islam. This much- needed kind of mentality cannot be borrowed from the East or the West or otherwise fashioned by the introduction of different alien methods picked and chosen at random from here or there. The only way towards the cultivation of appropriate Islamic methods is to educate Muslims to learn the invaluable lessons of the Qur'ān, Sunnah and early Ijtihād based on reason. There is no doubt that Ijtihād based on reason was a

check thoroughly the real or effective cause of the principal event or aṣl and where the texts are silent, to extract the real cause of event (Takhrīj Al-manāṭ) on the basis of reason, common sense and the general of the Sharī'ah. Then the mujtahid should be able to verify that the cause provision of the principal event actually exists in respect of the derived that the provision of the principal event can be extended by analogy to event or far' called Tahqīq Al-Manāṭ in Arabic [1].

Findings:

Based on the discussion and description of above said points followings are the findings of the whole research.

- Sharī'ah which is based on teachings of Qur'ān and Sunnah of Prophet Muhammad (S.A.W). At the same time, it affirms with equal emphasis that the Holy Law is not given to man ready-to be passively received and applied; rather, it is to be actively constructed on the basis of those sacred texts which are its acknowledged sources called subsidiary sources. In the standard Islamic metaphor, rules themselves are "branches" (furū') or "fruit" (thamarah), which grow out of "roots" (usūl), that is, from the sources.
- The process of extracting or deriving (istinbaṭ, istithmār) legal rules from the sources of the Law is termed, with reference to its character as a human activity called reasoning through the effort of Ijtihād. Ijtihād roughly corresponds to what in Western jurisprudence called "reason."
- The Qur'ān lays much stress on the necessity of making use of one's own reason both in matters of belief and action. Teachings of Islam prescribes that the believers should think independently in order judgments, free of the influence of predecessors (salaf), priests (aḥbār) and tyranny of any power.
- The rules of the Sharī'ah are intended to be complied with by reasonable should be capable of understanding their meaning, objectives and the conditions for which they are made. Reasonable people are different from animals whose role is confined to just receiving orders and discharging intellectual or creative effort.
- Reason is not only the means to check the authenticity and determine the exact meaning of e text, but it is also the means to determine the circumstances in which the texts should be applied. It is well settled

(1) Philips, Abū-Amīna Bilāl, The Evolution of Fiqh, 1990, Tawḥīd Publications, Klyaa

find promptly the relevant Qur'ānic verse which he is looking for. Some other scholars say that what really matters is that the mujtahid should be sufficiently trained in consulting the Qur'ān usefully [(1)].

- The mujtahid should know the legal rules which are derived from the Sunnah of the Prophet. This requires the knowledge of the texts (Matan) and supports (Asanād) of all the Hadith which are legally binding or relevant.
- The mujtahid should know the texts of the Qur'ān and the Sunnah which have been the subject of abrogation (Naskh) during the period of revelation.
- The mujtahid should know all the questions which have long been settled by consensus of opinion (ijmā') and the questions in respect of which consensus of opinion has not yet been reached. In addition to his duty to follow the previous consensus of opinion, the mujtahid should show due respect to the opinions and views of other mujtahid [(2)].
- The mujtahid should know how to apply analogy (Qiyās). That he should be familiar with the different kinds and types of addition to the subtle distinctions between causes (ḥikmah) in certain legal provisions. In particular, the mudjtahid aware that the extension of the provision of the principal event (aṣl) derived event (far') on the basis of the presence of the cause (or the where appropriate) of the principal event in the derived event thorough knowledge of the needs and interests of the people, the ends purposes of the Sharī'ah and the basic principles upon which the is founded.
- The mujtahid should have a good command of the Arabic language. This involves an advanced knowledge of Arabic grammar (naḥw) and inflection (ṣarf), Arabic syntax, eloquence of style and rhetoric [(3)].
- The mujtahid should have sufficient knowledge of the rules and principles of the science of foundations of jurisprudence, the mujtahid should know the ends and purposes of the Sharī'ah.

In general, the mujtahid should really be well trained in the difficult deducting (istinbāt) the legal rules from their proofs or sources. In the case of deduction by analogy (Qiyās), the mujtahid should be able to

---

(1) Abul-Majd, Ahmad Kamal, (a) "The Application of the Sharī'ah", Arab Comparative and Commercial Law, 1987, Graham & Trotman, London, vol. 1

(2) Ibid

(3) Maḥmaṣānī, Ṣubḥī, Al-Mujtahidūn Fil-Qaḍā', 1980, Dār Al-'Ilm lil-Malayīn, Beirut

of behavior must have been constant and consistently followed by the people at large (in the case of general custom) or by the people of a certain locality or a certain trade. The model of behavior should not contradict any definite (qaṭ'ī) rule of the Sharī'ah. The texts of the Sharī'ah which were made in the light of the prevailing custom should be interpreted as incorporating any prevailing custom [(1)].

Reasoning in use of Presumption of continuance (Istiṣ'hāb).

Presumption of continuance (Istiṣ'hāb) is more a rule of evidence than a rule of substantive Sharī'ah. This presumption means that a legal provision or condition which is prevailing at a certain original point of time will be presumed to be existing at any later time until it is proved that such provision or condition has ceased to exist. The presumption should be continuance of the original freedom of action enjoyment of all pleasures and utilization of all things and resources.The presumption should be continuance of existing situation or condition. The presumption should be continuance of the validity or invalidity of transactions. For example, a contract which has been proved to be valid and effective will be presumed to be valid and effective and ill force until it is proved that it is not valid or chat it is not in full force and effect. The presumption should be continuance of a certain description or qualification [(2)]. For example, a missing person whose whereabouts are not known (mafqūd) will be presumed alive until the contrary is proved.

Conditions required for the use of reasoning in Sharī'ah.

Everyone can enjoy the facility of reasoning in Sharī'ah but there are some certain conditions for the person to exercise the use of reasoning in the interpretation of Sharī'ah. According to requirements of Sharī'ah and its expert scholars only qualified Mujtahidīn can use reasoning for the interpretation of Sharī'ah. Additionally the one who possess the following attributes qualifies for the use of reasoning.

- Reasoning is based on foundations of Qur'ān and Sunnah of the Prophet (S.A.W) so the one who uses reasoning in deriving law from Qur'ān and Sunnah should have a good knowledge of the Qur'ān. He should in particular know those verses of the Qur'ān which are legally relevant, such as the verses relating to marriage and divorce, successions, legal punishments for the offences of theft, highway robbery, adultery and defamation. According to Some scholars he/she should learn the Qur'ān by heart so that he may be able to

(1) Ibid

(2) Khallaf, 'Abdul Wahhāb, 'Ilm Usul Al-Fiqh, Dar Al-Qalam, Kuwait, 1978

legal share in his inheritance. But as this result is too harsh for the repudiated woman, the majority of jurisprudents (of the Ḥanafī, Mālikī and Ḥambalī; schools) give to her, on ground of Istiḥsān, a share ill the estate of her former husband provided, according to the Ḥanafīs, he dies during the waiting period ('iddah) or provided, according to the Ḥambalīs) she does not remarry. The Mālikīs ensure defeat of the fraudulent intention of husband in any event by not excludible the woman from his inheritance even lf she marries again [(1)].

Reasoning and public interest (Istiṣlāḥ).

Sharī'ah in its entirety is secure benefits and to Public interest (Istiṣlāḥ) which is another legal practice contained within legal reasoning. This means that a jurisprudent should take into consideration, within the framework of the basic principles and ends of the Sharī'ah, all the interests, whether individual or collective, which are worthy of protection. The creative role of interest appears in the area which is not directly governed by the texts, consensus of opinion, analogy, and equitable discretion, i.e., in the area where there is no pre-established restriction on the recognition or non-recognized by the worthiness or unworthiness of the adoption or rejection of specific regulatory measures or expedients of legal policy (siyāsah shar'iyah). For example) the government may require, for the purpose of certainty, that all marriages should be authenticated and registered in a special register by a qualified public officer [(2)].

Reasoning in use of Custom ('urf).

Custom and usage ('urf) as a source of Sharī'ah means formulation of a legal provision or criterion, or the interpretation of a text of the Qur'ān, the Sunnah or consensus of opinion in accordance with a prevailing model of behavior or social understanding or mode of expression, whether general people at large in all places and localities or special to a special trade or profession or to the people of a certain place or locality. Some scholars distinguish between custom ('urf) and usage ('ādah). While in usage the repetition of a certain model of behavior in certain circumstances is purely mechanical, in custom such repetition implies reasonable acceptance or conviction of such model of behavior. This distinction is linguistic; the jurisprudents give usage ('ādah) the same meaning as custom ('urf) and make no distinction between these two terms in their writings [(3)]. The model

---

(1) Kamālī, Muhammad Ḥāshim. 1991. Principles of Islamic jurisprudence. Cambridge: Islamic Text Society

(2) Al-Kawākibī, 'Abdul Rahmān, Ṭabā'i' Al-Istibdād:, reprint, 1993, Al-Hay'ah Al-Miṣriyyah Al-'Āmm Lil-Kitāb, Cairo

(3) Kamālī, Muhammad Ḥāshim, Principles of Islamic 3:jurisprudence) Revised edn, 1991, Islamic Texts Society, Cambridge

only possible consensus of opinion was the consensus of the Companions of the Prophet (S.A.W). Some others say that even in the generations of the Companions there had never been an agreement of all the Companions on any certain question: A review of the events upon which the Companions formed unanimous opinions shows that those opinions were expressed by the Companions who were present and who were consulted about those events. The truth is that the real characteristic of such opinions which distinguish them from other jurisprudential opinions, is that they express the outcome of consultation and not the view of an individual (1). Furthermore, since consensus of opinion should be based on a proof (dalīl), such proof may either be conclusive, and ill such case arises no need for consensus of opinion to give to it more weight (as such proofs are the weightiest proofs), or merely presumptive (Ẓann) and in such case it is highly improbable that all or at least majority of the Mujtahidīn would agree on it.

Reasoning by analogy (Qiyās):

Reasoning by analogy (Qiyās) means extending the legal principal event in order to derived solution on the ground (‘illah) of application of the legal provision to the principal respect of the derived event. For example, the prohibition of drinking wine (Baqarah, 219 and 5 al-Mā’idah, 90,) is extended by analogy alcoholic drink, such as whisky and beer, on the ground that intoxication. The analysis of deduction by analogy shows that it comprises on four elements; including; (a).The principal event (drinking wine); (b) The derived event (drinking beer or whisky); (c) The legal provision applicable to the principal event (prohibition); and (d) The cause which is common to the principal event and the derived event intoxication or stupefaction (2).

Reasoning and Istiḥsān

Equitable discretion (Īstiḥsān) means the application of a certain rule, established by analogy or by a text, to a certain situation or event, on the ground that such application would lead to injustice or hardship. Equitable discretion (Īstiḥsān) means the application of Ijtihād discretion to exclude the application of a certain rule, established by analogy or by a text, to a certain situation or event, on the ground that such application would lead to injustice or hardship. For example, it could be inferred from the texts relating to succession that the wife who has been repudiated irrevocably (ṭalāq bā’in) during the terminal illness of her husband, is not entitled to a

(1) Ḥasān, Aḥmad. The doctrine of Ijmā‘: A study of the juridical principle of consensus. New Delhi: Kitab Bhaban, 2003

(2) Ghānīm, ‘Iṣām, Outlines of Islamic jurisprudence, 1983, Saudi Publishing and Distributing House

Sunnah of Prophet (S.A.W) can be explained by the interpretation of the experts based on reasoning. But point to be noted that this interpretation cannot check the authenticity of instructions rather its explanation and application [(1)].The divine nature of the two principal sources of the Sharī'ah, whether in the form of the Qur'ān or the Sunnah of the Prophet, does not exclude the human contribution of the jurisprudents in its various forms, ranging from ascertaining authenticity of the revealed texts and then interpreting them, to giving legal opinions about the matters which are not directly covered by these texts. The various intellectual efforts exerted by the jurisprudents to authenticate, interpret and apply the immutable divine texts are designated under the generic term of Ijtihād [(2)]. The rulings of Sharī'ah can be divided into five legal practices called, Haram (Prohibited), Makrūh (Disliked), Mustaḥabb (Liked), Mubāḥ (Recommended), Farḍ (Obligatory). So far as the rulings of obligatory practices and prohibited are clearly mentioned in Qur'ān and Sunnah of the Prophet Muhammad (S.A.W).However the rulings related to recommended, liked and disliked in a certain application can be decided by reasoning.

Subsidiary sources and reasoning:

Each event (hādithah, nāzilah) is subject to a legal instructions of Sharī'ah. As the events are limitless and the texts (nuṣūṣ) of the Qur'ān and the Sunnah are limited, the subsidiary sources are essential for determining the legal provisions applicable the events [(3)]. The most important subsidiary sources accepted by most scholars are the following: consensus of opinion (Ijmā'); reasoning by analogy (Qiyās); equitable discretion (Istihsān); interest (muṣṭlaḥah); custom and usage ('urf); opinions of the Companions (aqwāl-e-Ṣaḥābah); preceding revelations (Sharā'i'man qablanā) and presumption of continuance (Istiṣḥāb).

Consensus and reasoning:

Consensus of Opinion (Ijimā') means the unanimous agreement, after the death of the Prophet, of all the learned scholars having the capacity of independent and original legal reasoning or thinking (Mujtahidūn) or of all the people having the power to loosen and bind, i.e., the leading personalities having the power of decision-making, on any matter of religion or worldly affairs. The consensus thus reached cannot be varied or repealed by a subsequent. The possibility of an agreement of all the jurisprudents of any historical period is not easy to materialize. Some scholars say that the

---

(1) Cardozo, Benjamin N., The Nature of the7adicaal Process, 31st printing, 1971, Yale University Press, New Haven and London

(2) Ibid

(3) Dias, R. M. W., 3'jurisprudence, 4th edn , Butterworths, London, 1976

and put together them in such a way which is open to reasoning and juristic interpretation so that the law becomes legally valid with no effect of change in time and circumstances.

Reasoning as source for explanation of Qur'ān and Sunnah:

The first basic source of Islamic law and Islamic faith is the Qur'ān: the Book (Al-Kitāb) revealed by God (Allāh) to His chosen last Prophet Muhammad (S.A.W) and Messenger through the Angel Gabriel. The second source is the Sunnah of the Prophet which consists of his sayings, actions and expressions. The faith is perfect and espousal. It provides guidance for the assessment and judgment of all beliefs and actions of all men and women in all places and at all times. Qur'ān as word of Allāh Almighty is no doubt placed as foremost and ultimate source of Sharī'ah in law making process. Qur'ān is not only gives the instructions for Sharī'ah as it also addresses the concepts of human belief system, description of previous nations and prophets as reminder of lessons from their stories. But in spite of all its comprehension Qur'ān as source of Islamic law address the legal code of conduct for human beings in general and for the believers in particular. About five hundred of the Qur'ānic verses express the set of legal code of conduct for Muslim society applied by interpretation of any time and circumstances [(1)]. Human interpretation should base on reasoning for the sake of explanation not to check the authenticity of the text of Qur'ān. The readers of the Qur'ān can rely on the help of different kinds of interpretations, ranging from the short (such as Tafsīr Al-Jalālayn) to the expanded (such as Tafsīr Al-Qurṭubī or Tafsīr Ibn Kathīr). The readers of Hadiths very wide range of books dealing with the interpretation. Sunnah of Prophet Muhammad (S.A.W) as second and core basic source of Sharī'ah represents all about the sayings, actions, and expressions of Prophet Muhammad (S.A.W) especially for the formulation of narratives called Hadith[(2)].As for as the legal status of Sunnah of Prophet Muhammad (S.A.W) is concerned it deals with all the rulings given by the sayings, practices, and expressions of Hadith in different perspectives and when Prophet Muhammad (S.A.W) followed, instructed, or expressed any thing about the worships and social dealings. Additionally in law making process the legal content described in Qur'ān and explained in Sunnah require interpretation of the time and circumstances accordingly for the application of that situation and time. In other words it can be said that Qur'ān and

---

(1) Al-Bayḍāwī, Anwar Al-Tanzīl wa Asrār Al-Ta'wīl (coented on by al-Kazamn1), a new reprint by Mu'assasat Al-Sha'bān) Beirut, 1988

(2) Ballantyne) William M., (a) "The Shari'ah and its Relevance to Modern Transnational Transactiorls", Arab Comparative and Commercial Law, 1987, Graham & Trotrnan, London, vol. 1

also took the decision, after consulting with the Companions, not to distribute the arable lands of Iraq among the Muslim soldiers who participated the conquest of that country. 'Umar argued that the non-distribution of those lands would ensure it's the long run the earning by (bayt Al-māl) of a renewed income in the form of taxes which could the native holders of those lands [(1)]. 'Umar was also known for his firm considering the repudiation (ṭalāq) pronounced thrice at one time as not only as once valid as was the prevailing view, in order to discourage from pronouncing thrice divorce lightly or without careful thought. Even in matters of ritual worship (ibādah) the conditions prevailing places should be taken into account. For example, many scholars say that the Muslims living in the places not have a daily sunrise and a daily sunset should perform every 24 hours daily prayers and should fast and break the fast during the holy month according to the time of prayers and the times of fasting and breaking the nearest place which has a daily sunrise and sunset [(2)].

Reason and sources of Sharī'ah:

Reasoning is the process, through which a link is established between the immutable and limited texts of the Sharī'ah on the one hand, and the countless facts, events, and situations on the other. The all-pervading character of Islamic jurisprudence made it absolutely necessary to exercise reasoning for the interpretation of Sharī'ah in one form or another even during the period which is usually called the period of stagnation (jumūd) and imitation. Reason without any doubt plays vital role in Sharī'ah and its interpretation with the name of Ijtihād in Fiqh. According to the experts of Islamic law Islamic faith has its own law: the Islamic Sharī'ah [(3)]. Both Islamic law and Islamic faith are derived, on the strength of belief (lmān) and reason ('aql), from two basic sources Qur'ān and Sunnah and interpretation of these two fundamental sources called secondary sources e.g Ijmā'(Consensus), Qiyās (Analogy) Istishān (Discretion), 'urf (Custom) based on reasoning of Ijtihād But this is fact that both revelation and reason have prominent place in legal system of Islamic Sharī'ah. The articles of religious belief are derived, according to him, from revelation, and the function of reason is to understand them correctly [(4)]. Allāh Almighty as law giver has purposely set out a number of legal rulings in these two revealed legal sources called Qur'ān and sunnah of Prophet Muhammad (S.A.W),

(1) Al-Ghazālī, Muhammad bin Muhammad. 1993/1413. Al-Mustaṣfā min 'ilm al-usūl (Muhammad Abdul Salām Abdul Shāfī, Ed.). Beirut: Dār Al-Kutub Al-'Ilmiyyah
(2) Ibid
(3) Hallāq, Wael B. Authority, continuity and change in Islamic law. Cambridge: Cambridge University Press. 2004
(4) Ibid

prescribes that the believers should think independently in order judgments, free of the influence of predecessors (salaf), priests (ahbār) and tyranny of any power [(1)]. At the same time, Islam prescribes an obligation to respect the parents. An obligation to seek information from the wise and those who possess the Message, and an obligation to obey the people of authority (O you who believe, obey God and obey the Messenger and authority among you; if you differ in anything among yourselves, refer Messenger, if you do believe in God and the last day. That is best, and most suitable for determination [(2)]

The rules of the Sharī'ah are intended to be complied with by reasonable should be capable of understanding their meaning, objectives and the conditions for which they are made. Reasonable people are different from animals whose role is confined to just receiving orders and discharging intellectual or creative effort. Reasonable people should respect their parents, extent of obeying them blindly. Reasonable people should seek the advice know, but they should be able to realize that it is futile to consult the people who know becomes apparent that those people are unwilling (or not prepared) to use the proper way of what they know. A lay person, endowed with the gift of reason, should whether a certain scholar is sincere or a hypocrite. Reasonable people should obey the authority, but not to the extent of disobeying the orders of Allāh [(3)]. Rather people of reason obey the authority in order to explain and spread the orders of Allāh Almighty.

Role of Reason in Sharī'ah:

Reason is not only the means to check the authenticity and determine the exact meaning of e text, but it is also the means to determine the circumstances in which the texts should be applied. It is well settled that any legal opinion (fatwá) should be developed varied or adapted in the light of changing conditions and circumstances at different times and in different places. This fundamental principle is as old as the early formative period of Islamic jurisprudence. The second rightly-guided Caliph 'Umar is well known for his method of giving due consideration to changes of circumstances. For example, he saw no point in continuing the practice of giving money or material benefits to those whose hearts are to be conciliated because he believed that there was no need, after the spread of Islam in the Arabian Peninsula, to gain new sympathizers through such practice. 'Umar

(1) Ibn 'Ashūr, Al-Tāhir, Maqāsid Al-Sharī'h Al-Islāmiyyah) 1978, Al-Sharikah Al-Tūnisiyyah Li Al-Tawzī'

(2) Al-Qur'ān, Al-Nisā', 59

(3) Faḍal, Muḥammad. 2000–2001. Book Review: "Analogical reasoning in Islamic jurisprudence: A study of the juridical principle of Qiyās by Aḥmad. Journal of Law and Religion 1/2(15): 359–62.

to the regulation of the lives of the people in this world, but it extends to the regulation of their destinies in the hereafter. It is the duty of all reasonable persons, who are the addressees (mukhātabūn) or obligors (mukallafūn) of the precepts of the Message [(1)] to comply with these precepts and to adjust their veritable and variable needs and interests according to the rules and principles derived from the sources of the Sharī‘ah. The ascertainment and authentication of the sources of the Sharī‘ah and the formulation and deduction from these sources of the principles and rules which are most appropriate for the regulation of the changing needs and interests of the mukallafūn involve an integrated and continuing process of well-informed and careful constructive thinking and reasoning (Ijtihād). Reasoned rule-making and reasoned rule-application in accordance with the sources of the Sharī‘ah are the life-blood of the science of jurisprudence (fiqh) and its sister science of foundations of jurisprudence (usūl Al-fiqh). Throughout its long and rich history, Islamic jurisprudence offers a very fine example of the outcome of the human effort to understand and implement the divine texts of the Qur’ān and the Sunnah of the Prophet (S.A.W) [(2)].

Importance of reason in Qur’ān:

The Qur’ān lays much stress on the necessity of making use of one's own reason both in matters of belief and action: "We have created for Hellfire many jinn and men; they have hearts, but understand not with them; they have eyes, but perceive not with them, they have ears, but they hear not with them. They are like cattle, nay, rather they are further astray. Those - they are the heedless [(3)]. This verse describes the people who apparently have all the faculties of reason and perception, but deliberately refuse to make use of them. Such people deserve to go headlong into hell. They are, as it were, made for hell. Everyone shall be called to account for the use, misuse, or non-use of the faculties accorded to him, including his intellect. "And pursue not that thou hast no knowledge of; the hearing, the sight, heart- all of those shall be questioned [(4)], Knowledge in this verse refers to accepted belief, whether definitive or presumptive gained through reliance on a certain evidence or support (sanad). The understanding of the faith and of the Sharī‘ah is not an exclusive of any person or group of persons: "The mere idea of a priesthood to stand between God and man and to be the repository secrets is derogatory to the goodness and all pervading. Islam

(1) Hallaq, W.B. 2009. An introduction to Islamic Law. Cambridge: Cambridge University Press
(2) al-Ashqar, Muhammad Sulaymān, Al-Wāḍih fī Usūl Al-Fiqh, 3rd edn, 1987, Al- Dār Al-Salafiyyah, Kuwait
(3) Al-Qur’ān, al-A‘rāf, 179
(4) Al-Qur’ān, al-Isrā’, 36

Introduction:

The Islamic law gives great emphasis upon the centrality Sharī'ah which is Qur'ān and Sunnah of Prophet Muhammad (S.A.W). At the same time, it affirms with equal emphasis that the Holy Law is not given to man ready-to be passively received and applied; rather, it is to be actively constructed on the basis of those sacred texts which are its acknowledged sources. The Holy Law is the totality of rules which Allāh Almighty has given in Qur'ān and through Prophet Muhammad (S.A.W) for the governing of Man's behavior; it is the aggregate of aḥkām Sharī'ah[(1)]. Though ordained by Allāh Almighty, few of these rules have been precisely spelled out for man's convenience; rather, man has the duty derive them from their sources. In the standard Islamic metaphor, rules themselves are "branches" (furā') or "fruit" (thamarah), which grow out of "roots" (usūl), that is, from the sources. The process of extracting or deriving (istinbaṭ, istithmār) legal rules from the sources of the Law is termed, with reference to its character as a human activity called reasoning through the effort of Ijtihād. Ijtihād literally means "self-exertion." In legal usage it refers to the jurist to formulate a rule of law on the basis of evidence (dalīl) the sources. Ijtihād is contrasted to Taqlīd, or "imitation," refers to the acceptance of a rule, not on the basis of evidence directly from the sources, but on the authority of other jurists. To the meaning of the term Ijtihād is the concept that the jurist involve a total expenditure of effort, a point more fully latter [(2)]. Ijtihād roughly corresponds to what in Western jurisprudence called "reason". The two terms are, of course different in definitions because their lexical meanings are not the same and Ijtihād includes an activity which is not normally subsumed interpretation. Nonetheless, there is a definite correspondence the two, for the greater part of the activities entailed indeed interpretive. Muslim scholars say that Islamic faith (I'tiqād) has its own law. Both Islamic law and Islamic faith are derived, on the strength of belief (lmān) and reason ('aql), from two basic sources (maṣādir) or proofs (adillah) [(3)].

The Sharī'ah, like the faith of which it is the authentic expression, is also definitive and all-embracing. The domain of the Sharī'ah is not limited

(1) Alwazna, R. Y. 2013. Testing the precision of legal translation: The case of translating Islamic legal terms into English. International Journal for the Semiotics of Law, special issue the process of translabiliting: translating and transferring law, its concepts, notions and language, 26(4):897–907

(2) Engberg, J. 2013. Comparative Law for translation: The key to successful mediation between legal systems. In Legal translation in context: Professional issues and prospects, ed. A.B. Albi, and F.P. Ramos, Bern: Peter Ling AG, International Academic Publishers, 9–25.

(3) Hallaq, W.B. 1984. Was the gate of Ijtihād closed? International Journal of Middle East Studies 16 (1): 3–41

Reasoning in Sharī'ah
Importance in interpretation & explanation of sources of Islamic Law

Dr. Farhat Nisar *
Dr. Fayyz Ahamad Faizi **

ABSTRACT

The core of Islamic legal science (jurisprudence: fiqh) consists of legal opinions based on reasoning which are supported by one or more of the primary or subsidiary sources (maṣādir) or proofs (adillah) of the Sharī'ah. There is almost unanimous agreement among the scholars of the different schools of jurisprudence that the Qur'ān and the Sunnah (the Traditions) of the Prophet (peace be upon him) are the only primary sources. In view of the extreme complexity of the possible sources of legal provisions, there can be no complete consensus on the subsidiary sources. It emerges however from the different schools of jurisprudence that the most commonly accepted subsidiary sources are: Consensus of Opinion, Reasoning by Analogy, Equitable Discretion, and finally Interests. The main purpose of this article is to offer a detailed and clear analysis of the different aspects of the process of reasoning to form legal and judicial opinions and rulings according to the principles and rules of Islamic Law (Sharī'ah).

The paper is divided in to four parts. The first part of the paper introduces the importance of reason in Qur'ān and second part discusses the role of Reason in Sharī'ah. Third part of the paper is about the role of reasoning in Sharī'ah which describes reasoning as source for explanation of Qur'ān and Sunnah, ijmā', Qiyās, Istihsān, Istislāh, Istis'hāb and 'urf. In the fourth part there is discussion of the scholars about the conditions required for the use of reasoning in Sharī'ah which is followed by findings and conclusions ion of the whole discussion of the paper.

A chief purpose of Islamic law is comprehension of welfare of human beings especially Muslims with reference to their dealings both at individual and collective level being slave of Allāh Almighty. To allow interpretation in the rules governing mankind and to generate competition use of reason in explaining the rule is allowed by the Sharī'ah. Reason is not only the means to check the authenticity and determine the exact meaning of e text, but it is also the means to determine the circumstances in which the texts should be applied.

Keywords: *Reason, Sharī'ah, Fiqh, Sources, Islamic Law.*

* Assistant Professor, COMSATS Institute of Information Technology, Islamabad.
** Assistant Professor, COMSATS Institute of Information Technology, Islamabad.

Shafi'i and Ahmed who illuminated the world with the light of their knowledge.

This division of the legacy and inheritance of the Holy Prophet is ongoing and the contemporary world is being beneficiated from the injunctions and ideas of the Holy Quran and Sunnah. The purpose of this research and knowledge is the welfare of human beings in this world and in the hereafter. Similarly, scholarly Research Journal Al-Basirah is also committed to the service of religion even beyond its status.

There is a glad tiding for the readers that Al-Basirah is indexed and abstracted by the three International Agencies *viz.,* Ulrich's, Islamicus, Proquest and a National agency, that is, AIOU; all of which are approved by HEC, Pakistan. saventeen articles, seven in Urdu, six in Arabic and four in English are included in this edition.

Al-Basirah is highly thankful to Rector NUML, Major General (R) Zia-ud-Din Najam and Director General Brig.Riaz Ahmad Gondal whose supervision worked as a guiding star for the completion and finalization of current issue. We are grateful to teachers, researchers, students, administrators and all those who participated in this noble cause in any way. We pray to Allah Almighty to accept the efforts of all the contributors. (Ameen)

Dr. Syed Abdul Ghaffar Bukhari
Editor Al-Baṣ ī rah

بسم الله الرحمن الرحيم

Editorial

Islam is the religion that has brought historic changes in all walks of life, such as economics, politics, education, training, matters of state, etc. So, it is rightly said that there is no aspect of life which is not enlightened by the teaching of Islam. Before Islam, mankind was heading towards a horrible and destructive destination and it was in search of a savior who, with a beacon of guidance, could guide him and could reform moral indecency, class conflicts, intellectual deterioration and social lawlessness forever.

The Creator of the world sent the Holy Prophet Hazrat Muhammad (S.A.W) as the desired savior, who worked unprecedentedly hard over all aspects of human life. The Holy Prophet (S.A.W) firstly familiarized human beings with the Creator and then made His universal and global teachings an essential part of their life. Now the human beings have reached at the point that they take step very carefully in all parts of life and according to the will of their Creator. This thought ignited researching mood of human beings which became the part of his mood as a result of the Quranic injunctions أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ, أَفَلَا يَتَفَكَّرُونَ.

It has been the characteristic of Islam from the first day that its teachings are not theoretical yet they are practical. The judicious amalgamation of theory and practice gave Umar and Ali, Ibn Abbas and Ibn Masood, Muadh Ibn Jabal and Abu Musa al-Ash'ari (may Allah be pleased with them) such a great research nature that human wisdom is unable to give such examples. After the Companions of the Holy Prophet (S.A.W) the تابعینؒ و تبع تابعینؒ disseminated among their followers what they got from their predecessors. Imam Abu Yousaf and Imam Muhammad, Ibn Rushd and Nowwy, Ibn Taymiyyah, Ibn Qayyim and Jozie were the students of Abu Hanifa and Malik,

TRANSLITERATION TABLE

Urdu				Arabic				Urdu Digraphs	
ا	a	ص	ṣ	ا	a	ف	f	بھ	bh
ب	b	ض	ż	ب	b	ق	q	پھ	ph
پ	p	ط	ṭ	ت	t	ک	k	تھ	th
ت	t	ظ	ẓ	ث	th	ل	l	ٹھ	th
ٹ	ṯ	ع	ʿ	ج	J	م	m	جھ	jh
ث	th	غ	gh	ح	ḥ	ن	n	چھ	ch
ج	J	ف	f	خ	kh	و	w	دھ	dh
چ	ch	ق	q	د	d	ھ	h	ڈھ	dh
ح	ḥ	ک	k	ذ	dh	ء	ʼ	ڑھ	rh
خ	kh	گ	g	ر	r	ي	y	کھ	kh
د	d	ل	l	ز	z			گھ	gh
ڈ	ḏ	م	m	س	s				
ذ	dh	ن	n	ش	sh				
ر	r	ں	n	ص	ṣ				
ڑ	ṟ	و	v	ض	ḍ				
ز	z	ہ	h	ط	ṭ				
ژ	ẕ	ء	ʼ	ظ	ẓ				
س	s	ي	y	ع	ʿ				
ش	sh	ے	y	غ	gh				

Short Vowels (AR-UR)		Long Vowels (AR-UR)		Diphthongs			
				Arabic		Urdu	
ـَ	a	ـَى / ـٰى	á	ـَوْ	aw	ـَو	au
ـِ	i	ـَا / آ	ā	ـَيْ	ay	ـَیٔ/ـَے	ai
ـُ	u	ـِى	ī	ـَيّ	ayy		
		ـُو	ū	ـِيّ	iyy		
		ـَوْ	ō (ur)	ـُوّ	uww		
		ـَےْ	ē (ur)				

- Letter (ء) is not transliterated when at the beginning.
- Article (ال) is transliterated as (al-), and as (ʼl) in construct form, whether followed by a moon or a sun letter.
- (ـــة) is transliterated as (ah) in pause form and as (at) in construct form.
- (و) as an Urdu conjunction is transliterated as (o).

Advisory Committee

- **Prof. Dr. Fateh ur Rehman Al-Qarshi**
  International Islamic University, Islamabad
- **Prof. Dr. Taj-ud-Din Azhari**
  Chairman, Dept. of Islamic Studies, High Tech. University, Taxila
- **Prof. Dr. Fazl-e-Rabbi**
  Chief Associate, Academics, Foundation University, Islamabad
- **Prof. Dr. Abdul Hameed Abbasi**
  Chairman, Dept. of Quran-w-Tafseer, AIOU, Islamabad
- **Prof. Dr. Mustafiz Alvi**
  Dept. of Islamic Studies, Lahore Leads University, Lahore
- **Prof. Dr. Mohy ud din hashimi,**
  Chairman, Dept. of Islamic Thoughts & Culture, AIOU, Islamabad
- **Prof. Dr. Muhammad Sajjad**
  Chairman, Islamic Thought, History & Culture, AIOU, Islamabad
- **Prof. Dr. Muhammad Abdul Allah**
  Sheikh Zayed Islamic Center, University of the Punjab, Lahore
- **Prof. Abdul Ali Achakzai,**
  Chairman Dept. of Islamic Studies, Baluchistan University, Quetta
- **Dr. Tahir Mehmood**
  International Islamic University, Islamabad
- **Prof. Dr. Azkia Hashimi**
  Dean, Faculty of Arts, Chairman, Dept. of Islamic & Religious Studies, Hazara University, Mansehra
- **Dr. Muhammad Ilyas**
  Dept. of Hadith, International Islamic University, Islamabad
- **Dr. Hafiz Abdul Qayyum**
  Sheikh Zayed Islamic Center, University of the Punjab, Lahore
- **Dr.Mursal farman**
  Dept. of Islamic & Religious Studies, Hazara University Mansehra.
- **Dr. Muhammad Riaz Wirdeg**
  Ex-Chairman Dept. of Islamic & Religious Studies, Hazara University, Mansehra
- **Dr. Khaleeq ur Rehman**
  Dept. of Islamic Thought & Culture, University of Management & Technology, Lahore
- **Dr.Hazrat umar**
  English Dept. NUML Islamabad

Editorial Committee

(National)

- **Prof. Dr. Muhammad Akram Chaudhry**
  Ex Vice Chancellor, Sargodha University, Sargodha
- **Prof. Dr. Sohail Hassan**
  Director, Dawah Academy, IIU, Islamabad
- **Prof. Dr. Ali Asghar Chishti**
  Dean Faculty of Arabic & Islamic Studies, AIOU, Islamabad
- **Prof. Dr. Miraj-ul-Islam Zia**
  Dean Faculty of Oriental Studies, University of Peshawar, Peshawar
- **Prof. Dr. Muhammad Zia-ul-Haq**
  Director General, Islamic Research Institute, IIU, Islamabad
- **Prof.Dr. Abdul Rauf Zafar**
  Chairman Dept.of Islamic Studies, Sargodha University, Lahore Campus
- **Prof. Dr. Hammad Lakhvi**
  Dept of Islamic Studies, University of the Punjab, Lahore
- **Prof. Dr. Dost Muhammad**
  Director, Sheikh Zayed Islamic Center, Peshawar University, Peshawar

(International)

- **Prof. Dr. Ahmed Yousaf Al-Duraiwesh**
  President, International Islamic University, Islamabad
- **Prof. Dr. Sohaib Hassan**
  Secretary Sharia Council, London, United Kingdom
- **Prof. Dr. Muhammad Hafeez Arshad**
  Director, Higher Learning Center, London, United Kingdom
- **Prof. Dr. Khadim Hussain Ellahi Bakhsh**
  Taif University, KSA
- **Prof. Dr.Hafiz Abdulwaheed**
  Director Abdul Haleem Quranic institute, America
- **Prof. Dr. Ahmad bin Mishail Al Ghamdi**
  Umul Qura University, KSA
- **Prof. Dr. Shabir Ahmad**
  Director Al-Tadhkeer Society, Australia
- **Prof. Dr. Barkat Dib**
  Al-Azhar University, Cairo, Egypt

5. Discussion

In this part of the article, author would present his views and research in detail.

6. References

References should be made according to the following guidelines:

i) References should be made as Footnotes.

ii) While giving references, *Chicago Manual Style* should be adopted.

iii) While referring to a book, author's name, name of the book, publisher's name & place and year of publication and then Volume No/ Page No should be clearly mentioned.

Following example should be followed:

Ibn Kathīr, Tafsīr Al-Qurān Al-Azīm, Dar al-Sādir, Bayrūt, 1354 A.H, 2/312

iv) For similar references at multiple locations, traditional style of abbreviations may be used.

v) Quranic verses in the article be presented in Arabic script.

Method would be as under:

Sura Nisa: 4/184

vi) All Ahadiths should be briefly interpreted.

Example for this is as under:

Al-Bukhārī, Al-Jami' Al-Sahēh, Kitāb al-Ilm, Bāb Ifshā al-salām min al-Islām, Darussalām, Riyaḍ, 1414A.H, Hadith no: 29, 1/8

vii) All-known figures mentioned in the article must be briefly introduced and references from books should also be quoted.

Research Journal
Al Baṣīrah

Rules & Regulations for publishing an Article

General Points:

1. Article should be composed on one side of A4 paper. It should not be more than 25 pages.
2. While composing the article, be careful regarding font sizes:
   a. For main-headings, font size: 18,
   b. For sub-heading, font size: 16 and
   c. For matter, font size: (Urdu & Arabic:14,English:12)
   d. For foot note, font size:(Urdu & Arabic:12,English:10)
3. The article should have not been published anywhere else.
4. The article should be in accordance with the research principles and should be on a new topic. Moreover, the article should be adorned with the references of basic sources and should not be infringed.
5. It is necessary to take care of secret and rules of writing & spelling.
6. Three hard copies and one soft copy are required.
7. Author would enclose an abstract containing approximately 250 words.
8. Article may be written in the Urdu, English or Arabic languages.
9. It is necessary to avoid from errors and omissions.

Directions for Writing & Editing

Thesis should contain the following

1. **Abstract**

   It should contain summary regarding research. Abstract must be written in English language.

2. **Introduction**

   Introduction must include objective, methodology, distinctive characteristics of the research work and conclusion.

3. **Keywords**

   Authors are required to include five key words.

4. **Conclusion**

   Conclusion should be presented in a logical sequence.

Research Journal
Al Baṣīrah
Editorial Policy

* **Al-Baṣīrah** is a research magazine purely affiliated with Islamic Sciences and Arts, which is of greater importance for the world of knowledge and research. Editorial policy regarding articles to be published in the magazine is as under:
* **Al-Baṣīrah** Articles should be relevant and around the topics such as Uloom Al-Quran, Uloom Al-Hadith, Ilm-w-Usool-e-Fiqh, Comparative Religions, Ilm Al-Kalam and Sufiism, Philosophy, Science, Literature, Eco-omics, Sociology, Political, Cultural,Arabic language & Literature etc. Similarly, introduction & comments on Muslim Personalities and Islamic Books.
* **Al-Baṣīrah** shall be published twice a year (in June & December)
* **Al-Baṣīrah** Research articles for publication will be forwarded for peer review to two nominated referees, one National and two International analysts.
* **Al-Baṣīrah** regarding the publication process,the Rules & Regulations of HEC will be implemented**.**
* **Al-Baṣīrah** Decision of the Editorial Board regarding publishing article will be the final.
* **Al-Baṣīrah** Editorial Committee reserves the rights of necessary amendments, cancellation and abstract in the articles sent. Editor shall inform the writers with the opinion of the analysts and to make necessary changes.
* All research articles published in **Al-Baṣīrah** express the view-points of their authors. So every article is the sole responsibility of the writer whilst Editorial Committee and NIML, Islamabad has no responsibility in this regard.
* Articles once sent to **Al-Baṣīrah** shall not be returned in both the case, published or not published.
* **Al-Baṣīrah** Two copies of Research Journal would be given to each participant.

Arabic Articles

* Islamic legal orders for stoppage of remedy of a despaired patient *Dr. Manzoor Ahmad Alazhri* 157
* Dawah reflections in the dialogues of the Holy prophet (S.A.W) & its impacts in the social life *Dr. Tahir Sidique* 173
* Renitency of Despotism in Modern Arabic and Urdu Poetry *Dr Ubaidurehaman sialkoti* 189
* Benefits and positive effects of the incident of Ifk In the light of Prophetic Sunnah *Dr.Masood Ahmad Sindhi* 209
* Evidence of Hidaya and its types in the context of Holy Quran *Abu Bakar Bhutta/Dr Kafayatullah Hamdani* 223
* Additional in the demonstrative pronouns *Dr. Khaliqurehman* 241

English Articles

* Reason Interplay in explanation of Islamic Law: Its role and impact on Shariah *Dr. Farhat Nisar / Dr. Fayyz Ahamad Faizi* 1
* Qurānic and Legislative Facade of Veil in Pakistan *Dr. S. Aftab Aalam* 15
* Islam, Forced Marriages and Pakistani Culture: An Analytical Overview *Dr. Naseem Akhter/Dr. Arshad Munir* 29
* Factors Affecting Prenatal Development: An Analysis from the Sunnah & Contemporary Psychology *Muhammad Tahir/ Dr. M. Tahir Khalily* 43

Table of Contents

- ❊ Editorial Policy V
- ❊ Rules & Regulations for publishing an Article Vi
- ❊ Editorial Committee (National & International) Viii
- ❊ Advisory Committee Ix
- ❊ Transliteration Table X
- ❊ Editorial Xi

Urdu Articles

- ❊ Sūfī Abdul Hamīd Swātī's Style & Methodology in "Durūs Al Hadīth" (An analytical view) 1
  M. Iqbal / Dr,Syed A.G. Bukhari
- ❊ Impacts & Benefits of Sīrat Writing of Muhammad (SAW) 27
  Shaheen kausar
- ❊ predictions of Torah & Gospel about Prophet Muhammad (S.A.W) 47
  Dr.Noor Hayat Khan
- ❊ Use of 'Transliteration' in Research Theses & Journals of Islamic Studies: An Analytical Study 69
  Dr.Mirajulislam Zia / Dr. saeedurehman
- ❊ Sir Syed Ahmed Khan's Reformative Steps 87
  Dr.Tahir Khan
- ❊ Various Dimensions of peace in Christianity 111
  Dr.Tanveer Qasam/Dr.Zahid Latif
- ❊ Principles and Methodologies of Interpretation & Explanation of Islamic & Western Law 133
  Maimonah Yasmeen

Publisher: Dept. of Islamic Studies, NUML, H-9, Islamabad

Printing: National University of Modern Languages
(NUML), H-9, Islamabad

Volume: 5 Issue: 2

Dec - 2016

Number: **200**

Price: Domestic Rs. 300/= Abroad $ 10/=

Abstracting and Indexing Agencies

1	**Ulrich's**	http://ulrichsweb.serialssolutions.com Shawn.Chem@proquest.com
2	**Islamicus**	http://bibliographies.brillonline.com/browse/index-islamicus ixis@soas.ac.uk
3	**Proudest**	www.proquest.com info@ProQuest.com
4	AIOU	www.aiou.edu.pk

All Correspondences should be addressed to:

Dr. Syed Abdul Ghaffar Bukhari
Editor: **Al Baṣ ī rah**
Deptt. of Islamic Studies, NUML, H-9, Islamabad
Ph: 0092 051-9265100 EXT (2210)
E-mail: al-basirah@numl.edu.pk
Web-site: www.numl.edu.pk

Research Journal

Al Baṣīrah

ISSN: 2222-4548

Volume: 5 **Issue:** 2

Dec – 2016

Chief Patron:
Maj.Gen (R) **Zia ud Din Najam**
HI(M) Rector NUML

Patron:
Brig. Riaz Ahmad Gondal
Director General NUML

Editor:

Dr. Syed Abdul Ghaffar Bukhari

DEPARTMENT OF ISLAMIC STUDIES, NUML,
ISLAMABAD - PAKISTAN

Research Journal

Al Baṣīrah

Say, "This is my way; I invite to Allah with insight,
I and those who follow me" (Al-Quran)

HEC Approved

Department of Islamic Studies NUML, Islamabad